سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۵۹

تاریخ اسلام

حصہ اول

عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ

یعنی آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی،

سیاسی، تمدنی، اور علمی تاریخ،

مؤلفہ

شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

سنہ ۱۳۵۸ھ   معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپی   سنہ ۱۹۳۹ء

فہرست

تاریخ اسلام حصہ اول

مذہبی انتظامات

فاروقی کارنامے

حضرت عثمانؓ بن عفان

سنہ ۲۴ھ تا سنہ ۳۵ھ

۶۴۵ء ۶۵۵ء

مضمون	صفحہ

خلافت اور فتوحات

۲۳۳ - ۲۴۳

خلافت اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

[illegible] - ۲۷۱

عہدِ مرتضوی پر ایک نظر

۳۴۸ - ۳۶۳

حضرت حسنؓ بن علیؓ

سنہ ۴۰ھ تا سنہ ۴۱ھ
۶۶۱ء ۶۶۲ء

۳۶۹ - ۳۸۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

دارالمصنفین کے پیش نظر کاموں مین ایک اہم کام ایک مکمل اور مفصل تاریخ اسلام یعنی ان تمام اسلامی حکومتوں کی تاریخ کی تالیف تھا جو شروع سے اس وقت تک دنیا کے مختلف حصوں مین قائم ہوئیں،

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اس قسم کی کتابین یورپ کی زبانون مین تو موجود ہون مگر خود آٹھ کرور مسلمانون کی زبان میں نہ ہو، گو اس قسم کی تاریخ اس لحاظ سے نہایت آسان ہے کہ کسی عربی فارسی پرانی تاریخ کا ترجمہ کر دیا جائے، مگر اہل نظر جانتے ہین کہ زمانہ کا رنگ بدلا ہے، مذاق ہو کا تقاضا کچھ اور ہے، تمدنی اور علمی حالات جو اس زمانہ میں بہت کم لکھے جاتے تھے، اب ان کے بغیر کسی دور کی تاریخ، تاریخ نہیں کہی جا سکتی، پھر ہندوستان میں مسلمان جس راستہ پر چل رہے ہین اور محفل کا رنگ جس طرح بدل رہا ہے اُسے دیکھکر یہ امید بھی نہیں ہوتی کہ آیندہ مسلمان قوم اپنی تاریخ کو پڑھکر اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کرے گی، بہرحال جن کے دلون مین احساس ہے وہ اس کے لئے بیتاب ہین کہ مسلمانون کے سامنے ان کی تاریخ کا ایسا آئینہ رکھدیا جائے جس میں ان کے چہرہ کا ہر خط و خال نمایاں ہو جائے،

ان اسباب سے اسلام کی اس اہم تاریخ کی تالیف کا کام دارالمصنفین میں شروع کیا گیا تھا اور

اس کی مختلف جلدیں مختلف رفقاء کے سپرد کی گئی تھیں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں گی، اس سلسلہ کی ابتدائی جلدیں جو دورِ نبوت، خلافتِ راشدہ، حکومت امویہ، عباسیہ اور ان تمام مشرقی حکومتوں اور ریاستوں سے متعلق ہیں جو عرب، عراق، ایران، ترکستان اور افغانستان وغیرہ ان ملکوں میں قائم ہوئیں جو اس زمانہ میں مشرقی ممالک کہلاتے تھے شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی کے سپرد کی گئی تھیں، چنانچہ سالہا سال کی محنت میں انھوں نے یہ جلدیں ترتیب دی ہیں، ان میں کی پہلی جلد ہدیۂ ناظرین ہے جس میں آغاز اسلام سے لیکر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری تک کے حالات ہیں، دوسری جلد بنی امیہ اور تیسری جلد بنی عباس کی ہوگی، اس طرح کم و بیش بائیس مشرقی حکومتوں کی تاریخ ہوگی،

اس پورے سلسلہ میں اسلام کے اخلاقی اثرات اور مسلمانوں کی تمدنی تاریخ کو خاص طور سے پیش نظر رکھا گیا ہے، یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی اخلاقی حالت کیا تھی، اسلام نے کیا سبق دیا، اپنی تعلیم کے اس نے کیسے نمونے پیدا کئے، انھوں نے خود کہاں تک اس تعلیم پر عمل کیا، اور دوسروں کے تعلیم کہاں تک اس کو برتا، دنیا پر اس کے اثرات کیا پڑے اور انسانیت کو اس سے کیا فوائد پہنچے، مسلمانوں نے علوم و فنون کی کیا خدمت کی اور انسانی تہذیب و تمدن کا قدم کہاں سے کہاں پہنچایا، اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اس کے اثرات و نتائج کے اعتبار سے سب روشن زمانہ عہد نبوت اور خلافت راشدہ کا ہے، اس لئے اس حصہ میں اس پہلو کو خاص طور سے دکھایا گیا ہے، سیاسی تاریخ یعنی فتوحات وغیرہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس کا کوئی ضروری پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، لیکن اس کی جزوی تفصیلات سے کتاب کو طول نہیں دیا گیا ہے کہ ایسی کتابوں کی اردو زبان میں کمی نہیں ہے،

غلط، مشتبہ، مختلف فیہ اور قابلِ تحقیق واقعات پر بحث و تنقید کے بجائے، مؤلف

سے اپنے نقطۂ نظر سے صحیح اور مستند واقعہ لکھدیا ہے، کہ تحقیق و تنقید کی تفصیلات میں پڑنے سے کتاب بہت بڑھ جاتی، امید ہے کہ تاریخ اسلام کا یہ پورا سلسلہ دس بارہ حصوں میں پورا اور مسلمانوں کی علمی و عملی تاریخ کا ذریعہ ہوگا،

سید سلیمان ندوی

ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ،

۱۳ شعبان سنہ ۱۳۵۸ھ
۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرب قبل از اسلام

وجہ تسمیہ عرب کی وجہ تسمیہ کے بارہ مین دو بیانات ہین۔ ایک یہ کہ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہین، چونکہ عرب اپنی فصاحت اور زبان آوری کے مقابلہ مین ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لئے اپنا نام عرب یعنی فصیح اللسان اور دوسری قومون کا عجم یعنی ژولیدہ بیان رکھا ہے، دوسرا یہ کہ عرب مشتق ہے "عربہ" سے جس کے معنی دشت و صحرا کے ہین، چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے اس لئے سارے ملک کو عرب کہنے لگے،

جغرافیہ جغرافی شکل کے اعتبار سے عرب جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف پانی اور ایک سمت خشکی ہے، مغرب میں بحیرۂ قلزم، آبنائے سویز اور بحیرۂ روم ہے، مشرق میں بحر ہند، خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب مین بحر ہند، شمال کے حدود بہت مختلف ہیں بعض جغرافیہ دان شام تک اس کے حدود کو وسعت دیتے ہین،

عرب کی اب تک باقاعدہ پیمایش اور مردم شماری نہیں ہوئی ہے لیکن تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے جو جرمنی اور فرانس سے چوگنا ہے، اور آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے، ملک کا بڑا حصہ ریگستان وصحرا پر مشتمل ہے، ملک بھر مین پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، عراق، یمن اور شام کے خطے شاداب و

زرخیز ہیں محلِ وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب و ہوا جدا جدا ہے لیکن عموماً گرم و خشک ہے،

قدیم تاریخ

عرب لسانی تقسیم کے اعتبار سے سامی ہیں مورخین نے انھیں تین طبقات پر تقسیم کیا ہے عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ، عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزاروں سال پہلے مٹ چکا، عاد و ثمود کی قومیں اسی طبقہ سے تھیں، اشعارِ عرب اور بعض الہامی صحیفوں کے علاوہ کسی تاریخ سے ان کا پتہ نہیں چلتا، عرب عاربہ کی جو قحطانی کہلاتے ہیں تاریخ موجود ہے، یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد تھے، یہی لوگ عرب کے اصلی باشندے ہیں اور عرب کی قدیم تاریخ اُن ہی سے وابستہ ہے، عرب میں ان کی بڑی بڑی اور ترقی یافتہ حکومتیں تھیں، ان کے عظیم الشان محلات کے کھنڈر اب تک عرب میں پائے جاتے ہیں، جو ان کے دنیاوی جاہ و جلال کے شاہد ہیں، تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے، یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل سے ظاہر ہوا، ظہورِ اسلام کے وقت یہی دو طبقے عرب میں تھے، اور اسلام کی ابتدائی تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے،

بعثتِ ابراہیمی

عرب کی دینی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے ہوتا ہے، حضرت ابراہیم سے پہلے سارے عالم میں گمراہی اور ضلالت چھائی ہوئی تھی، روئے زمین پر ایک قوم بھی خالص خدائے واحد کی پرستش کرنے والی نہ تھی، انسانوں کو خدائی کا دعویٰ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے وطن بابل میں نمرود اپنا مجسمہ پجواتا تھا اور قوت کے زور سے اپنی خدائی منواتا تھا، اس تیرہ و تار دور میں خدا نے حضرت ابراہیم کو نورِ ہدایت دے کر بھیجا، مگر اس عام تاریکی میں کوئی نگاہ نورِ ہدایت کو نہ پہچان سکی اور ہر طرف سے حضرت ابراہیمؑ کی مخالفت شروع ہو گئی، نمرود نے آپ کو آگ میں ڈلوایا، اعزہ خاص نے مخالفت کی، باپ دشمن بن گیا، اس لئے آپ ترکِ وطن کر کے مصر چلے گئے، رقیون فرمانروائے مصر نے ناموس پر حملہ کرنا چاہا، لیکن پھر اس کی نگاہوں سے باطل کا حجاب اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور رخصت کرتے وقت اپنی لڑکی ہاجرہؑ آپ کے ساتھ بیاہ دی،

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی سارہ تھیں، ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اور سارہ کے شکم سے حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت سارہ نے گہوارۂ تمکنت میں پرورش پائی تھی، اس لئے وہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں، ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ ناپسند کرتی تھیں، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل اور ان کی ماں کو لے جاکر عرب میں آباد کیا،

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیم کا سب سے پہلا اور مقدم فرض گمراہ دنیا کو توحید سے آشنا کرنا تھا، لیکن عراق و مصر و شام کی متمدن دنیا میں گھوم کر دیکھ چکے تھے کہ یہاں کوئی اس کا سننے والا نہ تھا، اس لئے توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ریگستان عرب کا سادہ صفحہ جو اپنی اصلی فطرت پر اور تمدن کی نقش آرائیوں سے پاک تھا انتخاب کیا اور حضرت اسمٰعیل کے مستقر مکہ میں خدائے واحد کی پرستش کے لئے بے سقف و در کا ایک چھوٹا سا گھر بنایا، اور حضرت اسمٰعیل کو اس کا متولی بنا کر اس گھر کی آبادی و مرکزیت اور نسل اسمٰعیل کی برومندی کے لئے خدا سے دعا کی، روئے زمین پر یہ پہلا گھر تھا جو خالص خدائے واحد کی عبادت کیلئے بنایا گیا،

کعبہ کی تعمیر سے پہلے اس مقام (مکہ) پر کوئی آبادی نہ تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مستجاب کے اثر اور کعبہ کی کشش سے لوگ رفتہ رفتہ یہاں آکر آباد ہونے لگے اور سب سے پہلے جرہم کا قبیلہ حوالیِ مکہ میں آکر آباد ہوا،

آل اسمٰعیل

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضاض جرہمی کی لڑکی سے شادی کی، اس سے بارہ اولادیں ہوئیں، ان میں سے نابت و قیدار کی نسل نے بڑا دنیاوی جاہ و جلال حاصل کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں کعبہ کو عرب میں مرکزیت حاصل ہو گئی تھی، اور یہ سلسلہ چل نکلا تھا، چنانچہ حضرت اسمٰعیل کے بعد کعبہ کی تولیت کا منصب ان کے لڑکے نابت کے حصہ میں آیا اور دو ہی پشتوں کے بعد آل اسمٰعیل میں اتنی کثرت ہو گئی کہ حصولِ معیشت کے لئے انہیں مکہ سے باہر نکلنا پڑا، ان کے نکلنے کے بعد ہی جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا، آل اسمٰعیل سے ننہالی رشتہ کی وجہ سے

ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی اور وہ مدتوں کعبہ کے متولی رہے کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہی
کے مرادف تھی آل جرہم اس کے متحمل نہ ہو سکے اور انھوں نے تولیت کے گھمنڈ میں بڑی بے عنوانیاں
شروع کر دیں خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے، حجاج کو ستاتے، طرح طرح کے مظالم کرتے، جب اُن کی
یہ بے عنوانیاں حد سے سوا ہو گئیں تو آل اسمٰعیل نے انھیں مکہ سے نکال کر پھر کعبہ کی تولیت واپس لے لی،
اور یہ منصب نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا عدنان تک پہنچا، یہ بڑا تاریخی شخص ہے آنحضرت صلعم اور اکثر
صحابہؓ کا سلسلۂ نسب اسی پر منتہی ہوتا ہے، اس کے زمانہ میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا جس سے عدنان
کو سخت نقصان پہنچا، اس حملہ سے سنبھلنے کے بعد عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی، ربیعہ، مضر، اور قضاعہ
کے مشہور قبائل اسی کی نسل سے تھے، جنھوں نے عرب کی پرانی تاریخ میں بڑی عظمت و شان حاصل کی،
حجاز، نجد، عراق اور شام وغیرہ عرب کے تمام حصوں میں اُن کی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں، ان کا خاص
پیشہ تجارت تھا،

خاندان قریش کی بنیاد اور اس کا نظام

آگے چل کر عدنان کی نسل سے خاندان قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس
خاندان کی بنیاد پڑی ہے، ظہور ہوا، اس کا لقب قریش تھا، اس نسبت سے
اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے، قریش کے کل خانوادے اسی کی نسل سے تھے، اس کی پانچویں پشت میں
قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا، قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی مشہور شخص سے ہوتا ہے،
قصی کا باپ اس کے بچپن میں مر گیا تھا، ماں نے قبیلۂ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی تھی، اس لئے
قصی کا بچپن بنی عذرہ میں گذرا، جوان ہوا تو اپنے اصلی خاندان اور اس کی عظمت کا پتہ چلا، غیور طبیعت نے
اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا، اس لئے وہ بنی عذرہ کو چھوڑ کر حجاز پہنچا، ناصیہ اقبال پر آثار بلندی دیکھ کر
ددھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا،

اس زمانہ میں قریش کی حالت نہایت خراب ہو رہی تھی، ان کا کوئی نظام نہ تھا، وہ حجاز کے مختلف

گوشوں میں منتشر تھے، حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض ہوگئے تھے، اور قصی کے ورود مکہ کے وقت حرم کی تولیت حلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی قصی بچپن سے نہایت حوصلہ مند، عاقل و فرزانہ اور امارت پسند تھا، اسے یہ منصب جلیل غیروں کے ہاتھوں میں گوارا نہ ہوا، چنانچہ اس نے پہلے ہی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ کو حرم سے نکالا، اس کے بعد قریش کو جو مختلف مقامات پر منتشر تھے سمیٹ کر مکہ لایا اور ان کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا،

قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی اس کے کئی شعبے تھے جو مختلف قبائل میں تقسیم تھے بڑے شعبے تین تھے، فوجی[1]، عدالتی[2] اور مذہبی[3]، اور پھر یہ تینوں کئی شعبوں پر تقسیم تھے

فوجی عقاب[1] یعنی قومی نشان کی علمبرداری، قبہ[2] فوجی کیمپ کا انتظام، اعنہ[3] سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری، سفارۃ[4] دوسری حکومتوں اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفتگو وغیرہ،

عدالتی شعبہ، ندوہ[1] عدالت اور قومی جلسہ گاہ کا انتظام مشورہ[2] امور مہمہ میں صلاح و مشورہ اشناق[3] جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت، حکومت[4] مقدمات کا فیصلہ **مذہبی** شعبہ، سقایہ[1] حاجیوں کے خورد و نوش کا انتظام، عمارہ[2] خانہ کعبہ کا انتظام، رفادہ[3] حاجیوں کی مالی اعانت، سدانہ[4] خانہ کعبہ کی کلید برداری، ایسار[5] بتوں سے استخارہ کی خدمت، اموال المحجرہ[6] بتوں کے چڑھاوے کا انتظام،

یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے، ظہور اسلام کے وقت ان کی تقسیم یہ تھی،

عقاب بنی امیہ، قبہ اور اعنہ بنی مخزوم، سفارت بنی عدی، ندوہ بنی عبد دار، مشورہ بنی اسد اشناق بن تیم، حکومت بنی سہم، سقایہ اور عمارہ بنی ہاشم، رفادہ بنی نوفل، سدانہ بنی عبد دار، ایسار بنی جمح اور اموال المحجرہ بنی سہم،

خانہ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا، حج کے موقع پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے، قصی سے پہلے

ان کی آرام و آسایش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا سب سے پہلے قصیٰ نے اس طرف توجہ کی اور قریش سے کہا کہ "حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کر کے حرم کی زیارت کے لئے آتے ہیں، ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے"۔ اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لئے سالانہ ایک رقم مقرر کر دی، جس سے منیٰ میں حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا، مکہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام ہے قصیٰ نے حرمی حوض بنوا کر پانی کا معقول انتظام کیا،

قصیٰ کے چھ اولادیں تھیں، عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ، عبد، تخمر، برہ، مرتے وقت قصیٰ نے حرم کے تمام مناصب عبدالدار کو دیئے اور قریش کی سیادت عبد مناف نے حاصل کر لی، عبد مناف کے چھ لڑکے تھے، ان میں ہاشم رسول اللہ صلعم کے دادا سب سے زیادہ با اثر تھے، بنی عبدالدار کی نااہلی کی وجہ سے انہوں نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے عبدالدار سے لے لئے،

ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی اور اخلاقی اور سیاسی حالت

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ عرب اور قریش کی سیاسی تاریخ تھی، ان کی مذہبی تاریخ اسلام سے وابستہ ہے، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں سب سے اول حضرت ابراہیمؑ نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا، اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے مکہ میں سب سے پہلا خدا کا گھر بنایا، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ لوگوں کے دلوں سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا تھا، اور نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم میں خالص خدا کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوئے، بڑے بڑے مصلحین نے اخلاق کی صدائیں بلند کیں، ان کا وقتی اثر بھی ہوا، لیکن زود فراموش انسان نے توحید و اخلاق کے یہ سبق بہت جلد فراموش کر دیئے، اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ زمین کے کسی حصہ میں کوئی حقیقی خدا شناس قوم باقی نہ رہ گئی، جن قوموں میں نور الٰہی کی کوئی کرن تھی بھی تو اس پر جہل کے اتنے تو بر تو حجاب پڑ گئے تھے کہ اس کی اصلی صورت نہ پہچانی جاتی تھی،

ایران، روم اور ہندوستان تمام روحانی مرکزوں کی مذہبی حرارت سرد ہو چکی تھی، ایرانی
قوم توحید خالص سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئی تھی، زردشت اور مانی نے جو اخلاقی آگ روشن کی تھی
وہ یزداں اور اہرمن کا گورکھ دھندا بن گئی تھی، ان کی کتاب اخلاق میں باپ بیٹی اور بھائی بہن
کی کوئی تمیز نہ تھی، حکومت البتہ ان میں تھی لیکن حکمرانوں کو راہب کا درجہ حاصل تھا، رعایا ان کی پرستش
کرتی تھی، ملک کے لئے کوئی اخلاقی قانون نہ تھا ظلم و جور کی حکومت تھی، طاقتور کے مقابلہ میں ناتوان
کی ہستی نہ تھی، ادنیٰ اعلیٰ کا غلام تھا، آئے دن کے سیاسی انقلابات نے ملک کو امن و امان سے محروم کر دیا تھا
روم و فرنگ کی حالت جو دین و دنیا اور مذہب و حکومت دونوں کے تاجدار تھے کچھ ایران
سے بھی زیادہ زبوں تھی، پاک اور اصلی عیسائیت مدتوں پہلے پال کے ہاتھوں مسخ اور آلودہ ہو چکی
تھی، حضرت عیسیٰؑ، مریمؑ اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کی تعیین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیئے
تھے جن میں ہمیشہ کشت و خون ہوتا رہتا تھا، اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے رنگین
رہتا تھا، توحید کی جگہ تثلیث اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کے بتوں کی پرستش ہوتی
تھی، دین کی باگ گمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آگئی تھی ہر پادری ایک بااختیار خدا
اور مسجودِ خلائق تھا اور اس کی قبر عبادت خانہ تھی ان کی جنبشِ لب پر نظامِ حکومت الٹ پلٹ جاتا تھا
حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی تاریک تاریخ ہے، مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح
طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں، وہ عیسائیت جو دنیا کو امن و آشتی اور تمرد اور لذائذ دنیوی سے
اجتناب کا سبق دینے کے لئے آئی تھی جنگ و جدال سفاکی و خونریزی اور عیش و ہوس پرستی کا گہوارہ
بن گئی تھی، مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش و نشاط کے گہوارے تھیں، جن پیشواؤں میں مذہبی جذبہ
باقی بھی تھا وہ ایسی کریہہ اور تکلیف دہ شکل میں، کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، سیاسی
حالت بھی اس سے کم ابتر نہ تھی آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خود مختاری نے مشرقی اور مغربی

روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل و انحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا

تیسرا روحانی مرکز ہندوستان تھا اگرچہ یہ بھی ایران کی طرح ہمیشہ توحید خالص سے ناآشنا رہا لیکن یہاں کے مصلحین کرشن اور گوتم وغیرہ مختلف زمانوں میں فلسفیانہ روحانیت اور اخلاق کا درس دیتے رہے لیکن یہ اسباق مدت ہوئی فراموش ہو چکے تھے، اور ان کی تعلیم کا دور دورہ تھا جو قدیم ہندوستان کا سب سے زیادہ تاریک عہد شمار کیا جاتا ہے، شرک ہمیشہ سے ہندوستان کے خمیر میں تھا، اس دور میں شرک انتہا کو پہنچ چکا تھا، اوہام پرستی نے کروڑوں خدا بنا دیئے تھے، زمین سے لے کر آسمان تک ہر شے خدا تھی بقول ایک ہندو مورخ کے خداؤں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی خدا پڑتے تھے، ایران کی تعلیم نے شرافت انسانی کو بالکل مسخ کر دیا تھا، برہمن طبقہ ایسے سے بلند طبقہ کا غلام بلکہ کچھ اس سے بھی پست تھا، اس کو جانوروں کے برابر بھی حقوق حاصل نہ تھے، برہمن کے لئے کسی حالت میں کوئی سزا نہ تھی، اگر اچھوت اونچی ذات والے کو چھو لیتے تو اسکی سزا موت تھی، نیچے طبقے مذہبی تعلیم سے قانوناً محروم کر دیئے گئے تھے،

اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی، ایک ایک عورت کئی کئی شوہر کر سکتی تھی شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، بدمستی میں ہر گناہ ثواب بنجاتا تھا، محرمات تک سے تمتع بھی کار ثواب سمجھا جاتا تھا، عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی، بڑے بڑے ذی وجاہت امراء کی عورتیں جامۂ عصمت اتار پھینکتی تھیں،

مذہب بھی بداخلاقیوں سے محفوظ نہ تھا، بلکہ ان کا معلم بن گیا تھا، بعض فرقوں میں اعضائے تناسل کی پرستش ہوتی تھی مندر کے پجاری بداخلاقیوں کا پیکر تھے، دیوداسیوں کی اخلاقی حالت شرمناک حد تک گری ہوئی تھی، عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی بعض طبقوں میں لڑکیاں قتل کر ڈالی جاتی تھیں، عورت شوہر کی موت کے بعد تمام دنیاوی لذائذ سے محروم کر دیجاتی تھی، اس لئے وہ شوہر کے ساتھ جل مرجانے کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی،

اس وحشیانہ اور تاریک دور میں اگر کسی انسان میں حق کی تلاش کا جذبہ پیدا بھی ہوتا تھا، تو جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر خدا کو تلاش کرتا تھا اور تزکیۂ روح کے لئے جسم کو ایسی دردانگیز سزائیں دیتا تھا جو طاقتِ بشری کی برداشت سے باہر ہیں،

اس عالمگیر تاریکی میں اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید ہو سکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے لیکن انکے غرور اور گھمنڈ نے انھیں برباد کر دیا تھا، ساری خدائی میں وہ صرف اپنی قوم کو خدا کا محبوب اور اس کا کنبہ سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی محبوبیت کی وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، متمرد اور سرکش ایسے تھے کہ پیغمبروں کی بات تک نہ سنتے تھے اور انھیں قتل کر ڈالتے تھے،

ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا لیکن وہ بھی ان کے دست برد سے محفوظ نہ رہ گیا تھا، احکام الٰہی کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیتے تھے، اور صرف اُن ہی احکام پر عمل کرتے جو ان کے مقصد کے معارض نہ ہوتے ظاہری دینداری اور لفظی موشگافیوں کے علاوہ مذہب کی روح ان سے رخصت ہو چکی تھی، اور سیکڑوں قسم کے اوہام و خرافات نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، انتہا درجہ کے طماع اور لالچی تھے، اس ذلیل وصف نے انھیں بڑا حریص بنا دیا تھا، سود خواری ان کی فطرت میں داخل ہو گئی تھی، اس نے ان میں بڑی شقاوت و سنگدلی پیدا کر دی تھی، معمولی زیور کی طمع میں چھوٹے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے، اگرچہ وہ مذہب کے اعتبار سے نہایت قدیم تھے لیکن ان کی ذلت نفس کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی، ان کا مذہبی مرکز بیت المقدس تک ان کے ہاتھوں میں نہ تھا اور وہ دوسرے ملکوں میں آوارہ پھرتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت و تحقیر کا برتاؤ کیا جاتا تھا، غرض عقیدہ، مذہب، اخلاق اور سیاست ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھے[1]،

خود عرب کی حالت جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور خدا کی پرستش کے لئے سب سے پہلا خانہ خدا بنایا، مذکورہ اقوام سے کچھ بہتر نہ تھی، گو وہ دینِ ابراہیمی کے پیرو تھے

[1] دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا مجمل بیان سیرۃ النبی ج ۴ ص ۱۹۲ تا ۱۹۹ سے ملخص ہے،

لیکن اس کی صورت بالکل مسخ ہو چکی تھی اور توحید کا رخ پر یا شرک اور بت پرستی کے اوہام مین چھپکر رہ گیا تھا، خدائے واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز شریک ہو گئے تھے، فرشتون کو خدا کی بیٹیان کہتے تھے، اجنہ کو الوہیت کا مرتبہ دیتے تھے، بتون کو مظہر خدا مان کران کی پرستش کرتے تھے، سیکڑون بتون کی پوجا ہوتی تھی، ان مین لات، منات، ہبل اور عزیٰ زیادہ باعظمت تھے، ہبل خاص خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا، تمام عرب اس کی پرستش کرتا تھا، قبائل کے بت علٰحدہ علٰحدہ تھے منات، اوس وخزرج کا تھا، لات ثقیف کا، عزیٰ غطفان کا، عزیٰ کی پرستش ارکان حج میں داخل تھی، ان بتون کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے تھے، ان پر انسانون کی قربانیان ہوتی تھین، بتون کے نام کے تیرون کے ذریعہ سے قرعہ اندازی ہوتی تھی، ان کے علاوہ سیکڑون لکڑی اور مسالے کے خانہ ساز اور عائلی خدا تھے

بت پرستی کے علاوہ مختلف قبائل میں مختلف مذاہب رائج تھے، ربیعہ وغسان عیسائی تھے قضاعہ میں عیسائیت کا اثر تھا، حمیر، کنانہ بنو حارث، اور کندہ یہودی تھے، بنی تمیم کا قبیلہ مجوسی تھا، بعض قبائل مین ستارہ پرستی رائج تھی،

ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے خیالات وعقائد پائے جاتے تھے کچھ ملحد تھے جو سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے، بعض خدا کے قائل تھے، لیکن حشر ونشر اور سزا وجزا کو نہ مانتے تھے، بعض انبیاء کے منکر تھے، غرض کوئی ایسا عقیدہ وخیال نہ تھا جو عربون میں رائج نہ رہا ہو،

ضعیف الاعتقادی نے صدہا قسم کے اوہام وخرافات دنیا کی طرح پھیلا دیئے تھے، اخلاقی حالت مذہبی حالت سے بھی زیادہ خراب تھی، جنگجوئی، انتقام پسندی، سفاکی اور خونریزی فطرت مین داخل تھی معمولی معمولی باتون پر لڑائی چھڑ جاتی تھی، جس کا سلسلہ پشتہا پشت تک جاری رہتا تھا، عربون کی خانہ جنگیان "ایام عرب" کے عنوان سے عربون کی تاریخ کا مستقل باب ہین، اپنی بہیمیت اور درندگی سے مجرمون کو نہایت دردانگیز سزائین دیتے تھے، شراب تو ان کی گھٹی مین پڑی تھی، عرب کا ہر گھر میخانہ تھا، بدمستی مین مال ودولت

ننگ وناموس سب قربان کردیتے تھے قمار بازی بڑے فخر و مباہات کی چیز تھی، گھر کی کل دولت حتی کہ عورتین تک بازی مین لگا دیتے تھے، سود خواری بھی یہودیون کے فیض سے داخل ہوگئی تھی اور سود در سود سے مقروض کو تباہ کر ڈالتے تھے، چوری ڈاکہ زنی بعض قبائل کا مستقل پیشہ تھا فسق و فجور اور بے حیائی وبے شرمی ہنر بن گئی تھی، بڑے بڑے شرفا اپنی عزیز عورتون اور شریف خواتین کے عشق و محبت کی داستان فخریہ عام مجمعون مین مزے لے لے کر سناتے تھے، زنا کوئی عیب نہ تھا عورتون کی کوئی قیمت نہ تھی، لڑکیون کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے، نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتین چاہتے تھے رکھ لیتے،

اس عالمگیر ظلمت مین جبکہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کہیں نور حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی، اور خدا کی مخلوق، خدائی تعلیمات کے ساتھ انسانی اخلاق و شرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی اور انسان کی بے قید آزادی اور خود غرضی سے نظام عالم درہم برہم ہو رہا تھا، ایک ایسے ہادی برحق کی ضرورت تھی جو بھٹکی ہوئی مخلوق کو راہ راست پر لگا دے اور ایک قوم کو نمونۂ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دے،

دعوت توحید کے لئے عرب کا انتخاب

ایران و روم اور فرنگ کے خطے تہذیب و تمدن کی نقش آرائیوں کی وجہ سے بالکل مسخ ہو چکے تھے، ان مین جدید طغرائے حق کو قبول کرنے اور صدائے حق کو سننے کی صلاحیت باقی نہ تھی، عرب کا خطہ اب تک تمدنی اثرات سے بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا، عرب کتابی تعلیم سے ناآشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے، اور ہر طرح کی برائیون کے باوجود ان مین آزادی، حریت، حق گوئی، جرأت و بے باکی، شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق جوہر تھے اسلئے ان مین قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی، اس لئے امامت الٰہی کی تفویض اور مخلوق کی رہنمائی کے لئے اسی سادہ مگر پرجوش قوم کا انتخاب ہوا، اور دنیا کے موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہ عم کی نسل سے

محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ منصب جلیل تفویض ہوا،

ہاشم کے خدمات وکارنامے

اوپر ہاشم تک قریش کے حالات لکھے جا چکے ہیں، کعبہ کے متولیوں میں قصی کے بعد ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے انھوں نے اپنے زمانہ میں خاندان قریش کی بڑی عظمت قائم کی، قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا وہ ملکوں ملکوں پھر کر تجارت کرتے تھے ہاشم نے کوشش کر کے قیصر و نجاشی کے حدود سلطنت میں قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنی کرایا، عرب کے راستے مخدوش تھے ہاشم نے دورہ کر کے قبائل سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہ کریں گے، حرم کے متعلق اپنے مفوضہ خدمات نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے، حجاج کو بڑی فیاضی اور سیر چشمی سے کھلاتے تھے، چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر سبیل لگواتے تھے ان کے خدمات کی وجہ سے قریش میں بڑی عزت و وقعت تھی، انھوں نے مدینہ کے خاندان بنی نجار میں شادی کی لیکن شادی کے بعد ہی شام جاتے ہوئے انتقال کر گئے، بیوہ بیوی سے ایک فرزند تولد ہوا، نام شیبہ رکھا گیا، ان کے بھائی مطلب کو خبر ہوئی تو وہ مدینہ جا کر یتیم بھتیجے کو لے آئے اور اپنے آغوش شفقت میں اس کی پرورش کی، ان کی پرورش کی وجہ سے شیبہ کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا،

عبدالمطلب

سن شعور کو پہنچنے کے بعد عبدالمطلب باپ کی جگہ کعبہ کے متولی ہوئے اپنے زمانہ تولیت میں انھوں نے چاہ زمزم کا جو اٹ کر گم ہو گیا تھا پتہ چلا کر اس کو صاف کرایا، عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اپنے دس لڑکوں کو جوان دیکھ لیںگے تو ان میں سے ایک لڑکا خدا کی راہ میں قربان کریںگے، جب ان کی یہ آرزو پوری ہوئی تو منت اتارنے کے لئے دسوں لڑکوں کو لے کر کعبہ گئے، عبداللہ کے نام جو تمام اولادوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے قرعہ نکلا عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے آخر میں روساے قریش کے مشورہ سے عبداللہ کے بجاے سو اونٹ قربان

کر کے مت پوری کی،

عبداللہ اس کے بعد عبدالمطلب نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ کے ساتھ عبداللہ کی شادی کر دی، شادی کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ کا مدینہ میں انتقال ہو گیا، عبداللہ محبوب خاندان تھے، ان کی جوانمرگی کا سارے خاندان کو صدمہ ہوا،

ولادت نبوی عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد موسم بہار اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر میں فرزند تولد ہوا، بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کے تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود بچہ کو خانہ کعبہ میں لیجا کر اس کے لئے دعا مانگی، ساتویں دن عقیقہ کر کے محمدؐ نام رکھا اور کل قریش کی دعوت کی، قریش نے اس نامانوس نام رکھنے کا جواب تک رائج نہ تھا سبب پوچھا عبدالمطلب نے کہا تاکہ میرا فرزند ساری دنیا میں مدح و ستایش کا سزاوار قرار پائے،

حضرت حلیمہؓ کی پرورش اور حضرت آمنہ کا انتقال شرفائے مکہ میں دستور تھا کہ وہ عربی خصوصیات کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے بچوں کو ایام رضاعت ہی میں دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے، اس دستور کے مطابق چھ مہینہ بعد عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمہ کے جو بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھیں حوالہ کر دیا، دو برس تک اس بچہ نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی، تیسرے برس حلیمہ نے یہ امانت آکر آمنہ کو واپس کر دی، ابھی اس یتیم بچے کا سن چھ سال کا تھا کہ آمنہ اسے لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ گئیں، راستہ میں مقام ابوا میں ان کا انتقال ہو گیا، اور یتیم بچہ چھ ہی برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا، عبدالمطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی، بہو کے انتقال کے بعد یہ محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی، ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے، ایک پل کے لئے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے، لیکن یہ سایہ شفقت بھی زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا اور ماں کے انتقال کے دو سال بعد دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا،

ابوطالب کی پرورش اور شام کا سفر

عبدالمطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو اپنے لڑکے ابوطالب کے سپرد کرتے گئے، ان کو یتیم بھتیجے کے ساتھ عشق تھا، اس کے مقابلہ مین اپنے بیٹون کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے، ابوطالب کا شغل تجارت تھا، اس سلسلہ میں وہ اکثر شام آیا جایا کرتے تھے، آنحضرت صلعم کے بارھویں سال ان کو شام کا سفر پیش آیا گو ابوطالب آپ کو ایک لمحہ کے لئے جدا نہیں کرتے تھے، لیکن سفر کی تکالیف کے خیال سے ساتھ نہیں لیجانا چاہتے تھے، لیکن چلتے وقت آپ چچا سے لپٹ گئے، اس لئے وہ ساتھ لیجانے پر مجبور ہو گئے، عام روایتون کے مطابق بحیرہ راہب کا واقعہ اسی سفر میں پیش آیا،

ایک جنگ مین شرکت

عربون مین ہمیشہ لڑائیون کا سلسلہ جاری رہتا تھا، آنحضرت صلعم کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد قریش اور بنی قیس مین جنگ ہوئی، قریش اس جنگ مین برسرحق تھے، اس لئے آپنے ان کا ساتھ دیا، لیکن کسی پر تلوار نہین اٹھائی،

تجارت کا شغل

سن شعور کو پہنچنے کے بعد آنحضرت صلعم کو کسب معاش کی فکر ہوئی، اس وقت آپنے تجارت کا خاندانی اور پاک شغل اختیار کیا، لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہین کر سکتے تھے، خاندانی شغل کی وجہ سے آپ کو تجارت کا کافی تجربہ تھا، آپکے تجارتی تجربے اور دیانت کی بہت شہرت کافی ہو چکی تھی، اس لئے سرمایہ دار منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دیتے تھے، آپ نہایت محنت اور دیانت کے ساتھ ان کا کام کرتے، رفتہ رفتہ آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی،

حضرت خدیجہؓ سے شادی

حضرت خدیجہ قریش کی ایک معزز، پاکیزہ اخلاق اور دولتمند بیوہ تھین، ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا، آنحضرت صلعم کے تجارتی تجربات اور دیانتداری کا شہرہ سنکر انھون نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لئے شام لیجائیے، جو معاوضہ

مین دوسرون کو دیتی ہون، اس کا دونا آپ کو دونگی، آپنے منظور کرلیا اور خدیجہؓ کا سامان لیکر بصریٰ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا، اس نے آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات مشاہدہ کیئے اور واپس ہوکر اپنی مالکہ سے بیان کئے، خدیجہؓ آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے ہی سے واقف تھین، میسرہ کے بیان سے مزید تصدیق ہوگئی، ان کو اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایک پاکیزہ اخلاق اور امین شوہر کی ضرورت تھی، اس لئے انھون نے آنحضرت صلعم سے شادی کی درخواست کی، آپنے منظور فرمالیا، اور ابو طالب نے پانسو طلائی درہم پر نکاح پڑھا دیا، اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی، پانچوین پشت پر دونون کا نسب مل جاتا ہے،

حلف الفضول مین شرکت

قبائل کی خانہ جنگیون کی وجہ سے سیکڑون گھرانے برباد ہو چکے تھے اور حجاز کا امن و امان خطرہ مین پڑ گیا تھا، جنگ فجار کے بعد لوگون کو ان تباہ کن نتائج کا احساس ہوا، چنانچہ آنحضرت صلعم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر بنی زہرہ اور بنی تمیم نے آپس مین معاہدہ کیا کہ وہ ملک مین امن و امان قائم کرنے کی کوشش اور مسافرون کی حفاظت اور غریبون کی امداد کرینگے، اور مظلومون کو ظالمون کے پنجے سے چھڑائین گے، آنحضرت صلعم بھی اس معاہدہ مین شریک تھے، اور اس کو اس قدر پسند فرماتے تھے کہ زمانۂ اسلام مین آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی مین نہ لیتا اور آج بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو مین اس مین شرکت کے لئے تیار ہون،

تعمیر کعبہ

خانۂ کعبہ کی عمارت نشیب مین تھی، بارش کے زمانہ مین پانی سے بچاؤ کے لئے بند بندھا ہوا تھا، لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا، خانۂ کعبہ کی عمارت بھی امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کمزور ہوگئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو تڑوا کر از سر نو تعمیر کرایا، جب حجرِ اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو

اس شرف کے حصول کے لئے قبائل میں تلواریں نکل پڑیں، آخر میں یہ طے ہوا کہ دوسرے دن صبح کے وقت جو شخص سب سے پہلے کعبہ آئے وہی حکم قرار پائے، اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے رسول اللہ صلعم تشریف لائے، آپ کی ایمانداری اور دیانت پر سب کو اعتماد تھا، اس لئے سب نے بالاتفاق آپ کو حکم مان لیا، آپ نے رفع شر کی یہ صورت نکالی کہ چادر بچھا کر اس میں حجر اسود رکھدیا اور فرمایا ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کے اٹھائے اس حسن تدبیر سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رک گئی چونکہ آئندہ چل کر آنحضرت صلعم کو ایک منصب جلیل ملنے والا تھا، اس لئے خدا نے ابتدا ہی سے آپ کو فطرت سلیم عطا فرمائی تھی، چنانچہ بچپن ہی سے آپ کا دامن اخلاق ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رہا اور آپ نے مراسم جاہلیت میں سے کسی میں حصہ نہ لیا،

نبوت کی تمہید | یہ قانون قدرت ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل سپیدۂ سحر نمودار ہو جاتا ہے، باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں موسم برشگال کا پتہ دیتی ہیں، موسم بہار کے آغاز میں فضا کا تغیر بہار کی آمد آمد کا اعلان کرتا ہے، اس لئے جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی اور نبوت کا وقت قریب آتا جاتا تھا آپ میں غیر معمولی تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے، اور عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ طبیعت دنیا سے ہٹتی جاتی تھی اور روح ایک لامعلوم شے کیلئے بیقرار تھی لیکن مطلوب کا پتہ نہ چلتا تھا، رفتہ رفتہ آپکی طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل ہونے لگی آپ سامان خورد و نوش لیکر مکہ کے باہر غار حرا چلے جاتے اور دنیا کی نگاہوں سے الگ مجاہدہ و ریاضت اور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے، جب مجاہدہ و ریاضت سے قلب فیضان الٰہی کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا اس وقت نبوت کے آثار و علامات شروع ہو گئے خواب میں اسرار منکشف ہونے لگے جو خواب دیکھتے وہ واقعہ کی شکل میں نظر آتا، جوں جوں یہ مدارج بڑھتے جاتے تھے فیضان الٰہی کی لہریں زیادہ تیز ہوتی جاتی تھیں تاآنکہ جب آپ کا سن شریف چالیس سال کو پہنچا تو ایک دن جبکہ آپ حسب معمول غار حرا میں تشریف رکھتے تھے فرشتۂ غیب نظر آیا اور آپ سے کہا

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الآیۃ (پڑھ اپنے رب کا نام جس نے پیدا کیا)

بعثت

یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا گھر واپس تشریف لائے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا، حضرت خدیجہؓ سے واقعہ بیان کیا، انھون نے تسلّی دی کہ آپ پریشان نہ ہون خدا کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑیگا، اور آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس جو توریت و انجیل کے عالم تھے لے گئین، انھون نے یہ ماجرا سنکر کہا "یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا، کاش مین اس وقت تک زندہ رہتا، جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی، اس وقت آپ کی مدد کرتا" اس واقعہ کے بعد کئی برس تک وحی رکی رہی، پھر یہ حکم نازل ہوا یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ، الآیہ،

دعوت اسلام کا مخفی آغاز

ایک ایسی قوم کو جو صدیون سے شرک اور بت پرستی کی ضلالت مین مبتلا تھی، توحید کی دعوت دینا خصوصًا اس حالت مین کہ اس سے رؤساے قوم کے جاہلیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہوا جاتا تھا، آسان نہ تھا، اس لئے اوّل اوّل اپنے ان مقربان خاص کو دعوت دی جو آپ کے عادات وخصائل سے اچھی طرح واقف تھے، چنانچہ عورتون مین سب سے اوّل آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ صدیقہ، مردون مین آپکے قدیم رفیق ومحرم راز حضرت ابوبکرؓ صدیق، غلامون مین آپکے محبوب غلام زیدؓ اور لڑکون مین آپکے چچیرے بھائی حضرت علیؓ نے دعوت حق کا جواب دیا، اور آپ تین سال تک خاموشی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیتے رہے حضرت ابوبکرؓ صدیق بڑے با اثر تھے، انکے اثر سے حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن زبیر رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوے، ان کے قبولِ اسلام کے اثر سے انکا

دائرہ بڑھنے لگا، چنانچہ حضرت خباب بن ارت، عمار بن یاسر، سعید بن زید عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، ابو عبیدہ، صہیب، ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسلام قبول کیا، اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی، یہ تمام کام خفیہ ہوا لیکن آپ کا فرض تنہا خفیہ تبلیغ اور چند آدمیوں کے ہدایت یاب ہونے پر ختم نہ ہو جاتا تھا، بلکہ سارے عالم کو علانیہ دعوت دینا تھا اسلئے حکم آیا، فاصدع بما تؤمر "تجھکو جو حکم دیا گیا ہے، واشگاف کہدے"؛

علانیہ تبلیغ اس حکم پر آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی یا معشر قریش، اے قریشیو" آپ کی آواز پر لوگ جمع ہو گئے آپنے ان سے سوال کیا کہ "اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر جرار آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا، سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہم نے تم کو ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے" فرمایا تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤگے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا، یہ غیر متوقع اور اپنے معتقدات کے خلاف بات سن کر سب بگڑ گئے،

واقعہ کے چند دنوں بعد آپنے ایک دعوت کا انتظام کیا اور عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کر کے ان سے فرمایا "میں وہ چیز لیکر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے، اس بار گران کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے، سب خاموش رہے، صرف حضرت علیؓ نے جواب دیا "گو مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نوعمر ہوں، لیکن میں آپ کا ساتھ دونگا، ان کے علاوہ سب خاموشی کے ساتھ لوٹ گئے،

مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز اب مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی، اس لئے آنحضرت صلعم نے ایک دن حرم میں جاکر توحید کا اعلان کیا، اس پر مشرکین ٹوٹ پڑے حارث بن ابی ہالہ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی، اس میں وہ مقتول ہوئے، یہ راہ خدا میں پہلا خون تھا،

اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی لیکن جوں جوں اسلام کے پرستاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی، انکی مخالفت کے بہت سے اسباب تھے، اسلام ان کے صدیوں کے عقائد و رسوم کو باطل کر رہا تھا، ان کے معبودوں کو جن کی وہ پرستش کرتے تھے آگ کا ایندھن بتاتا تھا، قرآن علانیہ قریش کی بداخلاقیوں کی پردہ دری کرتا تھا، اور متولی کعبہ کی حیثیت سے عرب پران کا جو اقتدار قائم تھا اسلام اس کا خاتمہ کئے دیتا تھا، بنی ہاشم اور بنی امیہ باہم پرانے رقیب تھے، اس لئے بنی امیہ آلِ ہاشم میں نبوت کے اعزاز کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے یہ سب سے زیادہ مخالفت میں پیش پیش تھے،

ابوطالب سے شکایت، ان کا جواب اور رسول اللہ صلعم کا استقلال

ان اسباب کی بنا پر سارا قریش اسلام اور آنحضرت صلعم کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا، تاہم شروع میں انہوں نے سختی کے بجائے صلح و آشتی سے آنحضرت صلعم کو باز رکھنے کی کوشش کی جب اس میں مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپ کے چچا ابوطالب کے پاس گیا، انہوں نے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا، لیکن آنحضرت صلعم اپنے فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتے تھے، قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا "تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے معززین کو ناسمجھ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ ورنہ پھر میدان میں آؤ کہ ہم تم فیصلہ کر لیں" ابوطالب نے یہ رنگ دیکھا تو رسول اللہ صلعم کو بلا کر سمجھایا کہ "بیٹا اپنے چچا پر ناقابل برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دے" آپ کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے ابوطالب تھے، ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے ہاتھ پر ماہتاب لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتا تا آنکہ میں کامیاب ہوں، یا اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں

ابوطالب یہ جواب سکر سخت متاثر ہوئے، کہا "جاؤ جو دل میں آئے کرو میں کسی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔"

قریش کی ایذارسانی ابوطالب سے مایوس ہونے کے بعد قریش نے رسول اللہ صلعم کو طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں، آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے، نماز پڑھنے میں پشت مبارک پر نجاست کا بار لا کر لاد دیتے، بدزبانیاں کرتے، ایک مرتبہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن معیط نے گردن مبارک میں چادر ڈال کر اس زور سے گھسیٹا کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے، آپ ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اور اپنا فرض برابر ادا کئے جاتے تھے،

دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت صلعم کا جواب، قریش سخت متحیر تھے کہ آپ یہ تمام سختیاں کیوں جھیلتے ہیں، انھوں نے اپنی محدود دنیاوی خیال کے مطابق قیاس کیا کہ آپ کا مقصد صرف دنیاوی جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش ہے، اس لئے انھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس بھیجا، اس نے آپ سے کہا "محمد کیا چاہتے ہو، مکہ کی ریاست؟ کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ دولت کا ذخیرہ؟ ان میں سے ہر شے تمہارے لئے مہیا کر سکتے ہیں، بشرطیکہ تم ان باتوں سے باز آ جاؤ" ان ترغیبات کے جواب میں آپ نے سورۂ حم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، عتبہ نہایت غور اور تاثر کے ساتھ ان کو سنتا رہا، یہاں سے واپس ہوا تو اس کا رنگ بدل چکا تھا، قریش سے جا کر کہا کہ "محمد جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ سحر ہے، نہ کہانت نہ شاعری، وہ کچھ اور ہی شے ہے، اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا، میری رائے میں تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے اور اگر عرب کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے۔" لیکن قریش نے ان کی رائے منظور نہ کی،

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام چند دنوں کے بعد آنحضرت صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ اور قبیلۂ

کے مست دار عمر بن الخطاب مسلمان ہوگئے، یہ بھی دوسرے رؤسائے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اور اپنی بہن اور بہنوئی کو جو مسلمان ہوچکے تھے، اسلام کے جرم میں سزا دینے کے لئے گئے تھے، لیکن قرآن کی سحر آفرین آیتیں سنکر مسحور ہوگئے، اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد خاصی ہوچکی تھی، لیکن وہ بڑی بے کسی کی حالت میں تھے، ان کے لئے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا حضرت عمرؓ بڑے جری اور دبدبہ وشکوہ کے شخص تھے، ان کے مسلمان ہوتے ہی دفعۃً حالت بدل گئی، انھوں نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، مشرکین نے اوّل اوّل ان پر بھی بڑی سختی کی لیکن ان کی ثابت قدمی نے انھیں شکست دی، اور حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو لے کر علانیہ حرم میں نماز ادا کی،

مسلمانوں پر مشرکین کا جور وستم جب اسلام غربا اور کمزوروں سے بڑھ کر ارکان وعمائد میں پھیلنے لگا اور مشرکین ان کے مقابلہ میں مجبور ہوگئے، اس وقت ان کا غصہ غریب اور بے حامی و مددگار مسلمانوں پر ٹوٹنے لگا، چنانچہ انھیں ستانے کے لئے نئے نئے انداز ستم ایجاد کئے، ٹھیک نصف النہار کے وقت تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھدیتے کہ غریب ہلنے نہ پائیں، دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور اس وقت تک جنبش نہ کرنے دیتے جب تک زخموں کی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی پانی میں غوطے دیتے، رسی باندھ کر گھسیٹتے، حضرت بلال، خباب، عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ اس ستم رسیدہ جماعت کے سرگروہ تھے، مرد تو مرد مسلمان عورتیں تک ان ظالموں کے ظلم سے محفوظ نہ تھیں، حضرت بلالؓ وغیرہ کی طرح حضرت سمیہؓ، زنیرہؓ، اور لبینہؓ بھی مشق ستم تھیں، سمیہ کو ابوجہل نے نیزے سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا، لیکن یہ تمام سفاکیاں کسی ایک مسلمان کو بھی جادۂ اسلام سے نہ ہٹا سکیں،

حبشہ کی ہجرت جب مشرکین کی ستم رانیاں حد سے سوا ہوگئیں اور ارض حرم میں جہاں جانوروں

تک کو ستانے کی ممانعت ہے، مسلمانون کے لئے سانس لینے کی گنجایش باقی ۔ رہی، اس وقت آنحضرت صلعم نے ان کو ارض حبشہ جو ادیکے لئے ماویٰ مقام تھا، چلے جانے کا حکم دیا، اس حکم پر ۵ ھ بعثت مین گیارہ مردون اور چار عورتون کا مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہوگیا قریش کو خبر ہوئی تو انھون نے سمندر تک تعاقب کیا، لیکن مسلمان روانہ ہو چکے تھے،

مسلمانون کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس مین ناکامی

حبشہ کا بادشاہ نجاشی نہایت رحمدل اور منصف مزاج تھا، اس کی عدالت کی دور دور تک شہرت تھی، اس لئے حبشہ پہنچکر مسلمانون کو اطمینان کی سانس لینے کا موقعہ ملا، لیکن قریش اسے بھی گوارا نہ کر سکتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ ابن ربیعہ ہدایا و تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور نجاشی کے درباریون کو ہموار کرکے نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے چند سادہ لوح نوجوانون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین جو ہمارے اور آپکے دونون کے مذہب کے خلاف ہے اختیار کیا ہے اور آپکے ملک مین بھاگ آئے ہین، اس لئے ان کو ہمارے حوالہ کیا جائے، امرائے دربار نے بھی تائید کی، نجاشی نے نو وارد مسلمانون کو بلا کر ان سے پوچھا تم نے وہ کونسا دین ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونون کے خلاف ہے، اس کے استفسار پر حضرت جعفرؓ نے حسب ذیل تقریر کی ۔

"ایہا الملک ہم لوگ جاہل تھے، بتون کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں اور قطع رحم کرتے تھے، ہمسایون کے ساتھ زیادتی سے پیش آتے تھے، ہمارا قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا ان حالات مین ہم مین خدا نے ایک پیغمبر بھیجا جس کی صداقت پاکبازی امانتداری اور حسب نسب سے ہم سب واقف ہین، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمین تعلیم دی کہ ہم بتون کی پرستش چھوڑ دین، صرف خدائے واحد کی پرستش کرین، سچ بولین، امانتداری اور صلہ رحمی کرین، انسانون کا حق ادا کرین، خونریزی اور حرام باتون کو چھوڑ دین، عفیفہ عورتون پر تہمت

لگیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پیغمبر پر ایمان لائے، اس کی تعلیمات کو قبول کیا، شرک چھوڑ کر وحدانیت اختیار کی، حلال و حرام کو پہچانا، اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے، اس جرم میں ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی ہے اور ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتی ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کر لیں۔"

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا اگر تم کو کچھ کلام الٰہی یاد ہو تو سناؤ، حضرت جعفرؓ نے کہٰیعٓصٓ کا ابتدائی حصہ سنایا، اسے سنکر نجاشی اور اس کے بطریقوں پر بے اختیار رقت طاری ہو گئی اور اس نے کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور عیسیٰؑ کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں" اور قریش کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ یہ مظلوم تمہارے حوالہ نہیں کئے جا سکتے،

اس ناکامی کے بعد عمرو بن العاص دوسری چال چلے اور دوسرے دن دربار میں جا کر کہا ان لوگوں سے ذرا عیسیٰؑ کے متعلق تو پوچھیے کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ اس نے پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا یہ بڑا آزمائش کا موقع تھا، قرآن حضرت عیسیٰؑ کے متعلق عیسائیوں کے گمراہ کن عقائد کا سخت مخالف تھا، لیکن حضرت جعفرؓ نے فیصلہ کیا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہی ہو وہ صحیح اسلامی عقائد بیان کرینگے چنانچہ نجاشی نے جب ان سے پوچھا کہ "عیسیٰؑ کے متعلق تم لوگوں کا کیا عقیدہ ہے؟" تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ "قرآن کی رو سے وہ خدا کے بندے اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہیں" نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ "تم نے جو کچھ بیان کیا عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں" نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ سنکر اس کے بطارقہ برہم ہو گئے، لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور قریش کی سفارت ناکام لوٹ آئی،

حبشہ کی دوسری ہجرت

چند دنوں حبشہ میں قیام کے بعد مسلمان اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبریں سنکر مکہ لوٹ آئے، قریب پہنچکر حقیقت معلوم ہوئی، کچھ لوگ تو پھر حبشہ لوٹ گئے

لیکن اکثر چھپ کر مکہ چلے آئے اور کسی نہ کسی کی اماں میں آگئے قریش اپنی سفارت کی ناکامی پر بہت جلے ہوئے تھے، اس لئے اب انھوں نے ستم رانی کا شکنجہ اور زیادہ کس دیا اس لئے دوبارہ ایک سو دو (۱۰۲) مسلمانوں کو جن میں ۸۳ مرد اور ۱۹ عورتیں تھیں ترکِ وطن کرنا پڑا،

بنی ہاشم کا مقاطعہ، شعب ابی طالب میں نظر بندی اور رہائی،	قریش کی ہر طرح کی بندشوں اور ستم آرائیوں کے باوجود اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا اس لئے انھوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر

بنی ہاشم محمد کو قتل کے لئے حوالہ نہ کریں تو ان کا مکمل مقاطعہ کیا جائے۔ ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے جائیں، ان کے ہاتھ خرید و فروخت بند کر دی جائے۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دیا جائے۔ ان سے کسی قسم کا ربط و ضبط نہ رکھا جائے، غرض ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کر لئے جائیں،

مشرکین کی شرط ایسی تھی کہ کوئی حمیت ہاشمی اسے پوری کرنے کے لئے تیار نہ ہو سکتا تھا اس لئے ابو طالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی میں جو ابو طالب کے نام کی نسبت سے شعب ابی طالب مشہور تھی چلے گئے اور کامل تین سال تک انتہائی مصیبتوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی شے نہ پہنچنے پاتی تھی، بعض رحمدل چرا چھپا کر غلہ پہنچا دیا کرتے تھے جس پر ان لوگوں کی زندگی کا مدار تھا تین سال گذرنے کے بعد خاندانِ بنی ہاشم کے بعض قریبی اعزہ کو رحم اور رحم کے ساتھ حمیت آئی، انھوں نے طے کیا کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنا چاہئے، چنانچہ ہشام مخزومی، زمعہ بن الاسود مطعم بن عدی اور زہیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے،

معراج اور فریضۂ نماز	اسی سنہ میں معراج ہوئی اور آنحضرت صلعم کو عالم افلاک اور جنت و دوزخ کی سیر کرائی گئی، معراج ہی میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی،

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال

قید تنہائی سے نکلنے کے چند دنوں بعد آنحضرت صلعم کے چچا بھتیجے چچا اور ظاہری پشت دپناہ ابوطالب کا انتقال ہو گیا اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ نے بھی سفر آخرت کیا اور سال کے اندر اندر آپکے دو محسن اٹھ گئے،

آنحضرت صلعم کی ایذا رسانی میں بے باکی

ابوطالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ صدیقہ کی مالی وجاہت رسول اللہ صلعم کے دو بڑے ظاہری سہارے تھے، ان کے بعد قریش کو کسی کا پاس و لحاظ باقی نہ رہ گیا، اوران کو نہایت آزادی کے ساتھ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا، چنانچہ انھوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کر دیا،

تبلیغ کے لئے طائف کا سفر، ناکامی اور واپسی

اگرچہ یہ ستم کشی کوئی نئی شے نہ تھی اور آنحضرت صلعم عرصہ سے اسے برداشت کرتے چلے آرہے تھے اور اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سمجھتے تھے، لیکن اہل مکہ کی متمردانہ روش سے آپ کو ان کے قبول حق کی امید باقی نہ تھی، اس لئے دوسرے بندگان خدا کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچانے کے لئے طائف تشریف لے گئے اور یہاں کے رؤسا کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن یہاں بھی وہی جواب ملا، جو مکہ میں سن چکے تھے اور وہی تمرد و سرکشی نظر آئی جس کا مشاہدہ مکہ میں ہو چکا تھا، بلکہ مکہ والے پھر بھی اپنے تھے سب کو نہ سہی بعضوں کو آپ کا پاس تھا، طائف والے بالکل بیگانہ تھے، اس لئے انھوں نے اہل مکہ سے بھی زیادہ گستاخانہ سلوک کیا، اوباشوں کو آپکے پیچھے لگا دیا، جو تالیاں بجا کر آپ کا تمسخر اڑاتے تھے اور پتھر برساتے تھے، پتھر برساتے برساتے آپ کو لہولہان کر دیا، اس لئے آپ یہاں سے بھی مایوس ہو کر پھر مکہ لوٹے،

مطعم بن عدی کی زیر حمایت وظیفہ تبلیغ میں وسعت

اس مرتبہ مطعم بن عدی نے آپکو اپنی حمایت میں لے لیا اور حرم میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے محمدؐ کو اپنی امان میں لے لیا ہے اب کوئی انھیں ستانے کا ارادہ نہ کرے، مطعم بن عدی کی امان میں آنے کے بعد آپنے اور زیادہ وسعت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا شروع کیا، عام مجمعوں میں عکاظ

اور ذی المجاز کے بازاروں میں حج کے موقع پر بنی عامر، بنی فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندہ، کلب، عذرہ، حضارمہ، وغیرہ قبائل کا دورہ کر کر کے لوگوں کو پیام حق سنایا، دشمن اسلام ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا تھا اور کہتا تھا یہ دین سے پھر گیا ہے، جھوٹ بکتا ہے اس کی باتیں نہ سنو"

انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت

عین ان حالات میں خدا نے قبیلہ اوس و خزرج کے بعض اشخاص کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اوس اور خزرج قحطانی نسل کے دو مشہور مدنی قبیلے تھے، اگرچہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے لیکن یہودیوں کی ہمسائگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے، ان پر یہودیوں کا بڑا اثر و اقتدار تھا، لیکن ظہور اسلام سے کچھ پہلے ان کو بڑی حد تک اس سے آزادی حاصل ہو گئی تھی، مدینہ اور اس کے جوار میں ان کے بہت سے قلعے تھے یہ بھی حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے، موسم حج میں تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت صلعم نے اور قبائل عرب کے ساتھ قبیلہ خزرج کے چند آدمیوں کے سامنے بھی جو مکہ آئے ہوئے تھے اسلام پیش کیا، انھوں نے جن کی تعداد چھ تھی اسلام قبول کر لیا، اس کے دوسرے سال بارہ آدمی اس شرف سے مشرف ہوئے، آنحضرت صلعم نے ان کی درخواست پر مصعب بن عمیر کو انھیں احکام سکھانے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا، مصعب مدینہ کے رئیس سعد بن زرارہ کے مہمان مقیم ہوئے، مدینہ آنے کے بعد انھوں نے گھر گھر پھر کر اسلام کی دعوت شروع کر دی، ان کی کوششوں سے چند دنوں میں مدینہ میں اچھا خاصہ اسلام پھیل گیا، اس سلسلہ میں قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ بھی مسلمان ہو گئے، ان کا اسلام گویا پورے قبیلہ کا اسلام تھا، دوسرے سال حج کے موقعہ پر ستر اہل مدینہ نے آنحضرت صلعم کے دست حق پر بیعت کی

اگرچہ آفتاب اسلام کی کرنیں مکہ کی پہاڑیوں سے پھوٹ کر مدینہ کے افق تک پہنچ گئیں لیکن خود اہل مکہ کے تمرد و سرکشی کا اب تک وہی حال تھا، گو یہاں بھی ایک معتدبہ جماعت اسلام لا چکی

تھی لیکن رؤسا جو اسلام کی راہ کا سنگ گراں تھے، اب تک ضلالت پر قائم تھے، بلکہ اسلام کی
ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا جنون اور زیادہ تیز ہوتا جاتا تھا اور غریب مسلمانوں پر انھوں نے مکہ کی
زمین تنگ کر رکھی تھی،

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد و پیماں

آنحضرت صلعم کا فرض صرف خدا کے بندوں کو راہ راست دکھا دینے پر ختم نہ ہو جاتا
تھا، بلکہ سارے عالم کو خدا کے آستانہ کے سامنے جھکانا تھا اور خانہ کعبہ کو جو دنیا
میں سب سے پہلا خدا کا گھر تھا بتوں کی آلایش سے پاک کرنا تھا، اور یہ اہم فرض مکہ میں رہ کر پورا ہونا
ممکن نہ تھا، آپ کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے، اس تیرہ سال کی جانکاہ محنت اور طرح طرح
کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے بعد اب تک کتنے اہل مکہ مسلمان ہوئے تھے، اس لئے خدا کے دین کو
زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلانے کے لئے کسی پر امن مقام کی ضرورت تھی، اوس خزرج
کے قبول اسلام سے مدینہ میں اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اپنا تن من دھن
سب اسلام پر سے نثار کرنے کو تیار تھی، اس لئے آپ نے اسلام کا تبلیغی مرکز مکہ سے مدینہ منتقل کر دینے
کا عزم فرمایا، انصار کے لئے اس سے زیادہ سعادت کیا ہو سکتی تھی، وہ آنکھیں فرش راہ کرنے کے لئے
تیار ہو گئے، آنحضرت صلعم کے چچا حضرت عباس نے جو اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے، لیکن ان
میں خون کی محبت موجود تھی ان بہتر انصاریوں سے جنھوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا، فرمایا کہ
"گروہ خزرج! محمد اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں، ہم ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے ہیں، اب
وہ تمہارے یہاں جانا چاہتے ہیں، اگر تم لوگ مرتے دم تک ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو تو بہتر ہے
ورنہ ابھی صاف جواب دیدو" یہ سنکر براء انصاری نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ "ہم لوگ تلواروں کی
گود میں پلے ہیں"، وہ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ابو الہیثم انصاری نے بات کاٹ کر کہا "یارسول اللہ
ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل

ہو، اس وقت آپ ہم کو چھوڑ دیں اور اپنے وطن لوٹ آئیں، آپ نے مسکرا کر فرمایا نہیں تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔

اس گفتگو کے بعد آنحضرت صلعم نے جماعت انصار میں سے بارہ نقیب مقرر فرما کر ان سے بیعت لی، سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر اپنی جماعت سے کہا بھائیو خبر ہے، کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ بیعت عرب و عجم اور جن وانس کے ساتھ اعلان جنگ ہے" سب نے یک زبان کہا" ہاں ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں۔

صحابہ کی ہجرت مدینہ

مدینہ میں جائے پناہ حاصل ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے صحابہ کو ہجرت کی اجازت دیدی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے روک ٹوک شروع کر دی، لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ نکل گئے، صرف آنحضرت صلعم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور وہ صحابہ جو ناداری کی وجہ سے مدینہ جانے تک کی مقدرت نہ رکھتے تھے باقی رہ گئے،

آنحضرت صلعم کے قتل کی سازش

مدینہ میں پہنچکر مسلمانوں کو امن و سکون نصیب ہوا، اور ان کی تعداد نہایت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی، اس کا تدارک مشرکین مکہ کے بس سے باہر تھا وہ بس پیچ و تاب کھاتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے، آنحضرت صلعم ابھی تک مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے اس لئے مشرکین نے اپنی ناکامی کے غصہ میں (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم ہی کا قصہ چکا دینے کا عزم کر لیا چنانچہ عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، ابوجہل، امیہ بن خلف اور حکیم بن حزام وغیرہ رؤسائے قریش نے اس بارہ میں مختلف رائیں دیں، سرخیل اعدا ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ سرے سے محمد ہی کا کام تمام کر دیا جائے کہ یہ قصہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس میں شریک ہو تاکہ بنی ہاشم بدلہ نہ لے سکیں، اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا، اور رات گذرنے کے بعد کاشانہ نبوی کا محاصرہ کر کے آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگے،

ہجرت نبوی آنحضرت صلعم کو ان کے ارادہ سے آگاہی ہو گئی، آپ کے ذمہ اہل مکہ کی کچھ امانتیں تھیں
حضرت علیؓ کو بلا کر یہ امانتیں سپرد کیں اور فرمایا میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤنگا، تم میرے پلنگ
پر چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتیں پہنچا دینا۔ خدا کو ایسا ہی منظور تھا اس لئے مشرکین کو نیند
آ گئی اور انھیں غافل پا کر آنحضرت صلعم گھر سے باہر نکل آئے اور ان پر حسرت کلمات کے ساتھ
کہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے" کعبہ کو الوداع
کہکر حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے، یہاں سواری وغیرہ سفر کا ضروری سامان موجود تھا،
فوراً دونوں روانہ ہو گئے، اور مکہ سے تین میل چل کر غار ثور میں روپوش رہے، تین دن تک اس
غار میں مقیم رہے، اس درمیان میں حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ برابر رات کو غار میں
ساتھ رہتے اور صبح سویرے مکہ چلے جاتے اور وہاں کے حالات کا پتہ چلا کر شام کو آکر ان کی اطلاع
دیتے، آپ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا جاتا،

تعاقب اور مشرکین کی ناکامی ادھر مکہ میں جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت صلعم کے بجائے
حضرت علیؓ کو بستر پر پایا، یہ بہت کمسن تھے اس لئے معمولی تنبیہ کر کے چھوڑ دیا، اور
آنحضرت صلعم کی تلاش میں نکلے، ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے غار ثور کے دہانہ تک پہنچ گئے، حضرت
ابو بکرؓ آنحضرت صلعم کے خیال سے گھبرائے، آپ نے اطمینان دلایا، گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ
ہے، اس اعتماد نے دستگیری کی اور تلاش کرنے والوں کی نظر آپ لوگوں پر نہ پڑی اور وہ ناکام
لوٹ گئے، آنحضرت صلعم چوتھے دن غار سے نکل کر آگے بڑھے،

آنحضرت صلعم کے مکہ سے نکلنے کے بعد قریش نے اشتہار دیدیا تھا کہ جو شخص محمدؐ یا ابو بکرؓ کو گرفتار
کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ دیئے جائیں گے، اس انعام کی طمع میں بہت سے آدمی تلاش
کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے، آنحضرت صلعم کے مکہ سے نکلنے کے وقت ایک شخص سراقہ بن جعشم نے

دور سے آپ کو دیکھا تھا لیکن اسکو یقین نہ تھا، اشتہار کے بعد وہ بھی تعاقب میں نکلا اور تلاش کرتے کرتے قریب پہنچ گیا، لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکریں لیں، قریب پہونچ کر گھوڑے کے پاؤں ریت میں دھس گئے، ان پیہم بدشگونیوں پر اسکو خیال ہوا کہ یہ آثار تو کچھ اور ہیں، اس لئے اس نے گرفتاری کا خیال ترک کر دیا اور آنحضرت صلعم کے پاس جاکر آپ کو اشتہار کا حال سنایا اور استدعا کی کہ آیندہ کے واسطے میرے لئے امان نامہ لکھدیجئے، آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ سے لکھوا کر دیدیا، یہ تحریر پاکر سراقہ لوٹ گیا اور آنحضرت صلعم منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھے،

اہل مدینہ کا انتظار

اہل مدینہ آپ کی تشریف آوری میں چشم براہ تھے اور روزانہ شہر سے نکل کر انتظار کر کے ناکام لوٹ جاتے تھے، ایک دن حسب معمول انتظار کر کے واپس ہوئے تھے، کہ ایک یہودی نے اطلاع دی کہ اہل عرب جس کا تم انتظار کرتے تھے، وہ آگیا یہ سنتے ہی سارا شہر تکبیر کی صداؤں سے گونج اٹھا،

قبا میں ورود اور مسجد قبا کی تاسیس

مدینہ سے باہر قبا میں چند انصاری خاندان آباد تھے، جوالی مدینہ میں پہنچ کر آپ نے پہلی منزل قبا کی اور کلثوم بن ہدم کو شرف میزبانی حاصل ہوا، قبا میں آپ کے آنے کی خبر سن کر جوق در جوق انصاری سلام کے لئے حاضر ہونے لگے، یہاں آپ نے چودہ دن قیام فرمایا اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی، یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی، قرآن میں لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی سے یہی مسجد مراد ہے،

مدینہ میں داخلہ، انصار کا جوش اور ابوایوبؓ انصاری کے یہاں قیام

تعمیر مسجد کے بعد مدینہ روانہ ہوئے، راستہ میں بنی سالم کے محلہ میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی، سارا مدینہ استقبال کے لئے ٹوٹ پڑا تھا، قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصاریوں کی صفیں تھیں، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا حضور یہ جان ہے یہ مال ہے، یہ دولت ہے، آپ اظہار مسرت کرتے اور دعائے خیر فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے، سارا مدینہ جوش

استقبال مین امڈ آیا، عورتین گاتی ہوئی چھتون پر چڑھ گین، معصوم لڑکیاں خوشی مین دف بجا بجا کر گاتی تھیں، جب کوکبۂ نبوی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے پاس پہنچا، اس وقت شرف میزبانی کے لئے باہم سخت کشمکش ہوئی، بالآخر قرعہ اندازی کے ذریعہ سے یہ دولت حضرت ابو ایوبؓ کے حصہ میں آئی، آپنے سات مہینہ ان کے یہان قیام فرمایا، اسی وقت سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے،

تعمیر مسجد اور نماز با جماعت کا اہتمام،

اب تک مدینہ میں مویشی خانہ میں نماز پڑھی جاتی تھی، آنحضرت صلعم نے تشریف لانے کے بعد مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا، آپکے قیام گاہ کے قریب بنی نجار کی افتادہ زمین تھی، انھون نے بلا قیمت نذر دینی چاہی مگر آپنے منظور نہ فرمایا اور باصرار قیمت ادا فرمائی اور صحابہ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر کی، جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی، ستون کھجور کے تنون کے اور چھت پتون کی تھی، قریب ہی نادار مسلمانوں کے قیام کیلئے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا، یہ چبوترہ تاریخ اسلام میں صفہ کے نام سے مشہور ہے، مسجد کی تعمیر کے بعد اسی سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بنے،

تعمیر مسجد سے پہلے نماز با جماعت کا اہتمام نہ تھا جس سے اسلام کی عبادتون کا اصل مقصد یعنی وحدت و اجتماع فوت ہوتا تھا، تعمیر مسجد کے بعد نماز با جماعت قائم ہوئی اور اعلان کیلئے حضرت عمرؓ کی رائے سے اذان کا طریقہ جاری ہوا،

مہاجرین اور انصار میں رشتۂ اخوت اور انصار کا بے نظیر ایثار

مکہ کے غریب الوطن جنھیں اسلامی اصطلاح مین "مہاجرین" کہا جاتا ہے، بالکل بے سروسامان مدینہ آئے تھے، اگرچہ ان مین بہتیرے صاحب حیثیت بھی تھے لیکن ایسی حالت میں وطن چھوڑا تھا کہ کوئی شے مکہ سے ساتھ نہ لا سکے تھے،

اس لئے آنحضرت صلعم نے ان کا سہارا قائم کرنے اور ان کی حیثیت دور کرنے کے لیے ان مین اور انصار مین رشتۂ اخوت قائم کر دیا، یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا، یہ اخوت حقیقی اخوت سے بڑھ گئی، اس موقع پر انصار نے جس فیاضی جس ایثار اور حسن میزبانی کا ثبوت دیا، تاریخ

[illegible] اس میں سبقت کر گئی، انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو بحیثیت محض مہمان ہی نہ رہنے دی، بلکہ ان کو مال و دولت زمین جائداد کھیتی باڑی، اپنی ساری کائنات میں برابر کا شریک و سہیم بنا لیا بعض انصار نے جن کے دو بیویاں تھیں یہاں تک کیا کہ ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کی دلبستگی کے لئے اس کے عقد میں دیدینا چاہا لیکن مہاجرین نے اس کو گوارا نہ کیا، اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لے کر اپنا کاروبار علیحدہ شروع کر دیا یہ سلسلہ آپس میں اتنا قوی تھا کہ جب تک آیۂ میراث نازل ہوئی اس وقت تک متوفی انصار کی وراثت مہاجرین کو ملتی تھی، جب جب مہاجرین کی حالت سنبھلتی گئی، مہاجرین انصار کی امانت انھیں واپس کرتے گئے،

یہود مدینہ سے معاہدہ یہود اپنے تمول اور ثروت کی وجہ سے مدینہ میں بڑے صاحب اقتدار تھے اور مدتوں سے انصار کو دباتے چلے آرہے تھے، گو اب ان کا پہلا سا اقتدار باقی نہ رہ گیا تھا تاہم انصار کے مقابلہ میں ان کی امتیازی شان قائم تھی، اس لئے ان کی جانب سے آنحضرت صلعم کو خطرات تھے، چنانچہ آپ نے ان سے ایک معاہدہ کیا جس کی اہم دفعات یہ ہیں کہ خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے وہ قائم رہے گا یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہیگی، اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے، فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ پیش آئے تو باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے کوئی فریق قریش کو اماں نہ دے گا، جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ کرے گی تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے، فریقین میں سے جب کوئی کسی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرے کو بھی صلح کرنی ہوگی البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی، اب تک نماز کی صرف دو دو رکعتیں تھیں سنہ ۱ھ میں فجر اور عصر کے علاوہ چار چار ہوگئیں،

کعبہ کا قبلہ قرار پانا اب تک مسلمان بیت المقدس کی جانب جو یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا، نماز پڑھتے تھے، لیکن اسلام ایک مستقل مذہب تھا، اس کے استقلال و اختصاص کے لئے ایک مستقل قبلہ کی ضرورت

تھی، اسلام ملت ابراہیمی کی تجدید کے لئے آیا تھا، اس لئے اس کا قبلہ خانہ ابراہیم ہو سکتا تھا، چنانچہ سولہ مہینے بیت المقدس کی سمت نماز پڑھنے کے بعد ۲ ھ میں خدا نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا،

یہودیون کی مخالفت کا آغاز

انصاریون کی مالی کمزوری اور بت پرستی کی وجہ سے، ان پر مدتون سے یہودیوں کا مذہبی اور مالی تفوق چلا آتا تھا، اسلام نے ان کی اس برتری کو نقصان پہنچایا تھا اس لئے یہودی دل سے اسلام کے خلاف تھے لیکن ابتدا میں ان کی مخالفت پردہ میں رہی اور جب تک بیت المقدس اسلام کا قبلہ رہا اس وقت تک یہود منافقانہ مسلمانوں کے بھیس میں نماز میں بھی مسلمانون کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے لیکن بیت المقدس کو وہ کسی حالت مین نہین چھوڑ سکتے تھے، اس لئے تحویل قبلہ کے بعد جب ان کا یہ رہا سہا امتیاز بھی جاتا رہا تو ان کی منافقت کا راز فاش ہو گیا اور وہ علانیہ مسلمانون کے خلاف ہو گئے،

مسلمانوں کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ

۲ ھ سے اسلام کی زندگی مین ایک نئے باب کا افتتاح ہوا، اور اسکے پیرووں کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہو کر اپنی بقا و حفاظت کے لئے تلوار ہاتھ مین لینی پڑی، اس دور جدید پر بعض کوتاہ بین یہ اعتراض کرتے ہین کہ اسلام جب تک مکہ مین کس مپرسی کی حالت مین رہا، اس وقت تک وہ ہر قسم کے ستم سہتا رہا، مدینہ پہنچکر جب اس مین قوت پیدا ہوئی، اس وقت اس نے تلوار اٹھائی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدینہ آنے کے بعد بھی مسلمانون کو پورا اطمینان نہین ہوا، یہ صحیح ہے کہ مکہ کی طرح ان کی زندگی مشق ستم نہین رہی، لیکن ان کی مخالفت کے اسباب اور مخالفین کی تعداد مین اور اضافہ ہو گیا، وہان صرف ایک قریش کا مقابلہ تھا، مدینہ آکر اس مین یہودیون اور بعض انصار کا بھی اضافہ ہو گیا، یہود کی مخالفت کا سبب تو کھلا ہوا ہے، کہ اسلام ان کے صدیون کے وقار کو مٹا رہا تھا، انصاریون کے خاندان میں بھی بعض وہ رؤسا جنکی [illegible]وت خطرہ مین پڑ گئی تھی، گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے، لیکن دل سے اسلام اور مسلمانون کے

حلاف تھے، عبداللہ بن ابی منافق جو ہجرت سے پہلے رئیس الانصار تھا، اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لئے تاج تیار کر لیا تھا[1] اس کے علاوہ قریش جنھیں سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی، تمام قبائل عرب کو جن میں اہل مدینہ بھی شامل تھے، مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اسے قتل کر دو یا اپنے یہاں سے نکال دو ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کریںگے، اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کرینگے[2]" آنحضرت صلعم کو اس کی خبر ہو گئی، آپ نے عبداللہ کو سمجھایا کہ کیا اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑوگے، اکثر اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے، اسلئے عبداللہ قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا، انصار کی حمایتِ اسلام پر قریش کا جوشِ غضب برابر بڑھتا جاتا تھا، اتفاق سے اسی زمانہ میں اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن معاذ انصاری عمرہ کیلئے مکہ گئے ہوئے تھے اور اپنے پرانے رفیق امیہ بن خلف کے مہمان تھے، قریش کے بعض افراد نے ان سے کہا کہ "تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دی ہے، اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچکر نہیں جا سکتے تھے" سعد نے کہا "اگر تم نے مجھ کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دینگے[3]"

قریش نے نہ صرف مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی، بلکہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، اور یہ خطرہ اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ راتوں کو ہتھیار لگا کر سوتے تھے[4]

حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں

ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو اپنی اور اپنے حامی انصاریوں کی حفاظت کے لئے جنھوں نے اسلام کے خاطر قریش کی دشمنی خریدی تھی مدافعانہ کارروائی کرنی پڑی، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے قریش کے کاروانِ تجارت کی روک ٹوک شروع کی اور حمزہؓ، عبیدہ بن حارثؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کو تھوڑی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا۔

---

[1] بخاری باب التسلیم علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر، [2] سنن ابی داؤد ج ۲ باب خبر النضیر، [3] صحیح بخاری کتاب المغازی، [4] ... [illegible]

لیکن تصادم کی نوبت نہیں آئی، اس کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لئے مدینہ کے آس پاس کے قبائل سے معاہدہ کیا، سب سے پہلے قبیلہ جہینہ سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دینگے، اس کے بعد قبیلہ مزینہ سے معاہدہ کیا، کہ اگر کوئی قوت ان پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان ان کی مدد کرینگے اور جب مسلمانوں کی مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ مدد کے لئے آئیں گے

مدینہ کی چراگاہ پر حملہ اس معاہدہ کے ایک مہینہ بعد مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کرکے رسول اللہ صلعم کے مویشی لوٹ لئے، مسلمانوں نے تعاقب کرکے مویشی چھین لئے، لیکن کرز بچ کر نکل گیا، اسی سنہ میں آنحضرت صلعم نے ذوالعشیرہ تشریف لیجاکر بنی مدلج سے معاہدہ کیا،

غزوات

سریہ عبداللہ بن جحش رجب ۲ھ میں آپنے عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کی مختصر جماعت کے ساتھ قریش کے کارواں تجارت کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا، اتفاق سے قریش کے چند آدمی جو تجارتی سامان لئے ہوئے شام سے واپس آرہے تھے مل گئے، عبداللہ نے ان پر حملہ کر دیا، اور ایک آدمی قتل اور دو گرفتار کرکے مدینہ لائے، آنحضرت صلعم نے ان کے اس فعل پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ "میں نے تم کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی" اور غنیمت کا مال بھی قبول نہ فرمایا، صحابہ نے بھی ناپسندیدگی ظاہر کی، (سیرۃ ابن ہشام ج اول ص، ۳۶ و طبری ص ۱۲۷۵)

غزوۂ بدر سوء اتفاق سے جو لوگ قتل و گرفتار ہوئے تھے وہ معززین قریش تھے اس لئے قریش جو پہلے سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کر رہے تھے، اس واقعہ سے اور زیادہ مشتعل ہوگئے، اسی دوران میں مکہ میں یہ خبر اڑگئی کہ مسلمان قریش کا کاروان تجارت لوٹنے کے لئے آرہے ہیں[1] اس خبر پر قریش بڑے زور و شور کے ساتھ حملہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپنے صحابہ سے مشورہ طلب کیا، مہاجرین نے جاں نثارانہ تقریریں کیں، لیکن آپ انصار

[1] بخاری کتاب المغازی

کا عدیہ لیا چاہتے تھے (قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا "خدا کی قسم اگر آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں" دوسرے معززین انصار نے بھی پرجوش تقریریں کیں، ان کی آمادگی پر آپ نے رمضان ۲ھ میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ سے روانہ ہوئے، اس درمیان میں قریش کا لشکر جس میں ایک ہزار سپاہ اور سو سوار تھے، عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ کے قریب پہنچ گیا، اور مناسب موقع پر قبضہ کر لیا، آنحضرت صلعم کو چاہ بدر کے قریب اس کی اطلاع ملی، آپ وہیں ٹھہر گئے لیکن کوئی قریش کو ان پر تفاوت نہ تھا اس لئے آگے بڑھ کر ایک خیمہ پر خیمہ زن ہوئے، اور رات بھر دعا و مناجات میں مصروف رہے، صبح کو فوج مرتب کر کے دعا فرمائی "خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"۔

یہ بڑے امتحان و آزمائش کا موقع تھا، جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کو نظر آیا کہ خود ان کے بزرگ اور ان کے قلب و جگر کے ٹکڑے تلواروں کے سامنے ہیں، لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا تھا، چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابوبکرؓ کی تلوار اپنے لخت جگر عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی[1] حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی، حذیفہ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ میں آنا پڑا[2]،

پہلے فرداً فرداً مقابلہ ہوا اور دونوں فوجوں میں سے ایک ایک آدمی میدان میں آیا، مقتول عامر کے بھائی عمرو کو حضرت عمرؓ کے غلام نے قتل کیا، قریش کے سپہ سالار عتبہ کا کام حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تمام کیا، اس کے بھائی شیبہ کو علیؓ کی تلوار نے ختم کیا، عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیرؓ نے مارا، اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی اور دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں، دو انصاری نوجوان

---

[1] استیعاب ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکر، [2] سیرۃ ابن ہشام،

معوذ اور عفرا ابوجہل کی تاک میں تھے، نظر پڑتے ہی اس کا کام تمام کر دیا، ابوجہل کے لڑکے نے جھپٹ کر معوذ پر تلوار کا وار کیا ہاتھ شانہ سے لٹک گیا، صرف تسمہ لگا رہ گیا، مگر وہ اس وقت بھی لڑتے رہے، لیکن کٹا ہوا ہاتھ تلوار چلانے میں مزاحم ہوتا تھا، اس لئے تسمہ کاٹ کر الگ کر دیا،

ابوجہل کے قتل سے قریش میں بددلی پھیل گئی، لیکن ابھی ایک اور سردار امیہ بن خلف باقی تھا، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس کے حلیف تھے، اس لئے وہ مسلمانوں کی نظر بچا کر اسے نکال دینا چاہتے تھے، اتفاق سے حضرت بلالؓ نے جو مکہ میں اس کے مشق ستم رہ چکے تھے دیکھ لیا، انھوں نے انصار کو خبر کر دی، وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے حضرت عبدالرحمٰنؓ بچانے کے لئے امیہ پر لیٹ گئے، لیکن بلالؓ کی فریاد کے مقابلہ میں لوگوں نے ان کی پرواہ نہ کی اور نیچے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا[1]

اسیرانِ جنگ سے حسن سلوک امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار نے میدان چھوڑ دیا مسلمانوں نے گرفتار کرنا شروع کر دیا، مشاہیر قریش میں حضرت عباسؓ، عقیلؓ، نوفل، اسود، عبد بن زمعہ وغیرہ پکڑے گئے آنحضرت صلعم نے تمام قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم کر کے انھیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا، اس پر صحابہ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجور کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے[1]، جن کے پاس کپڑے نہ تھے انھیں کپڑے دیئے، اس کے بعد آنحضرت صلعم نے اسیران جنگ کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ قتل کر دیا جائے اور مسلمان خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اعزہ کو قتل کریں، آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی، اور فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا، جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہ ادا کر سکتے تھے ان میں سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں تو وہ رہا کر دیئے جائیں گے[2]

قریش کا جوش انتقام اور غزوہ سویق اس جنگ میں بہت سے رؤسائے قریش مارے گئے تھے ان کے

[1] طبری صفحہ ۱۳۴۸
[2] مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۲۴۶

بعد ابوسفیان بن حرب اموی قریش کی مسندِ ریاست پر بیٹھا، عرب کی روایات کے مطابق اس وقت اس کا مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا، چنانچہ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ اپنے مقتولین کا انتقام نہ لے لیگا اسوقت تک سر مین تیل نہ ڈالے گا، اور دو سو سوارون کا دستہ لے کر خفیہ مدینہ بھیجا، بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی نے پرتکلف دعوت کی اور مدینہ کے مخفی رازون سے آگاہ کیا، اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد ابوسفیان نے عریض پر حملہ کیا، اور ایک انصاری کو قتل کر کے مکانات اور گھاس کے ذخیرے جلا دیئے، آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی تو آپ اس کے تعاقب مین نکلے لیکن ابوسفیان نکل گیا[1]،

متفرق واقعات اسی سنہ یعنی ۲ھ مین رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عیدگاہ مین نماز عید ادا ہوئی اور آنحضرت صلعم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ کے ساتھ ۴۸۰ درہم قیمت کی زرہ کے مہر پر نکاح کیا اور ایک چارپائی چمڑے کا گدا ایک چھاگل، دو چکیان اور دو مٹی کے گھڑے جہیز مین دیئے،

غزوۂ احد اگرچہ عریض پر حملہ کر کے ابوسفیان کی قسم فی الجملہ پوری ہوگئی لیکن جن جن لوگون کے اعزہ بدر مین قتل ہوئے تھے وہ ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا محمد نے قریش کو تباہ کر دیا ہے، اس کا انتقام ضروری ہے، اس کے اخراجات کے لئے اس مرتبہ کاروان قریش کا منافع ہم کو دلا دیا جائے، سب نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تیاریان شروع ہوگئین، اور شوال ۳ھ مین بڑے سر و سامان سے قریش مدینہ روانہ ہوئے، حضرت عباسؓ نے جو اسلام لا چکے تھے، اور مکہ ہی مین مقیم تھے آنحضرت صلعم کو خفیہ اطلاع بھجوا دی، آپ نے پتہ چلانے کے لئے آدمی بھیجے معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب عریض تک پہنچ چکا ہے[2]،

---

[1] ابن سعد ج ۲ ص ۲۰، [2] ایضاً صفحہ ۲۵،

دوسرے دن صبح کو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیجدیا جائے اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے لیکن پُرجوش نوجوانوں کو اصرار تھا کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے، ان کے اصرار پر آنحضرت صلعم ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ اُحد کی طرف جہاں مشرکین مکہ خیمہ زن تھے بڑھے، عبداللہ بن ابی منافق تین سو سواروں کیساتھ معیت میں نکلا لیکن پھر عذر لنگ کر کے لوٹ گیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی اُحد پہنچکر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی مصعبؓ بن عمیر کو علم اور زبیرؓ بن عوام کو سپہ سالاری عطا ہوئی، پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملہ کا خطرہ تھا اس لئے پچاسؓ آدمیوں کا دستہ اس سمت کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرمادی کہ فتح وشکست کی حالت میں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا، قریش تعداد اور سروسامان ہر شے میں مسلمانوں سے زیادہ تھے انھوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ صف بندی کی، میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل، سواروں پر صفوان بن امیہ تیراندازوں پر عبداللہ ابن ربیعہ تھے، علم طلحہ کے ہاتھوں میں تھا،

قریش کی صف سے پہلے ابوعامر جو مدینہ کا باشندہ اور کچھ دنوں سے مکہ میں متوطن ہوگیا تھا، اور اس کی زاہدانہ زندگی کی وجہ سے اہل مدینہ پر اس کا بڑا اثر تھا میدان میں آیا، اور پکارا "اہل مدینہ مجھے پہچانتے ہو میں کون ہوں؟" انصار نے جواب دیا "بدکار ہم تجھے خوب جانتے ہیں، خدا تیری آرزو بر نہ لائے"، اس کے بعد قریش کا علمبردار طلحہ بڑھا اور طعنہ سے پکارا کون ہے جو مجھے جہنم بھیجدے یا میں اسے جنت میں پہنچا دوں؟ حضرت علیؓ نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیا،

اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی، حضرت علیؓ، حمزہؓ اور ابودجانہ انصاری نے اپنے پے در پے حملوں سے مشرکین کی صفیں درہم برہم کردیں، حمزہؓ جوش شجاعت میں دور تک دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے، جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے جو آپ کی تاک میں تھا نیزہ مار کر شہید کردیا،

قریش بڑی شجاعت سے لڑ رہے تھے، ان کے علمبردار پیہم قتل ہو رہے تھے، لیکن علم سرنگوں نہیں
ہونے پاتا تھا، مگر حضرت علیؓ اور ابودجانہؓ انصاری کے بے پناہ حملوں نے آخر مین پاؤن اکھاڑ دیئے،
ان کے پاؤں اکھڑتے ہی مسلمانون نے لوٹ شروع کر دی، پہاڑ کی پشت پر جو دستہ متعین تھا اس
نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی، اس کے ہٹتے ہی خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا، جبیر بن مطعم نے جو
اب تک اپنی جگہ پر تھے چند جانبازوں کے ساتھ روکا، مگر سب شہید ہوئے، اور خالد نے بڑھ کر
لوٹنے والے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، یہ لوگ بالکل غافل تھے، اس لئے اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا سکے
اور ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز باقی نہ رہی، آپس ہی میں ایک دوسرے کو مارنے
لگے، مصعب بن عمیر جو آنحضرت صلعم کے پاس تھے شہید ہو گئے، ان کی شہادت پر خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ
صلعم نے وفات پائی، اس خبر نے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان اور خطا کر دیئے اور بڑے بڑے
بہادرون کے پاؤں اکھڑ گئے، آنحضرت صلعم کے گرد صرف چند جان نثار باقی رہ گئے لیکن ذوالفقار حیدری
اس وقت بھی بجلی کی طرح چمک رہی تھی، حضرت عمرؓ نے دل شکستہ ہو کر تلوار پھینک دی، کہ اب
لڑنے سے کیا حاصل، انس بن نضر انصاری نے کہا اب زندہ رہ کر کیا کرینگے، اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے
بہت سے جاں نثار اس حالت مین بھی لڑتے جاتے تھے، عین اس وقت کعب بن
مالک کی نظر رسول اللہ صلعم پر پڑی، انھوں نے پہچان کر پکارا مسلمانو رسول اللہ ادھر ہین! یہ
آواز سنتے ہی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندھ گئی اور مسلمان اس سمت آ گئے، کفار نے بھی ہر طرف سے
سمٹ کر اپنا پورا زور صرف کر دیا، ان کا ریلا دیکھ کر رسول اللہ صلعم نے آواز دی کون مجھ پر جان
دیتا ہے، اس آواز پر پانچ انصاری بڑھے، اور ایک ایک کر کے نثار ہو گئے، عبداللہ بن قمیہ
بڑھتے بڑھتے رسول اللہ صلعم تک پہنچ گیا اور چہرۂ انور پر تلوار ماری، مغفر کی دو کڑیان پیوست
ہو گئین، یہ دیکھ کر جاں نثارون نے ہر طرف سے حصار مین لے لیا، ابودجانہ آپ کے سامنے

جھک کر سینہ سپر ہو گئے جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے حضرت طلحہؓ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا، ابو طلحہؓ نے تین کمانیں توڑیں اور سینہ سامنے کر دیا کہ رسول اللہ کو چشم زخم نہ پہنچنے پائے، مشرکین کا ریلا کچھ تھما تو آپ چند جانثاروں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے،

مشرکین کی فوج میں بھی آنحضرت صلعم کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی، ابوسفیان نے اس کی تصدیق کے لئے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی "محمدؐ یہاں ہیں؟" آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو جواب دینے سے منع کر دیا، ابوسفیان نے جواب نہ پا کر ابوبکرؓ و عمرؓ کو آواز دی، اس پر بھی جب کوئی جواب نہ ملا اس وقت اس نے مسرت میں نعرہ لگایا کہ سب مارے گئے، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، بولے دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں، یہ سنکر ابوسفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا، "اُعلُ ھبل"، صحابہؓ نے آنحضرت صلعم کے حکم سے جواب دیا "اللہ اعلیٰ واجلّ" ابوسفیان پکارا "لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم" صحابہ نے کہا، "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم" مسلمانوں کے سنبھلنے کے بعد قریش کی ہمت پست ہو گئی اور وہ لوٹ گئے

اس معرکہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے، جن میں زیادہ تر انصار تھے، اختتام جنگ کے بعد قریش کی خواتین نے مقتولین بدر کے انتقام کے جوش میں مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹ دیئے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان پھولوں کا ہار بنا کر پہنا اور حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی،

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی مدینہ لوٹ آئے، اس وقت مدینہ ماتم کدہ سا ہو رہا تھا، ہر گھر میں کہرام بپا تھا، آنحضرت صلعم کا دل بھر آیا کہ سب کا ماتم ہو رہا ہے، لیکن آپ کے چچا حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں، یہ انسانی فطرت تھی، چنانچہ انصار نے آپ کا تاثر سنکر اپنی عورتوں کو حمزہؓ کا سوگ منانے کے لئے بھیجا لیکن آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں ہے،

متفرق واقعات | اسی سال حضرت حسنؓ پیدا ہوئے، حضرت حفصہؓ آنحضرت صلعم کے عقد میں آئیں، اور

حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کی شادی ہوئی، اسی سال مشرک مرد اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا،

مختلف سرایا ۴ھ | محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو قطن میں آباد تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا

آنحضرت صلعم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ابوسلمہ کو ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ مقابلہ کیلئے بھیجا، لیکن حملہ آور منتشر ہو گئے، اسی سال بنی لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا عزم کیا

آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا، انھوں نے بلطائف الحیل سفیان کو قتل کر دیا،

صفر ۴ھ میں بنی کلاب کے سردار ابو براء نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ میری قوم میں تبلیغ اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے، آپ نے ستر آدمی ساتھ کر دیئے، انھوں نے بئر معونہ میں قیام کیا، اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلعم کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، اس نے ان کو قتل کر دیا اور عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کو لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھا، مسلمان حرامؓ کی واپسی کا انتظار کر کے ان کی تلاش میں نکلے، آگے بڑھ کر عامر کا مقابلہ ہوا، اس نے گھیر کر کل مسلمانوں کو قتل کر دیا، صرف عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا، آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا،

اسی زمانہ میں قبیلہ عضل و قارہ کے چند اشخاص نے مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، انکی تعلیم کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے، آپ نے دس معلم بھیج دیئے، مقام عسفان میں بھیجکر غداروں نے بنی لحیان کو اشارہ کر دیا، انھوں نے دو سو آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کو گھیر لیا اور ان سے کہا ہمارے پاس چلے آؤ ہم تم کو امان دیتے ہیں، سات مسلمانوں نے ان کی امان میں جانا پسند نہ کیا، اور لڑ کر جان دی، خبیبؓ اور زیدؓ دو مسلمان اعتماد کر کے چلے گئے، کافروں نے انھیں پکڑ لیا، اور مکہ لیجا کر فروخت کر دیا، یہ دونوں مشرکین مکہ کے ہاتھوں قتل ہوئے،

متفرق واقعات | اسی سال حضرت حسینؓ پیدا ہوئے، ام المومنین زینبؓ کا انتقال ہوا، آنحضرت صلعم نے حضرت

م ... کو ... کیا بعض ... کے نزدیک شراب بھی اسی سنہ مین حرام ہوئی،

یہودیوں کی نقض معاہدہ اور جنگ

مسلمانوں کے مدینہ آنے کے بعد یہودیوں کا تفوق و امتیاز روز بروز گھٹتا جاتا تھا، انصاریوں کی یہودیت رک گئی تھی اور وہ ان کے قرضوں سے چھوٹتے جاتے تھے، قرآن علیحدہ ان کے اخلاقِ ذمیمہ کی پردہ دری کرتا تھا، اس لئے اب یہود علانیہ اسلام کے مقابلہ مین آگئے، اور آنحضرت صلعم کو ستانا شروع کیا، آپ نے بڑے ضبط و تحمل سے کام لیا اور حتی الامکان یہودیوں کو ٹھیس پہنچانے سے بچاتے، لیکن یہودیوں کو نظر آرہا تھا کہ اسلام کے مقابلہ میں ان کی ہستی قائم نہین رہ سکتی، اس لئے وہ اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ ہوگئے،

مشرکین کی نگاہون مین اسلام کے وقار کو گھٹانے کے لئے ان سے کہتے کہ مسلمانون سے تو تم اچھے ہو، ورنہ تو جھوٹ اسلام قبول کرکے مرتد ہوجاتے تاکہ اسلام کی حقانیت لوگون کے دلوں مین نہ جمنے پائے[1]

اوس و خزرج مین جو باہم پرانے حریف اور اسلام کے دست و بازو تھے اور اسلام نے انھیں ملا دیا تھا، پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کرتے، ایک آدھ مرتبہ دونون مین تلوارین نکل آئین، لیکن عین موقع پر آنحضرت صلعم نے ٹھنڈا کردیا، ان سازشون کے علاوہ وہ مخفی آنحضرت صلعم کی جان کے بھی درپے تھے،

اگرچہ یہودیون نے اسلام کی مخالفت کو شعار بنا لیا تھا اور وہ کسی موقع پر اپنی دشمنی سے نہ چوکتے تھے، تاہم اب تک علانیہ تصادم کی نوبت نہ آئی تھی، ایک اتفاقی واقعہ نے اس کے اسباب بھی پیدا کردیئے، ایک یہودی نے ایک انصاری عورت کی بے حرمتی کی، ایک انصاری نے جوشِ حمیت مین یہودی کو قتل کردیا، یہودیون نے انصاری کو مار ڈالا، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا، خدا سے ڈرو ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہوجائے" انھوں نے جواب دیا "ہم قریش نہین ہین، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم بتادین گے

[1] قرآن پاک میں اسکی تصریح موجود ہے، سورۂ آل عمران ع ۷ اصابہ ج ۱ ص ۸۸

کہ لڑائی کس کا نام ہے، یہ نقضِ عہد ایک طرح کا اعلانِ جنگ تھا، اس لئے آنحضرت صلعم نے ان کی آئے دن کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کرنے کا فیصلہ کر لیا، یہود قلعہ بند ہو گئے، آنحضرت صلعم نے محاصرہ کر لیا، پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد یہودی آنحضرت صلعم کے فیصلہ پر راضی ہو گئے آپ نے عبداللہ بن ابی کی تحریک پر سات سو یہودیوں کو جلائے وطن کر دیا اور یہ لوگ اذرعات جا کر آباد ہوئے[1]، یہ سنہ ۲ھ کا واقعہ ہے،

کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل

مدینہ کے یہودیوں میں کعب بن اشرف بڑا امیر یہودی تھا، اس کو ابتدا ہی سے اسلام کے ساتھ سخت پرخاش تھی، بدر میں قریش کی شکست کا اس کو بڑا غم ہوا تھا، چنانچہ اظہارِ تعزیت کے لئے مکہ گیا تھا، اور مقتولین بدر کا نہایت پر زور مرثیہ لکھا تھا، اور اس کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو انتقام پر ابھارتا تھا[2]، رسول اللہ صلعم کی ہجو کہہ کر قریش کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا[3]، ابوسفیان کو خانہ کعبہ میں لیجا کر انتقام کا حلف لوایا تھا، مدینہ میں آنحضرت صلعم کی ہجو کہہ کر سناتا تھا، آپ کو خفیہ شہید کر دینے کی سازش کی[5]، اس کی اس فتنہ انگیزیوں پر آنحضرت صلعم نے صحابہؓ سے شکایت کی رؤسائے اوس نے قتل کی رائے دی، چنانچہ یہ خدمت محمد بن مسلمہ انصاری کے سپرد ہوئی، انھوں نے اس کے گھر جا کر بلطائف الحیل اس کو قتل کر ڈالا،

آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کی سازش

عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، اس کا خون بہا یہود بنی نضیر کے ذمہ تھا، آنحضرت صلعم ان کے مطالبہ کے لئے تشریف لے گئے بنی نضیر نے خون بہا ادا کرنے کا وعدہ کیا، لیکن ایک یہودی نے اوپر سے پتھر لڑھکا کر ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا، آپ کو اس کا علم ہو گیا، اس لئے آپ بچ کر لوٹ آئے[6]، چند دنوں کے بعد آپ نے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام و ابن سعد غزوہ بنی قینقاع [2] سیرۃ ابن ہشام، [3] ابوداؤد باب کیف کان اخراج الیہود

[4] تاریخ خمیس ص ۵۱۵ [5] تاریخ یعقوبی ج ۱ ص، [6] زرقانی ج ۲ ص ۹۳،

بنی قریظہ کے یہودیوں سے معاہدہ کی تجدید کی، لیکن بنی نضیر کے یہود اس میں شریک نہیں ہوئے اور آپ کو تین آدمیوں کے ساتھ اپنے علماء سے مناظرہ کے لئے بلا بھیجا آپ نے منظور فرما لیا، لیکن پھر معلوم ہوا کہ یہود اس بہانہ سے قتل کے لئے بلاتے ہیں [۱]،

غزوہ بنی نضیر — ان پیہم مخالفتوں کی بنا پر آپ نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا یہ اس غلط فہمی میں تھے کہ بنی قریظہ ان کا ساتھ دینگے لیکن وہ معاہدہ کر چکے تھے اور علانیہ حمایت نہیں کر سکتے تھے، اس لئے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر نے مدینہ چھوڑ دیا اور خیبر جا کر آباد ہوئے،

پہلے تنہا قریش کی مخالفت کا مقابلہ تھا اب یہود بھی حریف بن گئے، دونوں نے مل کر مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی اور سب نے اپنی اپنی جگہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں، پہلے انمار و ثعلبہ نے پیش قدمی کی آنحضرت صلعم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ محرم ۵ھ میں چار سو صحابہ کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے انمار و ثعلبہ ابھی پورے تیار نہ تھے، اس لئے پہاڑوں میں بھاگ گئے [۲]، اس کے بعد ربیع الاول سنہ مذکور میں کفار نے دومۃ الجندل میں اجتماع کیا، آنحضرت صلعم ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کی طرف بڑھے یہ بھی منتشر ہو گئے [۳]

غزوہ بنی مصطلق — خزاعہ کا قبیلہ قریش کا حلیف تھا، ان دونوں میں باہم قرابت داریاں ہوتی تھیں اس لئے خزاعہ کو قریش کے ساتھ ایک خاص تقرب و اختصاص تھا، اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی مصطلق مدینہ سے تھوڑی مسافت پر مقام مریسیع میں آباد تھی، اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا، اس لئے آنحضرت صلعم شعبان ۵ھ میں مدافعت کے لئے نکلے، حارث بھاگ گیا لیکن مریسیع کی اور آبادی نے مقابلہ کیا، مسلمانوں نے شکست دی اور دس اہل مریسیع مقتول اور چھ سو

[۱] فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۵، [۲] ابن سعد غزوہ ذات الرقاع، [۳] ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۵ و ۴۶،

زندہ گرفتار ہوئے، اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا،

مریسیع کے معرکہ کے بعد مال غنیمت کی لالچ میں بہت سے منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے جو ہر موقع پر فتنہ پردازی کی کوشش کرتے تھے، ایک دن چشمہ پر پانی لینے میں ایک مہاجر اور ایک انصاری میں جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنی اپنی جماعت کو امداد کے لیے پکارا، فریقین کی تلواریں نکل آئیں، چند آدمیوں نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا، اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو بھڑکانے کا موقع مل گیا، اس نے انصار سے کہا "تم نے یہ بلا خود مول لی ہے، مہاجرین کو تم نے سر چڑھا دیا ہے کہ اب وہ تمہارے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر اب بھی تم ان کی دستگیری چھوڑ دو تو یہاں سے چلے جائیں گے" حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ غصہ سے بیتاب ہو گئے، آنحضرت صلعم سے عرض کیا، اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں[1]، عبداللہ کے لڑکے مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام کے سچے شیدائی تھے، انھیں خبر ہوئی تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ "دنیا جانتی ہے کہ میں والد کا کتنا اطاعت گذار ہوں، لیکن اگر آپ کی یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ملے میں جا کر ان کا سر کاٹ لاتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دیں، اور میں محبت اور غیرت کے جوش میں قاتل کو قتل کر دوں" آپ نے اطمینان دلایا کہ میں قتل نہ کروں گا بلکہ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں گا[2]،

افک | افک یعنی رسول اللہ صلعم کی حرم محترم پر تہمت لگانے کا واقعہ غزوۂ مریسیع میں پیش آیا لیکن قرآن نے خود اس کی پردہ دری کر دی ہے، اس لیے اسے لکھنے کی ضرورت نہیں،

غزوۂ احزاب | اوپر گذر چکا ہے کہ باہمی معاہدہ کی بنا پر قریظہ مسلمانوں کی مخالفت میں بنی نضیر سے الگ تھے لیکن پھر جلاوطنی کے بعد رؤسائے بنی نضیر کی کوششوں سے وہ ان سے مل گئے اور شہ میں

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۷۲۸، [2] طبری ص ۱۵۱۵،

[illegible] مدینہ پر چڑھائی
کی[1]، آنحضرت صلعم تین ہزار صحابہ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے اور خندق کھود کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے، حملہ آوروں نے
مدینہ کو گھیر کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا، اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رہا کہ مسلمانوں
پر کئی کئی فاقے گذر گئے، ایک دن بیتاب ہو کر انہوں نے آنحضرت صلعم کو پیٹ کے پتھر دکھائے
آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے[2]، جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ
گئی، تو آپ نے جماعت صحابہ سے خطاب فرمایا کہ کوئی ہے جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے" اس کے
جواب میں صرف حضرت زبیرؓ کی آواز آئی، اس جانبازی کے صلہ میں ان کو حواری کا معزز لقب عطا ہوا
چند دنوں تک کفار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے، جب اس سے کوئی نتیجہ نہ
نکلا تو عرب کے نامور بہادر ضرار، ہبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود ایک مقام سے جہاں خندق نسبتہً کم چوڑی
تھی، گھوڑے کو ایڑ لگا کر پار کر گئے، خندق کے پار پہنچ کر عمرو بن عبدود نے مبارز طلبی کی، حضرت علیؓ نے
بڑھ کر کام تمام کر دیا، اس کے بعد ضرار اور ہبیرہ ہمت کر کے آگے بڑھے، لیکن پھر ڈر کر پیچھے ہٹ گئے
نوفل خندق میں گر پڑا، حضرت علیؓ نے کود کر اس کا کام تمام کر دیا، دن بھر لڑائی جاری رہی، آنحضرت
صلعم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں، لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا، جوں جوں محاصرہ بڑھتا جاتا تھا اہل مدینہ
سے زیادہ کفار کے لئے مصیبت بڑھتی جاتی تھی، اس لئے کہ چوبیس ہزار فوج کی رسد کا سامان آسان
نہ تھا، اسی درمیان میں ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں، عین اس
موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی نے جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈلوا دی،
کفار چند در چند دشواریوں میں پھنس گئے اور قریش آپس کی نااتفاقی موسم کی ناسازگاری اور سامان
رسد کی قلت کی وجہ سے ہمت ہار گئے، چنانچہ ابوسفیان نے یہ کہہ کر کہ سامان رسد ختم ہو چکا ہے، یہود

[1] فتح الباری ج ۷ احزاب [2] شمائل ترمذی،

کے ساتھ چھوڑ دیا ہے، موسم ناخوشگوار ہے اُن حالات مین محاصرہ نے کار ہے، محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا قریش کے بعد بنی قریظہ نے بھی میدان چھوڑ دیا، اس جنگ مین مسلمانون کا کم نقصان ہوا، صرف ایک صحابی حضرت سعد بن معاذ زخمی ہوئے جسکے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، اس جنگ کا نام غزوہ خندق یا احزاب ہے،

بنی قریظہ کا خاتمہ بنی قریظہ نے اپنی جانب سے معاہدہ توڑا تھا، پھر غزوۂ احزاب کی واپسی کے وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے یہاں لیتے گئے تھے، اس لئے غزوۂ احزاب کے بعد آنحضرت صلعم بنی قریظہ کی طرف بڑھے، اگر اس وقت بھی بنی قریظہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر مصالحت کا ہاتھ بڑھاتے تو ممکن تھا صلح ہو جاتی، لیکن اس کے برعکس جب مسلمان قریب پہنچے تو بنی قریظہ نے آنحضرت صلعم کو گالیاں دینی شروع کین،[1] اس لئے آپنے ان کا محاصرہ کر لیا، ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، آخر بنی قریظہ نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی، اور کہلا بھیجا کہ سعد بن معاذ (جو ابھی تک زندہ تھے) جو فیصلہ کر دین وہ ہم کو منظور ہے، آنحضرت صلعم نے قبول فرمایا، حضرت سعدؓ نے یہود کی کتاب توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ تمام لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں، عورتین اور بچے گرفتار کر لئے جائین اور ان کا مال و اسباب مال غنیمت سمجھا جائے، یہ فیصلہ تورات کے حکم کے مطابق تھا، اس لئے یہودیوں کو چار و ناچار قبول کرنا پڑا،[1] اور صحیح روایت کی رو سے چار سو یہودی جن میں دورانِ محاصرہ کے مقتولین بھی شامل ہین قتل کئے گئے،

حضرت زینبؓ سے نکاح اسی سنہ میں آنحضرت صلعم نے اپنی پھوپھیری بہن، حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، آنحضرت صلعم نے آقا و غلام کی تمیز اٹھانے کے لئے زینبؓ کا عقد اپنے غلام اور متبنی حضرت زیدؓ کے ساتھ کیا تھا، لیکن دونوں کے اختلاف طبع کی وجہ سے نہ بن سکی، اس لئے زیدؓ نے طلاق دیدی

[1] سیرۃ بن ہشام ج ۲ ص ۱۴۴ و طبری غزوۂ احزاب[2] طبری ص ۱۴۸۵[3] طبری ص ۱۴۹۲، ۱۴۸۷

کا ارادہ کیا، آنحضرت صلعم نے روکا، مگر ناخوشگواری برابر بڑھتی گئی، اس لئے زیدؓ نے آخر میں طلاق دیدی، عرب میں متبنی بیٹوں کی بیوی کے ساتھ نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلعم نے اس خیال کو مٹانے اور زینبؓ کی دلجوئی کے لئے خود ان کے ساتھ نکاح کرلیا،

پردہ کا حکم اس وقت تک عورتیں جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھیں، اور بے باکانہ چلتی پھرتی تھیں، اسی سال یہ حکم نازل ہوا کہ "شریف عورتیں گھروں سے نکلیں تو چادر اوڑھ کر منھ چھپا کر سینہ پر آنچل ڈال کر چلیں میں اٹکھیلی نہ کریں، پردے کی اوٹ سے بولیں، آواز میں ساوٹ نہ پیدا کریں" ازواج مطہرات نامحرموں کے سامنے نہ آئیں، اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور لعان کا طریقہ جاری ہوا، پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت ملی، اور صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا،

عمرہ چھ برس سے مسلمانوں نے کعبہ کو غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا تھا، اس لئے ذیقعدہ ۶ھ میں آنحضرت صلعم چودہ[۱۴] سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے، اور اس احتیاط کے خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہہ نہ ہو، احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لے لئے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے، صرف تلوار ساتھ ہو وہ بھی نیام کے اندر ذوالحلیفہ پہنچکر[۱] قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں، قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے آپ کو روکنا چاہا، اور خالد بن ولید کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے تھوڑی سی فوج کے ساتھ پتہ لگانے کیلئے بھیجا انھوں نے جاکر قریش کو خبر دی کہ مسلمان غمیم تک پہنچ چکے ہیں ان کے جانے کے بعد مسلمان بڑھ کر حدیبیہ میں ٹھہر گئے،

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان قبیلۂ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا، اس کے رئیس بدیل نے جاکر رسول اللہ صلعم کو خبر دی کہ قریش مکہ میں داخل نہ ہونے دیںگے، آپ نے فرمایا قریش سے جاکر کہدو کہ ہم

[۱] ابن سعد و ابن ہشام،

لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں، بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں[1] بہتر یہ ہے کہ قریش ہم سے ایک مدت معینہ کے لئے معاہدہ کرلیں، اور اگر اس پر وہ راضی نہیں ہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے میں اس وقت تک لڑونگا جب تک میری گردن الگ نہ ہوجائے اور خدا اپنا فیصلہ نہ پورا کردے۔" بدیل نے مکہ جاکر قریش کو یہ پیام سنانا چاہا، ناآزمودہ کار نوجوان اس قدر جوش سے لبریز تھے کہ سننے کے لئے بھی تیار نہ ہوئے، لیکن تجربہ کاروں نے آمادگی ظاہر کی، بدیل نے آنحضرت صلعم کا پیام اور آپکے شرائط سنائے یہ شرائط سن کر ان کی جماعت کے ایک معمر اور تجربہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا، محمد نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں، مجھ کو اجازت دو میں خود جاکر معاملہ طے کراؤں" قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا، اس لئے وہ ان کی جانب سے رسول اللہ صلعم کے پاس گئے، اور کہا محمد فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کردیا تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس کی دنیا میں کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھوں برباد کردیا ہو؟ عروہ ضروری گفتگو کرکے لوٹ گئے اور آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ کی جو حیرت انگیز عقیدت دیکھی تھی قریش کو سنائی،

بیعت رضوان اسکے بعد آنحضرت صلعم نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن امیہ کو بھیجا قریش نے ان کو قتل کرڈالنا چاہا، مگر ان کے قبیلہ کے آدمیوں نے بچا لیا،[2] خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ کے لئے ایک دستہ بھیجا، مگر وہ گرفتار کرلیا گیا، آنحضرت صلعم نے درگذر سے کام لے کر اسے رہا فرمادیا، قریش کی اس مخالفانہ روش کے باوجود آپنے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش کی، اور دوبارہ حضرت عثمان کو قریش کے پاس بھیجا، انھوں نے آپ کو روک لیا، مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان قتل کردیئے گئے، آنحضرت صلعم کو سخت صدمہ ہوا آپنے قصاص کے لئے صحابہ سے جانبازی کی بیعت لی،[3] اس بیعت کو تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور بیعت رضوان

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ، [2] ایضاً ، [3] بخاری کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب،

کے نام سے مشہور ہے، بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ قتل کی خبر غلط تھی،

اس دوران میں قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے اور

ان کے حلیف سہیل بن عمرو سفیر بن کر آئے، بڑی ردوقدح کے بعد ان شرائط پر صلح ہوئی،

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے لوٹ جائیں گے،

(۲) اگلے سال آئیں گے اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریںگے،

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں گے، صرف تلواریں ساتھ ہونگی، وہ بھی نیام میں،

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان کو مسلمان اپنے ساتھ نہ لیجائیں گے، اور جو مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے گا اُسے قیام سے نہ روکیں گے،

(۵) اہل مکہ یا مکہ کے مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دینگے، اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے گا تو اسے نہ واپس کیا جائیگا،

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے چاہیں ساتھ ہو جائیں،

ابھی اس معاہدہ کی کتابت ہو رہی تھی کہ سہیل کے لڑکے ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور اس جرم میں طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے، کسی طرح چھوٹ کر مسلمانوں کی فرودگاہ پر پہنچ گئے، سہیل نے انہیں دیکھ کر کہا، محمدؐ یا سدی عہد کا یہ پہلا موقع ہے، آپ نے فرمایا ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے، سہیل نے کہا تو ہمیں صلح منظور نہیں ہے، آنحضرت صلعم نے خوش اسلوبی کے ساتھ سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ نہ مانا، آنحضرت صلعم نے مجبور ہو کر ابوجندل کو حوالہ کر دیا، انھوں نے جسم کے نیل دکھا کر مسلمانوں سے فریاد کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لئے کفار کے حوالہ کئے جاتے ہو؟ مسلمان ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے، لیکن آنحضرت صلعم نے اپنا فیصلہ قائم رکھا، صلح کے بعد آنحضرت صلعم نے قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے، اور احرام کھولا،

گو صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی، لیکن خدا نے اس کو فتح سے تعبیر کیا، اور سورۂ انّا فتحنا لک فتحاً مّبیناً نازل ہوئی، کہ نتائج کے اعتبار سے یہ صلح درحقیقت فتح کا دیباچہ تھی، صلح سے پہلے مسلمان کافروں سے الگ تھلگ رہتے تھے، اس کے بعد دونوں میں میل جول اور آمد ورفت شروع ہوئی، ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا، اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلہ خیالات سے کفار کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے[1]

اس مصالحت کی رو سے مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی گلو خلاصی کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی، لیکن خدا نے بلا شرط ان کے لئے راستہ کھول دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مشق ستم مسلمان ابو بصیر مکہ سے مدینہ بھاگ آئے، قریش نے ان کی واپسی کے لئے دو آدمی بھیجے، آنحضرت صلعم نے معاہدہ کے مطابق انھیں حوالہ کر دیا، راستہ میں ابو بصیر نے ان میں سے ایک کا کام تمام کر دیا، دوسرا ڈر کر مدینہ بھاگ آیا، اس کے عقب سے ابو بصیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو واپس کر دیا تھا اب آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی یہ کہہ کر وہ ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اس سے دوسرے مسلمانوں کے لئے راستہ کھل گیا، چنانچہ وہ سب بھاگ بھاگ کے ایک جگہ جمع ہو گئے اور اون کا اچھا خاصہ جتھا بن گیا، اور انھوں نے قریش کے کاروان تجارت پر جو ان کے قریب سے ہو کر گذرتا تھا، چھاپہ مارنا شروع کر دیا، اس سے ان کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی، آخر میں قریش نے مجبور ہو کر لکھ بھیجا کہ ہم گذشتہ شرط سے باز آئے، جو مسلمان مدینہ میں رہنا چاہے وہ جا سکتا ہے، اس شرط کی تنسیخ کے بعد آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو مدینہ واپس بلا لیا،[2]

سلاطین کو دعوت اسلام اور ان کے نتائج صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلعم کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا

۱؎ بخاری کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب، و تاریخ خمیس،

تو آپ نے ۷ھ میں قیصرِ روم، کجکلاہ ایران، عزیز مصر، نجاشی، شاہ حبش، رؤسائے یمامہ، والی حدود شام حارث غسانی، شرحبیل بن عمرو والی بصریٰ کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، اور علی الترتیب یہ خدمت حضرت دحیہ کلبیؓ، عبد اللہ بن حذافہ سہمیؓ، عمرو بن امیہ ضمریؓ، سلیط بن عمروؓ، شجاع بن وہبؓ اور حارث ابن عمیرؓ کے سپرد ہوئی،

قیصرِ روم نے خدایا کر حکم دیا کہ اگر اس کے حدود سلطنت میں عرب کا کوئی شخص ملجائے تو اسے حاضر کیا جائے، اتفاق سے اس وقت ابو سفیان جو تجارت کے سلسلہ میں شام آئے ہوئے تھے موجود تھے، چنانچہ انہیں لے جاکر پیش کیا گیا، قیصر نے ان سے اسلام اور آنحضرت صلعم کے متعلق چند سوالات کئے، ان میں جھوٹ بولنے کی گنجائش نہ تھی اور پکڑے جانے کا خطرہ تھا، اس لئے ابو سفیان نے صحیح جوابات دیئے، یہ جوابات سنکر قیصر کو آنحضرت صلعم کی صداقت کا یقین ہو گیا، اس نے ابو سفیان سے کہا کہ اگر تمھارے جوابات صحیح ہیں تو میرے قدم گاہ تک اس شخص (آنحضرت صلعم) کا قبضہ ہوجائیگا مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ظاہر ہوگا، اگر میں اس تک پہنچ سکتا تو اس کے قدم دھوتا" قیصر کے ان خیالات کو سنکر اس کے بطارقہ سخت برہم ہوئے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ تخت و تاج کی طمع میں اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا،[1]

ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرزِ تحریر کے مطابق خدا کے نام کے بعد اور پانندہ کے نام سے پہلے فرستندہ کا نام تھا، خسرو پرویز کجکلاہ ایران اس طرزِ تحریر سے آشنا نہ تھا، اس لئے اسے اپنی تحقیر پر محمول کرکے سخت برہم ہوا، اور یہ کہہ کر کہ وہ میرا غلام ہوکر مجھے یوں لکھتا ہے" نامۂ مبارک چاک کرڈالا، اور والیٔ ایران کے یمنی گورنر کو لکھا کہ عرب کے مدعی نبوت کو میرے پاس بھیجدو، اس نے دو آدمی مدینہ بھیجے انھوں نے آنحضرت صلعم سے جاکر کہا کہ تم کو شہنشاہ عالم نے طلب کیا ہے، اگر

[1] یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے،

اس کے حکم کی تعمیل نہ کروگے تو تم کو اور تمھارے ملک کو برباد کر ڈالے گا، شہنشاہ دو عالمؐ نے جواب دیا، "جاکر اس سے کہدو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچیگی ابھی یہ دونوں سفیر واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ خسرو پرویز کے لڑکے نے باپ کا کام تمام کردیا،

مقوقس عزیز مصر نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا، میں نے آپکے قاصد کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا، آپکے لیئے دو قبطی لڑکیاں، لباس اور خچر تحفہ بھیجتا ہوں،

شاہ حبش نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھوں پر جواب تک حبشہ میں مقیم تھے، اسلام قبول کرلیا، اور آنحضرت صلعم کو لکھ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں

شرحبیل والی بصریٰ نے آپکے قاصد حارث بن عمیر کو شہید کردیا، اسی سنہ میں قریش کے دو نامور اشخاص خالد بن ولیدؓ فاتح عراق شام اور عمرو بن العاص فاتح مصر اسلام لائے،

غزوۂ خیبر ۷ھ عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا، یہود ہی اسلام کے خلاف تھے، بنی نضیر نے خیبر جلاء وطن ہونے کے بعد یہاں کے یہودیوں کو بھڑکانا شروع کیا، قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا، جو یہود خیبر کا حلیف و ہم عہد تھا، سلام بن ابی الحقیق نے جوحی بن اخطب کے بعد یہودیوں کی مسند ریاست پر بیٹھا تھا، بڑا بااثر تھا، اس نے غطفان اور اس کے آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرلیا، اور ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں[1]، آنحضرت صلعم کو اس کی فتنہ انگیزی کی خبر ہوئی تو آپکے ایماء سے ایک انصاری عبداللہ بن عتیک نے خیبر جاکر خاص سلام بن ابی الحقیق کو قتل کردیا،

سلام بن ابی الحقیق کے بعد اسیر بن رزام مسند ریاست پر بیٹھا، اس نے یہودیوں کو جمع کرکے

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۶،

اس سے کہا کہ میرے پیشرو دن نے محمد کے مقابلہ مین جو تدبیرین اختیار کی تھین وہ غلط تھیں خود محمد کے دار الریاست پر براہ راست حملہ کرنا چاہئے"۔ چنانچہ غطفان وغیرہ کا دورہ کرکے مسلمانون کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر تیار کیا[1]۔ آنحضرت صلعم کو اس کی تیاریون کی خبر ہوئی، تو آپ نے عبد اللہ بن رواحہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا، انھون نے بذات خود تحقیقات کرکے اس کی تصدیق کی، آنحضرت صلعم نے پہلے مصالحت کے ذریعہ سے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی اور عبد اللہ بن رواحہ کو اس غرض سے اسیر کو لانے کے لئے بھیجا کہ مدینہ بلوا کر خیبر میں اس کی حکومت کی تصدیق فرمادیں، چنانچہ اسیر عبد اللہ کے ساتھ روانہ ہوا، راستہ میں اس کو بدگمانی پیدا ہوئی، اس نے عبد اللہ بن رواحہ کے ایک ہمراہی مسلمان عبد اللہ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، عبد اللہ نے اس کی بدنیتی پر اسے قتل کردیا[2]، اس کے قتل پر فریقین مین تلوارین نکل آئین، اسیر کے ساتھی مارے گئے، صرف ایک زندہ بچا،

یہودی پہلے سے تیاریان کر رہے تھے، اسیر کے قتل سے انھیں ایک بہانہ ہاتھ آگیا اور وہ مسلمانون کے مقابلہ کے لئے بالکل آمادہ ہوگئے، سب سے پہلے ان کے حلیف بنی فزارہ محرم ۷ھ مین ذی قرد کی چراگاہ پر جس میں آنحضرت صلعم کے مویشی چرا کرتے تھے، حملہ کرکے چند اونٹنیان لوٹ لے گئے، لیکن سلمہ بن اکوع صحابی رض نے اس کا تعاقب کرکے اونٹنیان چھین لین[3]،

اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلعم کو بھی ان کے مقابلہ میں آنا پڑا، چنانچہ آپ محرم ۷ھ میں سولہ سو مسلمانون کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے، مقام رجیع مین عورتون اور باربرداری کا سامان چھوڑ کر خیبر روانہ ہوئے، راستہ مین غطفان ہتھیار لگا کر نکلے لیکن یہ دیکھ کر کہ خود ان کا گھر خطرہ مین ہے، لوٹ گئے[4]،

خیبر مین یہودیون کے چھ قلعے تھے، ان مین بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی موجود تھے، عرب کا مشہور بہادر مرحب بھی یہیں رہتا تھا، مسلمانون کی نقل و حرکت دیکھ کر یہودیون نے سامان رسد

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۶، [2] ایضاً، [3] بخاری غزوہ ذی قرد، [4] طبری ص ۱۵۷۵

قلعہ ناعم میں جمع کیا تھا اور وہیں لشکر اور قموص میں تھیں، اس لئے مسلمانوں نے خیبر پہنچکر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا، لیکن یہاں کوئی بڑی فوجی قوت نہ تھی اس لئے آسانی کے ساتھ فتح کر لیا، اور چھوٹے چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر ہوگئے، سب سے اہم قموص کا قلعہ تھا، مرحب اسی میں تھا، اس لئے آنحضرت صلعم نے اس کے لئے خاص اہتمام فرمایا اور پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا، لیکن قلعہ فتح نہ ہوسکا، دوسرے دن حضرت علیؓ کو علم مرحمت فرمایا، مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا، حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا اس کے قتل ہوتے ہی یہودیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہوگیا، اس معرکہ میں ترانوے یہودی اور بیس مسلمان مقتول ہوئے،

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں نے زمینوں پر قبضہ کر لیا، یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائیں ہم اس کے معاوضہ میں نصف پیداوار دیا کرینگے آنحضرت صلعم نے منظور فرمالیا[1]، اس جنگ میں رئیس خیبر کی لڑکی صفیہ قید ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں پڑی تھیں، لیکن لوگوں نے اعتراض کیا کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ میں نہیں جاسکتی، رسول اللہ صلعم کے علاوہ اور کوئی اس کا اہل نہیں ہے، ان کے اعتراض پر آپ نے ان کو آزاد کرکے اپنے عقد میں لے لیا[2]،

خیبر فتح ہونے کے بعد بھی یہودیوں کی مخفی شرارتیں جاری رہیں، سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے آنحضرت صلعم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، آپ نے بہت کم نوش فرمایا تھا اس لئے آپ پر زہر کا اثر نہ ہوا، لیکن ایک دوسرے صحابی بشر بن براء ہلاک ہوگئے، آپ نے قصاص میں زینب کو قتل کرا دیا،

---

[1] فتوح البلدان بلاذری فتح خیبر [2] صحیح مسلم باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا و ابوداؤد باب ماجاء فی سہم الصفی،

غزوۂ خیبر کے سلسلہ میں متعدد نئے احکام جاری ہوئے، درندے جانور، پنجہ والے پرندے گدھے اور خچر حرام قرار پائے، لونڈیوں سے تمتع کے لئے استبرا یعنی چند دنوں تک توقف کی قید ہوگئی، چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا،

وادی القریٰ | خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی سمت روانہ ہوئے، یہودی اس وقت تک اپنی شرارت سے باز نہ آئے، اور تیر برسا کر آنحضرت صلعم کے غلام مدعم کو شہید کر دیا، اس لئے جنگ ہو گئی، لیکن یہودیوں نے معمولی مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط پر صلح کر لی،[1]

ادائے عمرہ | اسی سال آنحضرت صلعم عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور صلح حدیبیہ کے شرائط کے مطابق بغیر اسلحہ کے مکہ میں داخل ہوئے، کفار مکہ تین دن کے لئے شہر خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے، آنحضرت صلعم تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کر کے مدینہ واپس تشریف لائے "رمل" کی سنت اسی عمرہ میں جاری ہوئی،

غزوۂ موتہ ۸ھ | اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلعم کے قاصد حارث بن عمیر کو شرحبیل والی بصریٰ نے قتل کر دیا تھا، آپ کو اس کا سخت صدمہ تھا، لیکن یہودیوں کی مخالفانہ روش کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع نہ ملا، ان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد زید بن حارثہ کو تین ہزار کی جمعیت کیساتھ حارث بن عمیر کے انتقام کے لئے بھیجا، اور ہدایت فرمادی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر امیر ہوں، وہ شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ، شرحبیل کے جاسوسوں نے اسے مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر کر دی وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا، زید بن حارثہ نے آنحضرت صلعم کو اطلاع دینے کا قصد کیا، لیکن عبداللہ بن رواحہ نے روک دیا، کہ ہمارا مقصد فتح نہیں بلکہ شہادت ہے، اور وہ ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ جوش شہادت میں تین ہزار مسلمانوں کا گروہ ایک لاکھ لشکر کے مقابلہ میں آیا، اس تماشے کے باوجود

---

[1] بیہقی باب الجہاد ذکر غلول،

مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا لیکن تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا، زیدؓ لڑتے لڑتے شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا، انھوں نے بھی جام شہادت پیا، ان کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ نے علم لیا، یہ بھی مرتبۂ شہادت پر سرافراز ہوئے، سب سے آخر میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں میں علم آیا، یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقیماندہ فوج کو دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے، آنحضرت صلعم کو حضرت جعفرؓ کی شہادت کا سخت قلق ہوا، ان کی شہادت کی خبر سنکر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے،[1]

فتح مکہ ۸ھ

اب تک جو واقعات پیش آئے وہ درحقیقت اصل مقصد کا دیباچہ تھے، آنحضرت صلعم کا سب سے مقدم فرض خانۂ کعبہ کو جو دنیا میں توحید کا واحد مرکز تھا، بتوں کی آلائیش سے پاک کرنا تھا، لیکن قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا، صلح حدیبیہ کی بدولت ایک مرتبہ مسلمان یادگار ابراہیمی کو نگاہ غلط انداز سے دیکھ آئے تھے، لیکن قریش زیادہ دنوں تک صلح حدیبیہ پر بھی قائم نہ رہ سکے، حدیبیہ کی صلح کے مطابق قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف ہوگیا تھا، اور اس کے حریف بنی بکر قریش کے معاہد ہوگئے تھے، لیکن از روئے معاہدہ فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا، لیکن بنی بکر اور ان کی حمایت میں قریش نے اس کے خلاف عین حرم میں بنی خزاعہ کو قتل کیا، بنی خزاعہ آنحضرت صلعم کے پاس فریاد لے کر آئے، آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ یا وہ مقتولین کا خون بہا ادا کریں، یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں، ورنہ اعلان کردیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

یہ شرطیں سنکر قریش کی جانب سے قرطہ بن عمرو نے کہا کہ ہم کو تیسری شرط منظور ہے،[2] لیکن پھر آنحضرت صلعم کے قاصد کے واپس آنے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، انھوں نے ابوسفیان کو

---

[1] بخاری غزوہ موتہ وطبقات ابن سعد حصہ مغازی، [2] زرقانی ج ۲ فتح مکہ،

فوراً تجدید معاہدہ کے لئے مدینہ دوڑا یا لیکن اب آنحضرت صلعم کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا، اور خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا آپ کا ضروری فرض تھا اس لئے آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی، ابوسفیان نے آپ سے مایوس ہو کر ابو بکرؓ و عمرؓ کو درمیان میں ڈالنا چاہا مگر ان بزرگوں نے انکار کر دیا، ان کے انکار پر حضرت علیؓ کے مشورہ سے حرم میں تجدید معاہدہ کا اعلان کر کے لوٹ گیا،

ابوسفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرت صلعم نے تطہیر حرم کی تیاریاں شروع کر دیں اور رمضان ۸ھ ۶۲۹ء میں دس ہزار فوجوں کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے، راستہ میں معاہد قبائل ساتھ ہوتے جاتے تھے، قریب پہنچکر مکہ سے ایک منزل ادھر مرظہران میں مسلمانوں نے منزل کی اور ان کے دستے دور دور تک پھیل گئے، قریش مسلمانوں کی روانگی کی خبریں سن چکے تھے، انھوں نے تحقیقات کے لئے ابوسفیان حکیم بن حزام، اور بدیل بن ورقا کو بھیجا، یہ لوگ پتہ چلاتے ہوئے مرظہران پہنچے، ابوسفیان پر حضرت عباسؓ کی نظر پڑ گئی، وہ اس کے رفیق تھے اس کی جان بچانے کے لئے اسے لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچے، لیکن خیمۂ نبوی کے محافظ دستے نے دیکھ لیا، حضرت عمرؓ کی نظر بھی پڑ گئی، وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئے، اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ کفر کے استیصال کا وقت آ گیا لیکن حضرت عباسؓ آڑے آئے اور آنحضرت صلعم سے ابوسفیان کی جان بخشی کرا دی،

اس وقت ابوسفیان کے تمام پچھلے اعمال سامنے تھے، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کی سازش ان میں سے ہر عمل اس کے خون کا دعویدار تھا لیکن رحمۃ للعالمینؐ کی شان کچھ اس سے بھی بالاتر تھی تمام گناہوں پر خط عفو پھیر دیا، پھر بھی ابوسفیان بدستور کفر و ضلالت پر قائم رہا، لیکن آخر میں حضرت عباسؓ کے ڈرانے سے کلمۂ توحید پڑھ لیا اور وہ سر پر غرور جو خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا آستان نبوی پر خم ہو گیا،

اس کے بعد لشکر اسلام کا ملاطم مکہ کی طرف بڑھا، ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا، آنحضرت صلعم

ے ابوسفیان کو افواجِ الٰہی کا نظارہ کرانے کے لئے ایک بلند مقام پر بھیجدیا، تمام قبائل کے پرچم یکے بعد دیگرے گذرتے تھے، ابوسفیان افواج اسلامی کی ہیبت سے سہما جاتا تھا، سب سے آخر میں کوکبۂ نبوی نمودار ہوا، اور ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرت صلعم مسلمانوں کے ساتھ اس شہر میں پھر فاتحانہ داخل ہوئے جس سے انتہائی بے کسی کی حالت میں محروم کئے گئے تھے،

قریش میں دس ہزار فوج کے مقابلہ کی تاب نہ تھی، اس لئے ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے، لیکن رحمۃ للعالمین صلعم نے مکہ میں داخلہ کے بعد ہی اعلان کر دیا، کہ جو شخص ہتھیار ڈالدیگا، یا دروازہ بند کرلے گا، یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا، وہ مامون ہے[۱]، صرف چند جیرہ سروں نے معمولی سی مزاحمت کی، جس میں دو مسلمان شہید اور ۱۳ کفار مقتول ہوئے،

اس کے بعد آنحضرت صلعم حرم کعبہ میں گئے، اس وقت یہاں تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آنحضرت صلعم نے انہیں لکڑی سے گرانا شروع کیا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا، خاص خانہ کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے، یہ سب نکالدئے گئے، حضرت عمرؓ نے دیوار کی تصویریں مٹائیں، ان آلائشوں سے صفائی کے بعد آنحضرت صلعم نے حضرت بلالؓ، و طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے، نماز شکرانہ ادا فرمائی، اس کے بعد جبابرۂ قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا، جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم سے تھا،

ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا، ہاں آج تمام مفاخر سارے انتقامات و خونبہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں،

اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام انسان آدم کی

---

[۱] اس عفو کا ذکر حدیث و طبقات کی تمام کتابوں میں ہے،

نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے، اس کے بعد کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی،

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ	لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا
وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ	اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ
لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ، لیکن خدا
اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ	کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار
	ہے، خدا دانا اور واقف کار ہے

ان اللّٰہ ورسولہ حرم بیع الخمر (بخاری) — خدا اور اسکے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی،

خطبہ کے بعد آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے سرگروہ تھے، وہ بھی تھے جو ذات اقدس کے ساتھ طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے، وہ بھی تھے جو ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے، وہ بھی تھے جنھوں نے غریب مسلمانوں کو مشق ستم بنایا تھا، وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت صلعم کے قتل کی سازشیں کی تھیں، آنحضرت صلعم نے انکی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا، کچھ معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ اگرچہ یہ سرکش تھے، گمراہ تھے، اسلام کے دشمن تھے، لیکن مزاج شناس تھے بول اٹھے، "آج کو شریف ابن کریم ہے، تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے" فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ[1] - تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو- اور چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ سب کو امان دیدی۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رض نے بام کعبہ پر چڑھکر اذان دی، قریش کی قوت اور رعونت اگرچہ خاک میں مل چکی تھی، لیکن اب بھی جاہلی عصبیت باقی تھی، چنانچہ اذان کی آواز سنکر ان کی غیرت مشتعل ہوگئی، اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا، خدا نے میرے باپ کی عزت

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۴،

رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لئے دنیا میں باقی نہ رکھا[1]، تاہم ان کے لئے دامن رحمت کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی اور آنحضرت صلعم کے عفو عام نے اکثروں کے دلوں سے اسلام کی نفرت دور کر دی تھی، اس لئے صدہا پرغرور سر آستان اسلام پر خم ہو گئے، آنحضرت صلعم مقام صفا میں ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے اور کفار جوق در جوق آکر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے، پندرہ یوم قیام کرنے کے بعد معاذ بن جبل کو نو مسلموں کی تعلیم کے لئے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

غزوۂ حنین | فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین ہوا، اگرچہ فتح مکہ نے جماعۂ قریش کی قوت توڑ دی تھی اور اس کے بعد قبائل عرب نے عام طور پر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا، لیکن بعض سرکش قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا، ان میں ہوازن اور ثقیف عرب کے بڑے ممتاز اور جنگجو قبیلے تھے، اسلام کے اقتدار سے ان کا امتیاز ختم ہو رہا تھا، اس لئے ہوازن کے رؤسانے دورہ کرکے عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا، اور سال بھر یہ کوشش جاری رہی، اتفاق سے آنحضرت صلعم کی مکہ میں روانگی کے وقت انھیں یہ غلط خبر ملی کہ آپ ان پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں، اس لئے وہ بڑے زور شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لئے عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے لیا کہ ان کی لاج میں قدم نہ اکھڑنے پائیں،

آنحضرت صلعم کو ان کی تیاریوں کی خبر ملی تو ان پر عبد اللہ بن حدرد کو تحقیقات کے لئے بھیجا، انھوں نے حنین جاکر خفیہ تحقیقات کی، واقعہ صحیح نکلا، اس لئے آنحضرت صلعم شوال ۸ھ میں بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر بڑے سر و سامان کے ساتھ حنین روانہ ہوئے، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلہ میں نکلے تھے چنانچہ بعضوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام فتح مکہ، ۵۳ زرقانی،

حنین پہنچکر فریقین میں مقابلہ ہوا، خدا کو مسلمانوں کا غرور پسند نہ آیا، اس لئے پہلے ہی حملہ میں اس بری طرح ان کے پاؤں اکھڑ گئے کہ آنحضرت صلعم کے پاس بھی کوئی باقی نہ رہ گیا، ہر طرف سے تیروں کا مینھ برس رہا تھا، لیکن پیکر اقدس اپنی جگہ قائم رہا، اور انصار کو آواز دی، جواب میں آواز آئی "ہم حاضر ہیں"، اس نازک حالت میں آپ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا "میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں"، حضرت عباسؓ نے آپکے حکم سے مہاجرین اور انصار کو پکارا، ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور اس جوش اور جانثاری کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار ان کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، بنی مالک نے استقلال دکھایا، لیکن ان کے سردار عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد انھیں بھی میدان چھوڑ دینا پڑا، جو باقی رہ گئے وہ بندہ گرفتار ہوئے اور لے تمام مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا،

اوطاس حنین کے شکست خوردہ کفار کچھ اوطاس اور کچھ طائف میں جمع ہوئے، ہوازن کا رئیس اعظم درید بن صمہ بھی کئی ہزار فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا، اس لئے حنین سے واپسی میں آنحضرت صلعم نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، درید کے لڑکے نے ابو عامر کو قتل کر کے علم چھین لیا، ابو موسیٰ اشعریؓ نے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیا، اور علم واپس لے لیا[1]،

طائف کا محاصرہ بنی ثقیف کی ایک شاخ طائف میں آباد تھی، جو اپنی شجاعت و بہادری کے لئے سارے عرب میں ممتاز تھی، طائف کے گرد فصیل نما چہار دیواری اور قلعہ تھا، اس لئے حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف چلا آیا تھا اور اہل شہر سے ملکر سامان رسد اور مقابلہ کے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گیا[2]، اس لئے حنین سے فراغت کے بعد آنحضرت صلعم نے جنگ کا مال غنیمت جعرانہ بھجوا دیا اور خود طائف تشریف لے گئے، اور اس کا محاصرہ کر لیا، بیس دن محاصرہ قائم رہا، لیکن کامیابی

---

[1] مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹ [2] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۲۲ و ابن سعد غزوہ اوطاس،

نہ ہوئی، چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی، اس لیے بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا،

تقسیم غنائم

طائف سے جعرانہ تشریف لائے، حنین کے مالِ غنیمت میں بیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی بھی تھے، جعرانہ تشریف لانے کے بعد قیدیوں کے بارہ میں کئی دن تک فدیہ کا انتظار کیا، جب کوئی چھڑانے نہیں آیا، تو آپؐ نے شرعی اصول کے مطابق کل مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور تالیفِ قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ جدید الاسلام مسلمانوں کو جن میں زیادہ تر جبارہ قریش تھے عطا فرمایا، اس سے بعض انصاریوں کو شکایت پیدا ہوگئی، اور انھوں نے شاکیانہ کہا کہ "قریش کو مالِ غنیمت ملتا ہے، اور ہم جن کی تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے محروم رکھے جاتے ہیں، بعضوں نے کہا مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے، اور غنیمت کے وقت دوسروں کی یاد ہوتی ہے"

آنحضرت صلعم کو ان خیالات کی اطلاع ملی تو آپ نے انصار کو بلا کر پوچھا، انھوں نے عرض کی کہ ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، ہاں نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے، کچھ لوگوں نے اقرار کیا، آپ نے ان کا ملالِ خاطر دور کرنے کے لیے خطبہ دیا "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تمھاری ہدایت کی، تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند بنایا" انصار ہر ہر بات پر یہ کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"[1]

آپ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ محمد جس وقت لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی، جب لوگوں نے تجھ کو چھوڑ دیا، اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی تو اپنے یہاں سے مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی تیری مدد کی" تم یہ کہتے جاؤ میں جواب دیتا جاؤں گا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو

---

[1] بخاری ص ۶۲۰

لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ"

یہ سنکر انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد صلعم درکار ہیں، انصار کا یہ حال ہوا کہ

روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، اس کے بعد آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں،

ان کو میں نے جو کچھ دیا ہے وہ ان کا حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تالیف قلب کے لئے،[1]

اسی سال آنحضرت صلعم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ کی صاحبزادی

زینبؓ کا انتقال ہوا

غزوۂ تبوک | رجب سنہ ۹ھ (۶۳۵ء) میں غزوہ تبوک پیش آیا، تبوک عرب اور شام کی سرحد پر ایک مقام ہے

یہ رومیوں کی حکومت میں تھا، روم اور عرب کے سرحدی علاقے میں رومی حکومت کی جانب سے

عرب سردار حکومت کرتے تھے، شرحبیل والی بصریٰ بھی ان ہی سرداروں میں تھا، جنگ موتہ

کے بعد ہی رومیوں نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا اور شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً عرب اور

مذہباً عیسائی تھا، اور رومی حکومت کے ماتحت حکومت کرتا تھا، اس مہم پر مامور کیا تھا، اس وقت

سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہیں برابر پھیلتی رہتی تھیں، اسی زمانہ میں شام کے نبطی سوداگروں نے

جو مدینہ آیا کرتے تھے اطلاع دی کہ شام میں رومیوں نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے،[2] اور اس کا

مقدمۃ الجیش بلقا تک پہنچ چکا ہے، یہ بھی افواہ پھیل گئی کہ عیسائی عربوں کی درخواست پر ہرقل نے

چالیس ہزار فوجیں بھیجدی ہیں،

چونکہ رومیوں کی جانب سے عرصہ سے حملہ کا خطرہ تھا، اس لئے ان خبروں کے یقین کرنے میں

کوئی تامل نہ ہوا، اور آنحضرت صلعم رجب سنہ ۹ھ میں حضرت علیؓ کو مدینہ میں چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانوں

کے ساتھ جس میں دس ہزار سوار تھے شام روانہ ہوئے، تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط

---

[1] یہ واقعات بخاری میں مختصر اور فتح الباری میں بتفصیل ہیں، [2] مواہب لدنیہ،

تھیں تاہم آپنے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا، ایلہ کے سردار یوحنانے حاضر ہوکر جزیہ قبول کیا اور ایک خچر ہدیہ مین پیش کیا، آپنے اس کو ایک ردا عطا فرمائی، جربا، اور اذرح کے عیسائیوں نے بھی آکر جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومتہ الجندل کا حاکم اکیدر قیصر کے ماتحت تھا اس کی جانب سے خطرہ تھا، اس لئے آپنے خالد بن ولیدؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ دومتہ الجندل بھیجا، خالدؓ نے اُسے گرفتار کرلیا، اکیدر مصالحت کے لئے آمادہ ہوگیا، خالدؓ نے اسے اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر شرائط صلح پیش کرے، بیس دن تبوک میں قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانوں کو جن کی جانب سے خطرات تھے مطیع بناکر مدینہ واپس تشریف لائے، یہین اکیدر حاضر خدمت ہوا، اور آپنے اسے امان نامہ عطا فرماکر واپس کردیا،

حج اور اعلان برأت | مکہ ۸ھ میں فتح ہوچکا تھا، لیکن اس سال مشرکین ہی کے اہتمام میں حج ادا ہوا تھا، اس لئے غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت علیؓ کو منصب نقابت تفویض ہوا، قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے، اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا جب سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے، اور خانۂ خدا میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا، اور زمانۂ جاہلیت کی تمام رسمین باطل قرار پائین، مکہ پہنچکر حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو مناسک حج کی تعلیم دی، قربانی کے دن خطبہ مین مسائل حج بیان کئے، حضرت علیؓ نے سورۂ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کردیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ مین داخل نہ ہوسکے گا، کوئی برہنہ حج کرنے پائے گا، اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے ہیں ان کے نقض عہد کے باعث آج سے چار مہینہ بعد ٹوٹ جائیں گے،

اسی سال زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا، اور سود حرام قرار پایا،

چھوٹے چھوٹے سریے

مذکورۂ بالا غزوات کے علاوہ آنحضرت صلعم نے مختلف اوقات مین بکثرت چھوٹے چھوٹے دستے عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے، انہیں اصطلاح مین "سرایا" کہا جاتا ہے، ان سرایا کو عموماً لوگ جنگی دستوں سے تعبیر کرتے ہین، جو صحیح نہیں ہے، یہ دستے مختلف ضروریات کے لئے بھیجے جاتے تھے، مثلاً

(۱) دشمنوں کی نقل و حرکت کی سراغ رسانی کے لئے،

(۲) دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر مدافعت کے لئے،

(۳) قریش کے کارواں تجارت کی روک ٹوک کے لئے،

(۴) امن و امان قائم کرنیکے لئے،

(۵) اشاعت اسلام کے لئے انھین تاکید کر دی جاتی تھی کہ وہ تلوار سے کام نہ لیں،

(۱) پہلی قسم کے سرایا میں عبداللہ بن جحش کا سریہ تھا، جسے آپ نے ۲ھ میں مکہ کی طرف بھیجا تھا، اس میں صرف بارہ آدمی تھے اور ایک خط دے کر ہدایت فرما دی تھی کہ "دو دن بعد اسے کھولنا" دو دن بعد عبداللہ نے اسے کھولا تو اس مین لکھا تھا کہ "برابر بڑھتے چلے جاؤ اور مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ٹھہر کر قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو، وہاں کی خبریں معلوم کرو"

(۲) دوسری قسم یعنی مدافعت کے سرایا مین سریۂ غطفان ۳ھ، اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تھا کہ قبیلۂ بنی ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت ذی امر میں حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہوئی ہے، سریۂ ابوسلمہ ۳ھ طلحہ اور خویلد کے مقابلہ کے لئے جنکے متعلق معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت صلعم سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوے ہیں بھیجا گیا تھا، سریۂ عبداللہ بن انیس ۳ھ، یہ ابوسفیان بن خالد کے جتھے کو جو مخالفانہ جمع ہوا تھا منتشر کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، سریۂ فدک علی بن ابی طالب ۶ھ یہ بنی سعد کے مقابلہ کے لئے جو یہود خیبر کی مدد کے لئے فدک مین جمع ہوے تھے روانہ کیا گیا تھا، سریۂ بشیر بن سعد ۶ھ

اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تھا کہ قضاعہ کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہوا ہے اور عیینہ بن حصن ان سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، سریہ ذات السلاسل ۸ھ عمرو بن العاص بنو قضاعہ کے مقابلہ کے لئے جو مدینہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے بھیجا گیا تھا،

(۳) تیسری قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قریش نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روک دیا تھا قریش کا مایۂ غرور ان کی تجارت تھی، اس کے رک جانے سے ان کو سخت نقصان پہنچتا تھا، اس لئے آنحضرت صلعم نے ان کے کاروانِ تجارت کی روک ٹوک شروع کی تھی تاکہ قریش مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ جانے کی اجازت دیدیں، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے سرایا صلح حدیبیہ سے پہلے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے چند شرائط کے ساتھ عمرہ کی اجازت دیدی تو ان سرایا کا سلسلہ بند ہو گیا، اگرچہ ان سے مقصود صرف قریش کو روکنا تھا، لیکن اس سلسلہ میں کبھی کبھی تصادم بھی ہو جاتا تھا،

(۴) چوتھی قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قبائل عرب میں ہمیشہ جنگ وجدال کا سلسلہ برپا رہتا اس کی وجہ سے راستے بالکل غیر محفوظ ہو گئے تھے، تجارتی قافلے دن دھاڑے لوٹ لئے جاتے تھے، اسلام کا ایک اہم فرض امن عام قائم کرنا تھا، اس لئے آنحضرت صلعم مدامی کی خبر سنکر ان کے انسداد کے لئے سرایا روانہ فرماتے تھے، ان سرایا میں،

پہلا سریہ ۶ھ میں زید بن حارثہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا، اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت زید سامانِ تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے، واپسی میں مقام وادی القریٰ میں بنی فزارہ نے مار پیٹ کر کل سامان چھین لیا، آنحضرت صلعم نے ان لٹیروں کی تنبیہ کے لئے ایک دستہ روانہ فرمایا،

سریہ زید بن حارثہ ۶ھ، اس کا باعث یہ تھا کہ ایک شخص ہنید نے آنحضرت صلعم کے قاصد دحیہ کلبی کا جو قیصر روم کے پاس سے آرہے تھے کل سامان چھین لیا تھا، آنحضرت صلعم نے اس کے بدلہ کے لئے زید بن حارثہ کو ایک جماعت کیساتھ روانہ فرمایا، اس قسم کے سریے عموماً خانہ بدوش

اور مبلغین اور دعاۃ گرد و نواح کی طرف بھیجے جاتے تھے [illegible] اسی قبیل کے سرایا میں تھے

(۵) پانچویں[5] قسم اشاعتِ اسلام کے سرایا تھی جو [illegible] عرب میں بھیجے ہوئے تھے، آنحضرت صلعم کا فرض ان سب کے کانوں تک اسلام کی آواز پہنچانا تھا، اس لئے آپ وقتاً فوقتاً اسلام کی اشاعت کے لئے ان میں مسلمانوں کی جماعتیں بھیجتے تھے، یا کبھی کبھی خود قبائل کی درخواست پر دعاۃ اور معلمین روانہ فرماتے تھے، اور چونکہ بدامنی عام تھی اس لئے یہ لوگ مسلح بھیجے جاتے تھے، کبھی کبھی ان میں اور مخالفینِ اسلام میں جنگ کی نوبت آجاتی تھی،

سریہ[1] بیر معونہ سنہ ۴ھ قبیلۂ کلاب کے رئیس نے آنحضرت صلعم سے اپنے یہاں دعاۃ اسلام بھیجنے کی درخواست کی تھی، اس کی درخواست پر آپ نے ستر مبلغین بھیجے تھے، بیر معونہ کے قریب یہ سب کے سب قبائل رعل اور ذکوان کے ہاتھوں شہید ہوئے، صرف ایک شخص بچ گیا جس نے مدینہ آکر اطلاع دی، سریہ[2] مرثد بن ابی مرثد غنوی سنہ ۴ھ یہ دس مسلمانوں کی جماعت تھی جو قبیلہ عضل اور قارہ کی درخواست پر ارشاد و تعلیم کے لئے بھیجی گئی تھی، مقام رجیع میں بنی لحیان نے حملہ کرکے ایک کے سوا سب کو شہید کر دیا، سریہ[3] ابن ابی العوجاء سنہ ۷ھ اس میں ابن ابی العوجاء کی ماتحتی میں ستر مبلغین بنی سلیم کے پاس بھیجے گئے تھے، بنی سلیم نے ان کی دعوت کا جواب تیر اور پتھروں سے دیا، مسلمانوں نے بھی مجبوراً مقابلہ کیا، لیکن ابن ابی العوجاء کے سوا باقی سب شہید ہوئے، سریہ[4] کعب بن عمیر سنہ ۸ھ یہ پندرہ مبلغین کی جماعت کعب بن عمیر غفاری کی ماتحتی میں ذات اطلاح اشاعت اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی، یہاں کے باشندوں نے بھی بنی سلیم کی طرح تیر و تفنگ سے جواب دیا اور ایک کے سوا کل مسلمان شہید ہوئے،

اگرچہ یہ تبلیغی سرایا اپنی حفاظت کے لئے مسلح بھیجے جاتے تھے لیکن انھیں خاص طور سے تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے، لیکن پھر بھی کبھی کبھی اتفاقیہ واقعات پیش آجاتے تھے

اگر یہ واقعات مسلمانوں کی غلطی سے پیش آتے تو آنحضرت صلعم کو اس کا سخت صدمہ ہوتا اور آپ ان کی پوری تلافی فرماتے تھے، فتح مکہ کے بعد آپ نے خالد بن ولید کو تین آدمیوں کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے بنی خذیمہ بھیجا اور چلتے چلتے تاکید فرمادی کہ "صرف اسلام کی دعوت دینا جنگ مقصود نہیں ہے" لیکن خالد نے غلطی سے تلوار اٹھادی اور بہت سے آدمی قتل ہوگئے آنحضرت صلعم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت تکلیف ہوئی اور قبلہ رو کھڑے ہوکر فرمایا "خدایا میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں" پھر حضرت علیؓ کو بھیجکر تمام مقتولین حتیٰ کہ کتوں تک کا خون بہا ادا فرمایا[1]،

اسی سلسلہ کی کڑی وہ سرایا بھی ہیں جو مختلف اطراف میں بت شکنی کے لئے بھیجے گئے، سارے عرب میں صنمکدوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، ہر ہر قبیلہ کا بت جدا تھا، اس لئے کوئی خطہ بتکدوں سے خالی نہ تھا، فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل مسلمان ہوچکے تھے اور انھوں نے بت پرستی چھوڑدی تھی، لیکن صدیوں کی پرستش کی وجہ سے ان کے دلوں سے بتوں کی ہیبت نہ نکلتی تھی اور وہ ان کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے، طائف کے باشندوں نے اسلام قبول کرتے وقت یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بتخانہ ایک سال تک نہ توڑا جائے لیکن آنحضرت صلعم نے مسترد فرمادیا، اس وقت انھوں نے کہا اچھا ہم اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں گے، اس قسم کے خوف وہراس کو مٹانے کے لئے راسخ العقیدہ مسلمان بتکدوں کو توڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ سریہ خالد بن ولیدؓ عزیٰ کے صنم کدہ کو، سریہ عمرو بن العاصؓ سواع کے بتخانے کو، سریہ سعد بن زیدؓ مناۃ کے صنم خانے کو، سریہ ابوسفیانؓ ومغیرہ لات کی پرستش گاہ کو، سریہ جریرؓ ذی الخلصہ کے معبد کو، سریہ طفیل بن عمرو ذی الکفین کی مورت کو، سریہ علیؓ بن ابی طالب فلس کی عبادت گاہ کو توڑنے کے لئے بھیجے گئے تھے،

اس کے علاوہ سنہ ۲ھ میں سریہ عکاشہ بن محصن وسریہ علی بن ابی طالب سنہ ۹ھ میں سریہ عمرؓ بن الخطاب

---

[1] طبری ص ۱۶۵۱،

سنہ میں، سریہ کعب بن عمرو چھوٹے چھوٹے سرایا مختلف سمتوں میں دشمنوں کی سرکوبی کو بھیجے گئے اور سرایا بھی ہیں، لیکن ان کا استقصا مقصود نہیں ہے، ان سب کے حالات ابن سعد اور زرقانی سے لیے گئے ہیں

مذہبی انتظامات

تبلیغ و دعوتِ اسلام | آنحضرت صلعم کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری مخلوق کو توحید الٰہی کی دعوت دینا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت تھا، لیکن کفار عرب کی مسلسل مزاحمت اس راہ میں سنگ گراں بنی رہی، اس مزاحمت کی مدافعت نے جنگ کی شکل اختیار کر لی جس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، ورنہ یہ لڑائیاں مقصود بالذات نہ تھیں لیکن ان مزاحمتوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا، اور جس قدر مزاحمتیں دور ہوتی گئیں اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی، تا آنکہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہوگیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے،

آنحضرت صلعم نے تبلیغ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے، ابتدا میں تن تنہا، اشخاص سے مل کر، مجمعوں میلوں اور قبائل میں جا کر خدا کا پیغام پہنچاتے تھے، اس راہ میں آپ نے جو تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھائیں، اس کے حالات اوپر گذر چکے، سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو درحقیقت تبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد ہے، اسی دور کے مساعی کا نتیجہ ہے،

اس کے بعد جوں جوں اسلام میں تقویت آتی گئی، اس فریضہ کی ادائی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی، تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں، جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہوجاتا تھا وہ خود جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا، امراء اور فرمانرواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے گئے، ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے

ان مساعی کے ساتھ ساتھ ایسے قدرتی اسباب بھی پیدا ہوئے جو تبلیغ اسلام کا
ذریعہ بن گئے، اگرچہ سارا عرب کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا، لیکن بعثت نبوی کے پہلے سے ان
میں کچھ خدا پرست یا کم از کم متلاشی حق موجود تھے، ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن
الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ اسی متلاشیان حق میں تھے، اس جماعت میں سے
جنہوں نے اسلام کا زمانہ پایا وہ خود اس دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنے ساتھ اپنی پوری
جماعت کو بھی اس سے نوازا، مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ خود مسلمان ہوئے اور اپنے پورے قبیلہ
کو مسلمان بنایا، پھر قبیلہ غفار کے اثر سے اس کا ہم جوار قبیلہ غفار مسلمان ہوا،[1]

حضرت سلمان فارسیؓ بھی ان لوگوں میں تھے جو سالہا سال سے دین حق کی تلاش میں سرگردان
تھے، ان کے علاوہ متعدد متلاشیان حق آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے

بعض حالات میں خود قریش کی مخالفت تبلیغ کا سبب بنجاتی تھی، وہ آنحضرت صلعم کو "صابی"
یعنی بے دین اور مجنون مشہور کرتے تھے، اور لوگوں کو آپ کے پاس جانے سے روکتے تھے، اس
سے ان میں تدریجاً آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور وہ آپ سے ملنے کے بعد مسحور ہو جاتے تھے

قبیلہ ازدشنوءہ کے رئیس ضماد بن ثعلبہ زمانہ جاہلیت سے آنحضرت صلعم کے دوست تھے
ایک مرتبہ وہ مکہ آئے تو سنا محمد کو جنون ہو گیا ہے، انہیں جھاڑ پھونک میں دخل تھا، اس لئے
از راہ محبت و ہمدردی آپ کے علاج کے لئے پہنچے، آپ نے ان کو کلام اللہ کی چند آیتیں سنائیں، ان کے
سحر آفرین اثر سے وہ مسلمان ہو گئے، پھر ان کی دعوت پر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا،[2]

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا، قبائل پر شعراء کا بڑا اثر تھا، اس لئے قریش نے
عمرو کو آنحضرت صلعم سے ملنے سے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن ایک مرتبہ اتفاقیہ اس نے آپ کو

---

[1] مسلم باب اسلام ابی ذر [2] مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ

قرآن پڑھتے سن لیا اور اس کے اثر سے مسلمان ہوگیا، اس کے قبیلہ پر اس کے اسلام کا بڑا اثر پڑا[1]
بعض لوگ جو مکہ گئے، دعوی نبوت کے حالات سنکر آپ سے ملنے کے شوق میں آتے تھے، اور نبوت
کی پر تاثیر باتیں سنکر مسلمان ہو جاتے تھے، عمرو بن عبسہ ان ہی بزرگوں میں تھے، یہ آپ کے دعوی نبوت
کے حالات سنکر مکہ آئے اور آنحضرت صلعم سے مل کر نبوت اور اسلام کے متعلق چند سوالات کرکے
آپ کی پیروی پر آمادہ ہوگئے لیکن اس وقت آپ کفار کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے، اس لیے
واپس کر دیا کہ اس حالت کے بدلنے کے بعد آنا، چنانچہ اس وقت وہ واپس چلے گئے اور ہجرت کے
بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے[2]،

اس طرح اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا، ۵ھ کے بعد جب غزوہ احزاب میں مسلمانوں نے
قریش، کنانہ، غطفان اور اسد کے متحدہ قبائل کو شکست دی اور قریش کا اثر کسی قدر کم ہوا، اس وقت
ان قبائل نے جو اسلام کی طرف مائل تھے، لیکن قریش کے خوف سے اس کے اظہار کی ہمت نہ
پڑتی تھی، وفود بھیجنے شروع کئے چنانچہ قبیلہ مزینہ چار سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ آکر مشرف باسلام ہوا[3]

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سو آدمی مدینہ آئے اور آنحضرت صلعم سے کہا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے
بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمارے آپکے درمیان معاہدہ ہو جائے، آنحضرت صلعم نے قبول فرمایا، پھر صلح کے
بعد یہ لوگ خود بخود مسلمان ہوگئے[4]،

قبیلہ جہینہ ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھا، وہ بھی آنحضرت صلعم کی دعوت پر مسلمان ہوگیا
اور اکثر غزوات میں مسلمانوں کا شریک حال رہا[5]،

لیکن صلح حدیبیہ تک اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی، صلح حدیبیہ کے بعد جب

---

[1] زرقانی و مسلم کتاب الایمان، [2] صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیہا، [3] طبقات ابن سعد جزو اول قسم ۲ ص ۳۸، [4] ایضاً ص ۴۸، [5] اصابہ ج اول

مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا اس وقت مسلمانوں کے اخلاق وعمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر بکثرت کفار مسلمان ہوئے طبری کا بیان ہے کہ

"کوئی سمجھدار آدمی ایسا نہ تھا جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کرلیا ہو، جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے، صرف دو برسوں کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے[1]"

پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلۃً سست رہی، لیکن فتح مکہ کے بعد ہر طرف سے لوگ قبول اسلام کی جانب پیشقدمی کرنے لگے، اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے، اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں، فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور قریش کی قوت ختم ہوگئی، اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے،

بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے کہ محمد کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد صلعم ان پر غالب آگئے تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں، پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیشدستی کی[2]،

فتح مکہ کے بعد ایک طرف قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی، دوسری طرف قریش کی قوت ختم ہونے کے بعد آنحضرت صلعم کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا، اور آپ نے ہر طرف دعاۃ اور مبلغین روانہ فرمائے، ان میں سے بعض مبلغیں اور مقامات کے نام یہ ہیں،

حضرت علیؓ	قبیلہ ہمدان، حدیمہ اور مدحج،

[1] طبری ص ۱۵۵۱، [2] بخاری باب فتح مکہ،

خالد بن ولیدؓ،	اطراف مکہ،
مغیرہ بن شعبہؓ،	نجران
عمرو بن العاصؓ،	عمان،
وبر بن یحنسؓ،	ابنائے فارس،
مہاجر بن ابی امیہؓ،	حارث بن عبد کلال شہزادۂ یمن،

عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز و سیر حاصل اور عرب میں تمدن و تہذیب کا نہایت قدیم مرکز ہے، حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتیں یہیں تھیں، ہجرت سے پہلے یہاں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، چنانچہ قبیلۂ دوس میں اسلام پھیل چکا تھا لیکن یہاں کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا، ۸ھ کے آخر میں آنحضرت صلعم نے خالد بن ولیدؓ کو ہمدان میں دعوت اسلام کے لئے یمن بھیجا، یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے لیکن کامیاب نہ ہوئے اس لئے رسول اللہ صلعم نے انہیں واپس بلا لیا اور حضرت علیؓ کو ان کی جگہ بھیجا، آپ کی کوششوں سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا[1]۔

یمن ہی میں ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا، ۱۰ھ میں آنحضرت صلعم نے ان میں تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علیؓ کے سپرد کی، انہوں نے جا کر اسلام کی دعوت دی لیکن اس کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا، حضرت علیؓ نے بھی مدافعت کی، اس مدافعت میں بیس مذحجی کام آئے، باقی بھاگ نکلے، اس کے بعد خود دوسرے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، اور دوسروں کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا[2]،

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی دعوت اسلام

---

[1] زرقانی [2] ابن سعد حصہ مغازی

کے لئے ان کے اصلاح میں بھیجے گئے، مدینہ کے قریب ہی نجران کا علاقہ عرب میں عیسائیت کا مرکز تھا، ان میں تبلیغ کی خدمت مغیرہ بن شعبہ کے سپرد ہوئی، عیسائیوں نے قرآن پر بعض اعتراضات کئے، مغیرہ ان کا جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے، اس کے بعد خود ان عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ آیا،[1][2]

نجران میں عیسائیوں کے علاوہ مشرکین بھی آباد تھے، ان میں ایک قبیلہ حارث بن کعب تھا، ۱۰ھ میں آنحضرت صلعم نے خالد بن ولید کو نجران بھیجا، ان کی کوششوں سے سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا[3]

بحرین ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا، یہاں عرب قبائل بھی آباد تھے ان میں عبد القیس بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے، عبد القیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں مدینہ آئے، اور آنحضرت صلعم کی دعوت پر مسلمان ہوگئے، آنحضرت صلعم نے انکو ایک فرمان عطا کیا، وطن واپس جانے کے بعد منقذ نے اسلام کو مخفی رکھا، لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی، انھوں نے منقذ سے دریافت کیا اور خود مسلمان ہوگئے اور آنحضرت صلعم کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا، اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا[4]،

۸ھ میں آنحضرت صلعم نے علاء حضرمی کو بحرین بھیجا، اس زمانہ میں یہاں حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اس نے اسلام قبول کیا، اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہوگئے[5]، بحرین کے علاقہ "ہجر" کا حاکم سیبخت آنحضرت صلعم کی دعوت پر اسلام لایا[6]،

عمان میں قبیلہ ازد تھا، عبید اور جیفر یہاں کے حاکم تھے، ۸ھ میں آنحضرت صلعم نے ابو زید

---

[1] بخاری کتاب المغازی، [2] ترمذی تفسیر سورۂ مریم، [3] زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶، [4] زرقانی، [5] ایضاً، [6] فتوح البلدان بلاذری ذکر بحرین،

انصاری [illegible] عمرو بن العاص کو دعوت اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا، اس دعوت پر دونوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا، ان کی تبلیغ سے یہاں کے تمام عرب مسلمان ہو گئے[1]،

ان دعوتوں کے علاوہ عرب کے مختلف حصوں میں آنحضرت صلعم نے مبلغین روانہ فرمائے، جنھوں نے عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی روشنی پھیلائی، لیکن ان سب کا استقصا مقصود نہیں ہے، مبلغین کے علاوہ بعض آدمیوں نے دور دراز مقامات سے آ کر خود اسلام قبول کیا اور واپس جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کی، ان میں سے بعضوں کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں، ان میں طفیل بن عمرو دوسی، عروہ بن مسعود ثقفی، عامر بن شہر ہمدانی، ضمام بن ثعلبہ سعدی، منقذ بن حبان، اور ثمامہ بن اثال کے نام لائق ذکر ہیں،

عرب کے جو مقامات اسلام کے زیر اثر آتے تھے وہاں زکوٰۃ عشر اور جزیہ وصول کرنے کے لئے جو عمال بھیجے جاتے تھے وہ تحصیلِ مال کے ساتھ تبلیغ و ارشاد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ان میں سے بعضوں کے نام یہ ہیں،

مہاجر بن ابی امیہ، عامل صنعاء یمن — علاء حضرمی، عامل بحرین

زیاد بن اسد، عامل حضرموت — حضرت ابو موسیٰ اشعری، عامل زبید و عدن

خالد بن سعید، عامل صنعاء یمن — حضرت معاذ بن جبل، عامل جند

عدی بن حاتم، قبیلۂ طے — جریر بن عبداللہ بجلی، ذوالکلاع حمیری

وفود یہ آنحضرت صلعم کی جانب سے اسلام کا تبلیغی نظام تھا، اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل نے وفود کے ذریعہ مدینہ آ کر اسلام قبول کیا یا اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے پھر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق

[1] فتوح البلدان ذکر عمان،

کی بعض صرف سیاسی معاہدہ کے لئے آتے تھے اور آنحضرت صلعم سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے، یا محض معاہدہ کر کے واپس چلے جاتے تھے، اس قسم کے وفود کی تعداد با ختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے، یہ وفود مختلف اوقات مین آتے رہے لیکن زیادہ تعداد ملکہ دو چار کے باقی کل فتح مکہ کے بعد آئے ان میں بعض کے نام یہ ہیں،

مزینہ، اسد، تمیم، عبس، فزارہ، مرہ، ثعلبہ، محارب، سعد بن بکر، کلاب، عقیل بن کعب، بنی البکاء، کنانہ، اشجع، باہلہ، سلیم، ہلال بن عامر، عامر بن صعصعہ، ثقیف، ربیعہ، عبد قیس، بکر بن وائل، تغلب، حنیفہ، شیبان، طے، مراد، زبید، کندہ، صدف، سعد ہذیم، بلی، بہراء، عذرہ، سلامان، جہینہ، کلب، جرم، ازد، غسان، حارث بن کعب، ہمدان، نخع، بجیلہ، خثعم، اشعریین، ازد، دوس، اسلم، جذام، مہرہ اور حمیر وغیرہ،

ان میں سے چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے، ابن سعد نے طبقات میں ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں[1]،

غرض چند برسوں کے اندر اندر سارے عرب میں اسلام پھیل گیا،

دعاۃ اور معلمین کی تعلیم دنیا کے بیشتر مذاہب میں مذہبی فرائض کی ادائی کے لئے خاندان اور طبقات مخصوص ہیں، یہودیوں مین اس خدمت کے لئے ایک مخصوص خاندان تھا، اس کے علاوہ دوسرا اسے انجام نہ دے سکتا تھا، عیسائیوں میں اگرچہ خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ایک طبقہ نے ان خدمات کو اپنے لئے خاص کر لیا تھا، ہندوؤں مین برہمن کے علاوہ دوسرا اس کا مجاز نہیں، دوسری قوموں مین کم وبیش یہی حال ہے،

لیکن اسلام مین ہر مسلمان داعی مذہب، مبلغ، معلم، واعظ اور محتسب ہے، لیکن بغیر مذہبی تعلیم اور شریعت کے اوامر و نواہی سے واقفیت کے یہ فرض صحیح طور سے ادا نہیں کیا جا سکتا

[1] ابن سعد ج اول ق ۲ میں ان وفود کے تفصیلی حالات ہیں،

اور ہر شخص کو پوری تعلیم و تربیت کا موقع نہیں مل سکتا، اس لئے ضرورت تھی کہ ایسی جماعت تیار کیجائے جو شریعت کے اوامر و نواہی کی واقفیت کے ساتھ، ساتھ دربار آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہ کر اس طرح اسلامی رنگ میں ڈوب جائے کہ اس کی گفتار، کردار، و رفتار، نشست و برخاست، قول و عمل ہر شے اسلامی تعلیمات کا زندہ نمونہ بنجائے،

آنحضرت صلعم نے مذہبی تعلیم و تربیت کے دو طریقے رکھے تھے، ایک غیر مستقل، یعنی عرب کے مختلف قبائل کے آدمی مدینہ آکر چند دن قیام کر کے ضروری مسائل سیکھ کر واپس جاتے تھے اور اپنے قبیلہ کو تعلیم دیتے تھے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ جاتا تھا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کر کے دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا[1]

اس قسم کے متعلمین کے حالات حدیث و طبقات کی کتابوں میں بکثرت ہیں، انھیں چند دن تعلیم دینے کے بعد آپ ان کے قبیلہ میں واپس بھیج دیتے تھے، چنانچہ مالک بن الحویرث کی سفارت کو بیس دن کی تعلیم کے بعد حکم دیا کہ "اپنے خاندان میں واپس جاؤ، اور ان میں رہکر اُن کو احکام شریعت کی تعلیم دو، اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو"[2]

دوسرا طریقہ مستقل درس و تعلیم کا تھا، اور اس کے لئے صفہ کی درسگاہ مخصوص تھی، اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے، جو علائق دنیاوی سے کنارہ کش ہو کر اپنے کو دینی تعلیم اور عبادت و ریاضت کے لئے وقف کر دیتے تھے، اس درسگاہ میں دو حلقے تھے، ایک درس و تعلیم کا دوسرا ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کا، سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم کاشانۂ اقدس سے برآمد ہوئے تو مسجد میں دو حلقے تھے، ایک حلقہ کے لوگ تلاوت و دعا میں مصروف تھے، اور دوسرے حلقہ کے تعلیم و تعلم میں، آپ نے دونوں کی تحسین فرمائی اور خود یہ ارشاد

[1] تفسیر خازن تفسیر آیہ وماکان المومنون لینفروا کافۃ، [2] بخاری باب رحمۃ البہائم،

فرمایا کہ میں حضرت معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، درس و تعلیم کے حلقہ میں بیٹھ گئے[1]

صفہ کی درسگاہ میں رسول اللہ صلعم کے علاوہ اکابر صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے،

حضرت عبادہ بن صامت کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید

اور لکھنے کی تعلیم دی، ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو کمان ہدیہ دی،[2] بعض

ان کا سارا وقت درس و تعلیم میں گذرتا تھا، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ستر صحابی

رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے،[3]

حضرت ابوہریرہؓ جو اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے، بیان ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں

میں اپنی کاروبار میں لگے رہتے تھے، اور انصار اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال میں، میں محتاج آدمی

تھا، میرا سارا وقت آنحضرت صلعم کی خدمت میں گذرتا تھا، اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود

نہ ہوتے تھے میں موجود رہتا تھا، اور جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے میں محفوظ رکھتا تھا،[4]

اصحاب صفہ کی زندگی نہایت پرمشقت اور پرمحن تھی، کھانے کا کوئی سہارا نہ تھا، پہننے

کے لئے صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے،

کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا[5]

ان میں سے کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے اور جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور

ان کو بیچ کر ان کی آمدنی سے گذر اوقات کرتے تھے،[6]

اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا، یہ لوگ تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کے لئے

---

۱ سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ۲ ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب المعلم،
۳ مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷، ۴ مسلم فضائل ابی ہریرہ، ۵ بخاری، ۶ مسلم کتاب الامارۃ باب
ثبوت الجنۃ للشہید،

مختلف مقامات پر بھیجے جاتے تھے چنانچہ قبیلہ عرینہ کی درخواست پر ان ہی میں سے ستر قرار کتاب وسنت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، جن کو ان لوگوں نے دھوکے سے شہید کر دیا تھا[۱]،

عہد نبوی میں ان قرار کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہو گئی تھی، چنانچہ یمامہ کی جنگ میں جو آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی آغاز عہد صدیقی میں ہوئی، ستر حفاظ شہید ہوئے،

تعمیر مساجد | اسلام کا سب سے بڑا مقصد عبادت اور تسبیح وتقدیس الٰہی تھا، اس لئے مسجد کی تعمیر سب سے مقدم فرض تھا، عبادت وریاست کے علاوہ مسجد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز بھی تھی، جہاں مسلمان دن میں پانچ مرتبہ جمع ہوتے تھے، اسی لئے رسول اللہ صلعم نے نماز باجماعت کی سخت تاکید فرمائی ہے،

جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا تو اس کے لئے مسجد ضروری ہو جاتی تھی، بڑی بڑی آبادیوں میں ایک ایک مقام پر کئی کئی مسجدوں کی ضرورت پیش آجاتی تھی، چنانچہ عہد نبوی میں صرف مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں تھیں جن میں علٰحدہ علٰحدہ نماز ہوتی تھی، ان کے نام یہ ہیں:
مسجد بنی عمرو، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتج، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد بنی اسلم، مسجد جہینہ،

ان کے علاوہ مختلف مقامات پر حسب ذیل مساجد کے نام ملتے ہیں،

مسجد بنی خدرہ، مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی مصلی، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد للحارث بن حزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد الفضیح، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبدالاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معاویہ،

---

[۱] مسلم کتاب الامارت باب ثبوت الجنۃ للشہید،

مسجد عائشہ، مسجد بنی عبد الاشہل، مسجد بنی وائل، مسجد بنی بیاضہ[1]،

غرض آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت عرب کے گوشہ گوشہ میں خدائے واحد کا گھر تعمیر ہو گیا تھا جہاں ہر روز پانچ وقت اسکا نام لیا جاتا تھا،

ائمۂ کرام | مساجد کی تعمیر کے ساتھ ان کے لئے ائمہ بھی مقرر فرماتے تھے، معمولاً ہر قبیلہ کے بڑے حافظ قرآن کو یہ منصب عطا ہوتا تھا اور اس مین آقا و غلام اور چھوٹے بڑے کا فرق نہ تھا، غلام آقاؤں کی امامت کرتے تھے، ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ مین جو مہاجرین آچکے تھے، حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ اُن کی امامت کرتے تھے، آپ نے امام کے انتخاب کے لئے یہ اصول مقرر فرمایا تھا کہ "جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہوا گر اس وصف میں سب برابر ہوں تو ان میں جو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو[2]،

جن جن مقامون پر مدینہ سے عمال مقرر ہو کر جاتے تھے عموماً وہی وہاں کے امام بھی ہوتے تھے[3]، بعض بڑے مقاموں پر عامل اور امام کے فرائض علیحدہ علیحدہ دو شخصوں سے بھی متعلق ہوتے تھے،

سیرت کی کتابوں میں عہد نبویؐ کے امامون کی نام بنام تفصیل نہیں ملتی، مختلف روایات اور بیانات سے حسب ذیل امامون کا پتہ چلتا ہے،

مصعب بن عمیرؓ	مدینہ منورہ	ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ میں انصار کی امامت کرتے تھے،
سالمؓ (حضرت ابو حذیفہ)		ہجرت نبویؐ سے پہلے مہاجرین مدینہ

[1] عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۶۶۸، [2] مسلم [3] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸

نام	مقام	کیفیت
کے آزاد کردہ غلام،	مدینہ	کی امامت کرتے تھے،
ابن ام مکتومؓ	〃	مؤذن تھے اور آنحضرت صلعم کے مدینہ سے باہر تشریف لیجانے کے زمانہ میں امامت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے،
حضرت ابوبکرؓ،	〃	آنحضرت صلعم کے مرض الموت میں امامت کی خدمت انجام دی تھی،
عتبان بن مالکؓ،	بنی سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے،
معاذ بن جبلؓ،	بنی سلمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے،
ایک انصاریؓ،	مسجد قبا	〃
عمرو بن سلمہ،	بنی جرم	〃
اسید بن حضیرؓ	〃	〃
انس بن مالکؓ یا کوئی اور صحابی،	بنی نجار	〃
مالک بن حویرث،		〃
عتاب بن اسید	مکہ	〃
عثمان بن ابی العاصؓ،	طائف	〃
ابو زید انصاریؓ،	عمان	〃

مؤذنین | عام اذان کی خدمت کے لئے کوئی خاص شخص نہیں ہوتا تھا، تاہم چند بزرگ اس خدمت کے لئے مخصوص تھے

حضرت بلال	مدینہ منورہ	مسجد نبوی
ابن ام مکتوم،		
سعد القرظ[1]	عوالی مدینہ	مسجد قبا
ابو محذورہ جمحی	مکہ	مسجد حرام،

غرض آنحضرت صلعم نے دنیا سے سفر کرنے سے پیشتر خدائے واحد کی عبادت کے جملہ انتظامات مکمل فرمائے،

تاسیس حکومت الٰہی

آنحضرت صلعم کی بعثت کا حقیقی مقصد، دعوتِ توحید، اصلاحِ اخلاق اور تزکیہ نفوس تھا، اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے اور صرف اس حد تک جس حد تک مذکورہ بالا مقاصد کے حصول میں معاون اور قیام اس کے لئے ضروری تھے، اسلام دنیا میں شاہنشاہی قائم کرنے کے نہیں، بلکہ اسے مٹانے اور اس کے خرابہ پر خلافت الٰہی قائم کرنے کے لئے آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک دائمی شریعت اور ایک مکمل قانون لایا تھا، جو انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن تھا، اس قانون کے تحفظ نفاذ اور قیامِ اس کے لئے ایک نظام کی ضرورت تھی، اس لئے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے ساتھ ساتھ خلافت الٰہیہ کی بھی تشکیل ہوتی گئی، یہ کوئی شاہنشاہی نظام نہ تھا، بلکہ اسلام کی محدود ضروریات کے مطابق ایک سادہ اور مختصر نظامِ حکومت تھا، وقتاً فوقتاً جو ضروریات پیش آتی جاتی تھیں ان کے مطابق نظام بنتا جاتا تھا،

اگرچہ ذات اقدس جملہ مذہبی وانتظامی امور کا مرجع تھی لیکن تنہا ایک ذات عظیم الشان

---

[1] ان کے نام حدیث کی تمام کتابوں میں ہیں،

مذہبی ذمہ داریوں کے ساتھ انتظامی امور کی تکمیل نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے آپ نے مختلف شعبے
قائم کرکے انھیں اکابر صحابہ کرام کے متعلق فرمادیا تھا، [illegible] اسلام حکومت یہ تھا،

فوج اور امیر العسکری چونکہ اسلام جنگ وجدل کے لیے نہیں آیا تھا اس لئے اس کی کوئی باقاعدہ
اور منظم فوج بھی نہ تھی، لیکن حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وقت ہر مسلمان مجاہد تھا، اور ابو بکر صدیقؓ
سے لے کر ایک معمولی غلام تک میدان جہاد میں سربکف نظر آتا تھا، بڑے بڑے معرکوں میں
آنحضرت صلعم بنفس نفیس قیادت فرماتے تھے، بدر، احد، خیبر اور فتح مکہ وغیرہ میں آپ ہی امیر العسکر
تھے کہ ان معرکوں کا مقصد خونریزی اور فتح نہ تھا، بلکہ فوج کی اخلاقی و روحانی نگرانی اور اصول
وآئینِ جنگ کی تاسیس بھی تھا، مجاہدین اسلام کی جن جزئی بے اعتدالیوں پر آپ نے گرفت فرمائی
اس کی تصریح غزوات کے حالات میں موجود ہے لیکن چھوٹے چھوٹے سرایا میں کبار صحابہ
امیر العسکر ہوتے تھے جن کے حالات اوپر گذر چکے ہیں،

افتا افتا کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے، لیکن بعض صاحب علم صحابہ بھی اس خدمت
کو بجالاتے تھے،

مقدمات کا فیصلہ مدینہ اور حوالی مدینہ کے قضیے آپ خود فیصل فرماتے تھے، لیکن دور دراز مقامات پر وہ
صاحبِ علم صحابہ جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے اس خدمت کو انجام دیتے تھے، حضرت علیؓ اور حضرت
معاذ بن جبلؓ کو آپ نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا تھا، [illegible] گئے،

کاتب آپ دعوت اسلام کے خطوط بھیجتے تھے، قبائل و اقوام سے تحریری معاہدے ہوتے
تھے مسلمان قبائل اور عمال و محصلین کو احکام و ہدایات بھیجتے تھے، اس لئے کتابت کا شعبہ
نہایت ضروری تھا، اس کا کوئی باضابطہ محکمہ نہ تھا لیکن بہت سے صحابہ اس خدمت کو انجام
دیتے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ انصاری اور آخر میں امیر معاویہ کاتبِ وحی تھے،

احتساب یعنی قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شرا، اور معاملات داد و ستد کی نگرانی کا باقاعدہ محکمہ عہد نبوی میں نہ تھا، لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ میں پڑگئی تھی، آپ بہ نفس نفیس ان امور کی نگرانی فرماتے تھے، لوگوں کو جزئیات اخلاق کی تعلیم دیتے تھے، اور اس قسم کی فروگذاشتوں پر مواخذہ فرماتے تھے، تجارت میں آپ نے بہت سی اصلاحات جاری کیں، اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرایا، جو لوگ تخمینہ سے غلہ خریدتے تھے، ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ دیں[1]،

کبھی کبھی تحقیقات کے لئے خود بازار تشریف لیجاتے تھے، ایک بار آپ بازار سے گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا، اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو تری محسوس ہوئی دکاندار سے پوچھا، اس نے جواب دیا بارش سے بھیگ گیا ہے، فرمایا تو اس کو اوپر کیوں نہیں کر دیا کہ ہر شخص کو نظر آتا، جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں[2]،

عمال کا جائزہ فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض عمال کا احتساب ہے، چنانچہ جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ جائزہ لیتے تھے کہ انھوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی ابن اللتبیہ کا جو صدقہ وصول کر کے لائے تھے جائزہ لیا، انھوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے، اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے، آپ نے فرمایا "گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا" اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی[3]۔

حکام اور ولاۃ مقدمات کے فیصلہ، اقامت عدل اور قیام امن کے لئے مختلف مقامات پر حکام و ولاۃ مقرر فرمائے، ان حکام اور ان کے مقاموں کے نام یہ ہیں،

باذان بن ساسان	بہرام گور کے خاندان سے تھے، سلاطین عجم میں سب سے پہلے

[1] بخاری کتاب البیوع [2] صحیح مسلم کتاب الایمان [3] بخاری کتاب الاحکام،

	مشرف باسلام ہوئے، آنحضرت صلعم نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا،
شہر بن باذانؓ،	باذان بن ساسان کے بعد صنعاء کے والی مقرر ہوئے، شہر بن باذان مارے گئے تو ان کی جگہ والی مقرر ہوئے،
خالد بن سعیدؓ بن العاص،	
مہاجر بن ابی امیہؓ مخزومی،	آپ نے ان کو کندہ اور صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ آپ کا انتقال ہوگیا،
زیاد بن لبیدؓ انصاری،	والی حضرموت،
معاذؓ بن جبل،	والی جند،
عمروؓ بن حزم،	والی نجران،
یزیدؓ بن ابی سفیان،	والی تیماء،
عتاب بن اُسیدؓ،	والی مکہ،
علیؓ بن ابی طالب،	متولی اخماس یمن،
عمروؓ بن العاص،	والی عمان،
علاءؓ حضرمی،	والی بحرین،

محصلین اگرچہ مسلمانوں کا جوش ایمان ہر قبیلہ کو اپنے صدقات و زکوٰۃ خود لاکر دینے پر آمادہ کر دیتا تھا، لیکن ایک وسیع ملک کے محاصل کی تحصیل کے لئے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت تھی، اس ضرورت کے لئے آنحضرت صلعم نے ہر قبیلہ میں صدقہ اور زکوٰۃ کے محصل مقرر فرمائے، عموماً ہر قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد ہوتا تھا، ان کے نام یہ ہیں،

نام محصل	مقام	نام محصل	مقام
عدی بن حاتم	طے و بنی اسد	ابوجہم بن حذیفہ	بولیث
صفوان بن صفوان	بنی عمرو	ایک بدیمی،	بنی ہذیل
مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ	عمر فاروق	مدینہ
بریدہ بن حصیب اسلمی	غفار و اسلم	عبیدہ بن الجراح	نجران
عباد بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ	عبداللہ بن رواحہ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جہنی	جہینہ	زیاد بن لبید	حضرموت
زبرقان بن بدر	بنو سعد	ابوموسیٰ اشعری	صوبہ یمن
قیس بن عاصم	"	خالد بن ولید	"
عمرو بن العاص،	بنو فزارہ	ابان بن سعید،	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابی	بنو کلاب	عمرو بن سعید بن العاص	تیمار
بسر بن سفیان الکعبی	بنو کعب	محمیہ بن جزء	تحصیل خمس،
عبداللہ بن اللتبیہ،	بنو ذبیان،	عیینہ بن حصن فزاری،	بنو تمیم،

یہ محصلین قوانین صدقات و زکوٰۃ کے عالم ہوتے تھے انکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جسمیں یہ تصریح بتادیا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے چھانٹ کر مال لینے اور حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی،

محاصل کے اقسام اور اُس کے مصارف عہد نبوی میں محاصل کی پانچ قسمیں تھیں، غنیمت، فے، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج

غنیمت یعنی جو مال دشمنوں سے فتح کے موقع پر ملتا تھا یہ کوئی مستقل آمدنی نہ تھی، اس کو قرآن نے خدا کی ملک قرار دیا ہے اور اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام

سے حکومت کے مصالح اور اغراض کے لئے مخصوص کر دیا ہے یعنی یہ سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ امام وقت مصالح کی بنا پر جس مصرف میں چاہے اس کو صرف کر سکتا ہے، لیکن ایک دو موقع کے علاوہ رسول اللہ صلعم خمس نکالنے کے بعد کل مال غنیمت مجاہدین میں برابر برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سوار سپاہیوں کو تین حصے ملتے تھے، اور پیدل کو ایک بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار کو دو ملتے تھے[۱] خمس کا مال بھی عموماً آپ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور غریب الدیار مسافرین میں تقسیم فرما دیتے تھے،

زکوٰۃ، صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور چار مدوں سے وصول ہوتی تھی، نقد روپیہ پھل[۱] اور پیداوار[۱]، مویشی[۱] (باستثنائے گھوڑے) اسباب و سامان تجارت[۲]، دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی، پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے پیداوار کا پانچ وسق سے زیادہ ہونا ضروری تھا، مویشیوں کی زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد کے لحاظ سے ہے، پیداوار میں جو بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے، اس میں دسواں حصہ ہے اور جو آبپاشی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس میں بیسواں حصہ[۳]،

زکوٰۃ کے مصرف کی تعیین خود قرآن نے کر دی ہے، فقراء، مساکین، نومسلم وہ غلام جس کو آزاد کرانا ہو، مقروض، مسافر، محصلین زکوٰۃ کی تنخواہیں،

جزیہ، غیر مسلم رعایا سے اُن کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا، اسکی تعداد متعین نہ تھی، آنحضرت صلعم نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتیں اس سے بری اور اس میں داخل نہ تھے،

---

[۱] ابو داؤد حکم ارض خیبر، [۲] ایضاً کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ [۳] ترمذی کتاب الزکوٰۃ و بخاری ج اول ص ۲۰۱،

خراج غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جس قدر حصہ باہمی مفاہمت سے طے ہو جائے، خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیما، وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا

جزیہ اور خراج کی آمد نی سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی جو کچھ وصول ہو کر آتا تھا، آنحضرت صلعم اسی وقت مجاہدین میں تقسیم فرما دیتے ان سب کے نام درج رجسٹر تھے، اہل وعیال والوں کو دو حصے ملتے تھے اور مجرد کو ایک۔

شریعت کی تاسیس و تکمیل تمام مذاہب عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تنہا دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اپنے پیروؤں کے تزکیۂ اخلاق، اور ان کی اخروی فلاح کے ساتھ ان کے جملہ دنیاوی ضروریات کا بھی کفیل ہے، اس لئے وہ اپنے ساتھ ایسا مکمل قانون لایا جو مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ان کی دنیاوی اور مادی زندگی کے تمام شعبوں پر بھی حاوی ہے، اور امت مسلمہ کے لئے دستور حیات بھی ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اسلام میں اصولی ضابطہ موجود ہے، اس قانون کو اسلامی اصطلاح میں شریعت کہتے ہیں اس قانون کی تاسیس کا آغاز بعثت نبوی سے ہوا اور اختتام آپ کی وفات پر یعنی کامل تئیس سال کی مدت میں حسب ضرورت بہ تدریج مکمل ہوتا رہا، اس کی چار شاخیں ہیں، عقائد، عبادات، معاملات اور عام اخلاق ان میں سے دو یعنی عقائد و عبادات خدا اور بندہ کے درمیانی تعلقات اور تزکیہ روح و اخلاق سے متعلق ہیں، اور دو یعنی معاملات اور اخلاق انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں، عقائد میں توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، اور حشر و نشر اور سزا و جزا پر ایمان، عبادات میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر عمل (حلال و حرام کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہیں،) معاملات، وراثت وصیت، وقف، نکاح و طلاق، حدود و تعزیرات، تجارت

اور لین دین وغیرہ، یعنی مسلمانوں کی دنیاوی معاشرتی زندگی سے متعلق ضوابط وقواعد، اخلاق، انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی فرائض،

کلام اللہ میں ان سب کے متعلق اصولی احکام موجود ہیں، رسول اللہ صلعم نے اپنے قول سے ان کے جزئیات کی تشریح فرما کر اور عملاً ان کو برت کر دکھایا، اور اپنی زندگی میں ایک جماعت نمونہ عمل بنادی، اسلامی شریعت خود ایک مستقل اور وسیع موضوع ہے، لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے یہ مذہب اسلام پر لکھنے والے کا کام ہے،

حجۃ الوداع

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا، خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آچکی، اسلام کے عقائد، اعمال اور شریعت کے اصول و فروع کی تکمیل ہو چکی، حکومت الٰہی کا قیام عمل میں آچکا، اور سارے عالم کی رہنمائی کے لئے ایک جماعت تیار ہو چکی، اس وقت یہ حکم نازل ہوا،

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ	جب خدا کی مدد آچکی اور تم نے دیکھ لیا کہ
النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ	لوگ خدا کے دین میں فوج درفوج داخل
اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ	ہو رہے ہیں تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھو اور
اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ؕ	استغفار کرو، خدا توبہ قبول کرنے والا ہے،

اسلئے آنحضرت صلعم کو یہ منشائے الٰہی معلوم ہو گیا کہ اب آپ کے کام ختم ہو چکے اور دنیا میں آپ کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی اس لئے آنحضرت صلعم نے جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لئے عموماً اسلام، اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصولوں کا اعلان کرنے کے لئے حج کا اعلان فرمایا، اس خبر کے پھیلتے ہی مسلمانوں کا ایک انبوہ

شرفِ ہمرکابی کے لئے امنڈ آیا اور ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ کو آپ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے، تمام ازواجِ مطہرات ساتھ تھیں، ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا، اس وقت انسانوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی، انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا، آنحضرت صلعم لبیک فرماتے تو عام مسلمانوں کی صدائے بازگشت سے دشت و جبل گونج اٹھتے تھے، مکہ کے قریب مقام سرف میں قیام فرمایا، دوسرے دن غسل کرکے مکہ میں داخل ہوئے کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا "اے خدا اس گھر کو اور زیادہ شرف و عزت دے"، پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا، پھر کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے سلطنت، ملک اور حمد ہے، وہ مارتا اور جلاتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے کوئی خدا نہیں، مگر وہ اکیلا، جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی"[۱]

پھر صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لے گئے اور طواف و سعی سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے عمرہ تمام کرکے احرام کھولنے کا حکم دیا، پنجشنبہ کے دن آٹھویں تاریخ منیٰ میں قیام فرمایا،

خطبۃ الوداع | نویں ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے، اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور و معروف خطبہ دیا، جو تاریخِ اسلام میں خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے، یہ پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے

---

[۱] ابوداؤد،

پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم مٹا دیئے گئے، چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا،

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں"[۱]

مخلوق الٰہی طبقات ومراتب کے اعتبار سے بٹی ہوئی تھی، غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے، شرفاء ادنیٰ طبقوں سے بالاتر مخلوق سمجھے جاتے تھے عامی، علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے مجاز نہ تھے، آپ نے یہ ساری حدیں توڑ کر انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کر دیا،

"لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے"[۲]

اسلام کے رشتہ نے انسانوں کو باہم بھائی بنا دیا،

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں[۳]

غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہیئے،

تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ،[۴]

عرب میں اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو قاتل ومقتول کے قبائل میں پشتہا پشت تک انتقام کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا، اور ایک ایک قتل کے بدلہ میں سیکڑوں برس تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھیں، آپ نے اس جاہلی حمیت کو مٹا دیا، اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون ہدر کیا،

---

[۱] ابوداؤد، [۲] ایضاً و مسلم [۳] مسند احمد بن حنبل، [۴] مستدرک حاکم ج اول ص ۹۳، [۵] ابن سعد،

جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے)

ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں[1]۔

سارے عرب میں نہایت وسیع سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا، سرمایہ دار غربا کا خون چوستے

تھے، ہر مقروض اپنے قرضخواہ کا غلام تھا آپ نے اس دام کا حلقہ اللہ جس کا صید زبوں تھی تار تار

الگ کر دیا، اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا[2] سود باطل کیا،،

جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان عباس بن مطلب

کا سود باطل کرتا ہوں[3]۔،

عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا، ان کی حیثیت ملک و جائداد سے زیادہ نہ تھی، ان کو حقوق میں

مساوات عطا ہوئی،

' عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے[4]۔،

عرب میں جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی، جسکو جو چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا

اور جس کا مال چاہتا تھا، چھین لیتا تھا، ان دونوں کی حرمت قائم کی گئی،

،تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے، جس طرح یہ دن اس مہینہ

میں اور اس شہر میں حرام ہے[5]۔،

پھر آپ نے امت کی رہنمائی کے لئے ہدایت ربانی کا مجموعہ امت کے سپرد کیا اور

تاکید فرمائی،

میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے،

---

[1] مسلم و ابوداؤد، [2] حضرت عباس سودی کاروبار کرتے تھے اور بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا، [3] مسلم و ابوداؤد، [4] ایضاً، [5] طبری و ابن ہشام، [6] بخاری و مسلم،

وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ[1]،

اس کے بعد چند اصولی احکام بیان فرمادئے،

"خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دیدیا اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے"

"لڑکا اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، زنا کار کے لئے پتھر ہے، اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے،

جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے،

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اسکی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں ہے، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کیجائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے،

یہ احکام بیان فرما کر مجمع سے سوال کیا،

"تم سے خدا میری نسبت پوچھے گا تو تم کیا جواب دو گے؟[3]"

صحابہ نے عرض کی "ہم کہیں گے آپنے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کردیا" آپنے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا،

"اے خدا تو گواہ رہنا اے خدا تو گواہ رہنا اے خدا تو گواہ رہنا[4]"

عین اس وقت جب آپ نبوت کے آخری فرائض ادا فرمارہے تھے، یہ آیت نازل ہوئی[5]

---

[1] صحاح، [2] یہ احکام حدیث اور سیرت کی مختلف کتابوں میں ہیں، [3] مسلم و ابوداؤد، [4] ایضاً

[5] بخاری و مسلم،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کا انتخاب کیا،

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے، اور کھڑے ہو کر قبلہ رو دیر تک دعا میں مصروف رہے، آفتاب ڈوبتے وقت یہاں سے روانہ ہوئے، مزدلفہ پہنچکر مغرب کی نماز ادا فرمائی، رات بھر آرام کر کے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے، مزدلفہ کی طرف کوچ فرمایا، راستہ میں سائلین حج کے مسائل پوچھتے جاتے تھے، آپ جواب دیتے تھے، اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے[لہ] جمرہ پہنچکر رمی جمار کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کی قومیں اسی سے برباد ہوئیں،"

اسی دوران میں یہ بھی فرمایا، [لہ]

"حج کے مسائل سیکھ لو میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے"

رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، حضرت بلال کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہ بن زید پیچھے بیٹھے ہوئے چادر سے سایہ کئے ہوئے تھے، آگے پیچھے دائیں بائیں ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا، ۲۳ سالہ فرائض نبوت اور جانکاہ محنت کے ثمرات و نتائج نگاہوں کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور برس رہا تھا، اب ایک نئی شریعت نئے نظام اور نئے عالم کا آغاز ہو رہا تھا، اس لئے ارشاد فرمایا،

لہ ابن ماجہ و نسائی، لہ مسلم و ابوداؤد،

ابتدا میں خدا نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کر پھر اسی نقطہ پر آگیا۔"[1]

ابراہیم خلیل اللہ کے طریقۂ عبادت حج میں عربوں نے اپنے اغراض کی بنا پر بہت سی ترمیمیں کر دی تھیں، حج کے مہینوں میں خونریزی حرام ہے، اس لئے جنگجو عرب جنگ کے جواز کے لئے مہینوں کو گھٹا بڑھا دیتے تھے، لیکن اب پھر حج اپنی اصلی شکل و صورت میں آرہا تھا، اس لئے آپ نے اعلان فرمایا،

"سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں، تین متواتر ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے،"[2]

دنیا میں عدل و انصاف اور امن و امان کا مدار تین چیزوں پر ہے، جان مال اور آبرو کی حفاظت آنحضرت صلعم ایک دن پہلے کے خطبہ میں اس کی حرمت کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن جنگجو اور خون آشام عربوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے، زیادہ تاکید کی ضرورت تھی، اس لئے دوبارہ آپ نے نہایت بلیغ انداز میں اس کا اعادہ فرمایا اور ان سے مخاطب ہو کر پوچھا،

"کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے" لوگوں نے عرض کیا، خدا اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے، آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا "کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے، پھر ارشاد ہوا، یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپ نے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا "کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے، پھر پوچھا یہ کونسا شہر ہے" لوگوں نے بدستور جواب دیا، آپ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا "کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟" لوگوں نے عرض کیا ہاں ٹھیک ہے،

---

[1] بروایت ابی بکرہ [2] ایضاً،

اس طریقۂ استفسار سے جب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پوری طرح جاگزین ہوگیا کہ آج کا دن، مہینہ اور شہر سب محترم ہے یعنی اس دن، اس مقام پر جنگ و خونریزی جائز نہیں تو فرمایا،

"تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے"[1]

قوموں کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن ان کی باہمی خانہ جنگی ہے، اس لئے مسلمانوں کی متحدہ قومیت کے دوام و ثبات کے لئے فرمایا،

"ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا"[2]

یہ ظلم عالمگیر تھا کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سارا خاندان مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اصلی مجرم کے فرار ہو جانے کی صورت میں باپ کے عوض میں بیٹے اور بیٹے کے بدلہ میں باپ سے مواخذہ کیا جاتا تھا، اس ظلم کی ان الفاظ میں بیخکنی فرمائی گئی،

"ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں"[3]

قبل از اسلام عرب کی پراگندگی اور بدنظمی کا ایک بڑا سبب ان کی خودسری تھی کہ ان کا ہر فرد اپنی جگہ اپنے کو حکمران سمجھتا تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری عار شمار کرتا تھا، چنانچہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لئے انہیں انقیاد و طاعت کی تعلیم دی،

"اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو"[4]

---

[1] روایت ابوبکرہ [2] ایضاً، [3] ابن ماجہ و ترمذی، [4] مسلم،

اس وقت سارا عرب اسلام کے نور سے معمور ہو چکا تھا، کفر و شرک کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا، تمام مخالف قوتیں پامال ہو چکی تھیں، اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا،

"ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں اسکی پرستش قیامت تک نہ کیجائے گی، البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کروگے اور وہ اس پر خوش ہوگا[1]"

خطبہ کے آخر میں ایک مرتبہ پھر اسلام کے فرائض یاد دلائے،

"اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ بھر کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے[2]"

خطبہ تمام کرنے کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا،

الا ھل بلغت	کیوں میں نے پیام خدا پہونچا دیا؟

سب نے جواب دیا، "ہاں" فرمایا،

اللھم اشھد،	اے خدا تو گواہ رہنا،

پھر لوگوں سے فرمایا،

فلیبلغ الشاھد الغائب،	جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں،

خطبہ کے اختتام کے بعد آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا[3]

اس خطبہ کے بعد بقیہ مناسکِ حج ادا فرمائے، ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ ہی میں قیام رہا، ۱۳ ذی الحجہ کو یہاں سے نکل کر وادیٔ محصب میں قیام فرمایا، پچھلے پہر کو اٹھ کر خانہ کعبہ تشریف

---

[1] ابن ماجہ و ترمذی، [2] مستدرک حاکم [3] صحیح مسلم،

لے گئے اور آخری طواف کر کے وہیں فجر کی نماز ادا کی نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا،
راستہ میں مقام خم غدیر میں صحابہ کے سامنے ایک مختصر سا خطبہ دیا،

"حمد وثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور
مجھے (موت) قبول کرنا پڑے، میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں
ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے
پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہیں میں اپنے اہلبیت کے بارہ میں تمکو خدا کو یاد دلاتا ہوں

وفات

جزیرۃ العرب سے کفر وشرک کے استیصال اسلام کی اشاعت، شریعت ومکارم اخلاق کی تکمیل، حجۃ الوداع میں تکمیل دین کے آخری فرائض سے سبکدوشی اور الیوم اکملت لکم دینکم کی تصدیق کے بعد آنحضرت صلعم کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا، اس کے بعد روح قدسی کو عالم جسمانی میں رہنے کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی، اس لئے حجۃ الوداع ہی میں آپ نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد عالم آب وگل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے، زیادہ وقت تسبیح وتہلیل میں بسر ہونے لگا،

شہدائے احد نے بڑی بے کسی سے جان دی تھی، اس کا آنحضرت صلعم کے دل پر بڑا اثر تھا، اس لئے مدینہ سے واپسی کے بعد ان سے رخصت ہونے کے لئے ان کی قبروں پر تشریف لے گئے، اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح ایک مرنے والا اپنے عزیزوں کو وداع کرتا ہے[1]،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز،

اس کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا جس میں فرمایا،

"میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں، اس کی وسعت تنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک مجھکو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے، مجھ کو اس کا خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت و خون نہ کرو اور اس طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں[۱]"

اوپر غزوات میں گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کو رومیوں نے شہید کر دیا تھا، آنحضرت صلعم نے آغاز علالت سے ایک دن پہلے ان کے لڑکے اسامہ کو حکم دیا کہ وہ فوج لیکر جائیں اور اپنے والد کے خون کا انتقام لیں،

۱۸ یا ۱۹ صفر سلہ کو آپ مسلمانوں کے گورغریبان جنۃ البقیع تشریف لے گئے وہاں سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہو گیا، بیماری کی حالت میں بھی آپ از راہ عدل باری باری سے ازواج مطہرات کے گھروں پر بسر فرماتے تھے، جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے یہاں مستقل قیام فرمایا،

جب تک چلنے کی طاقت رہی نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے، آخری نماز مغرب کی پڑھائی، بعض روایتوں میں ہے کہ ظہر کی، عشار کی نماز کے لئے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا، مگر مرض کی شدت و نقاہت سے ہر مرتبہ غش آگیا، اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہیں، آپ کی جگہ ان سے نہ کھڑا ہوا جائے گا، لیکن آپ نے دوبارہ حکم دیا، اسکے بعد کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھاتے رہے،[۲]

---

[۱] بخاری، [۲] بخاری باب الامامۃ و اس سعد وفات نبوی،

واقعہ قرطاس | وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا رسول اللہ کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے، اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا بعض کہتے تھے تعمیل ارشاد کیجائے، بعض حضرت عمرؓ کی تائید کرتے تھے، اس اختلاف پر جب شور و غل بڑھا تو لوگوں نے کہا آپ مرض کی شدت میں بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں، آپ سے پھر پوچھ لو، دوبارہ جب لوگوں نے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا مجھے میری حالت پر چھوڑ دو میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔[1]

[1] قرطاس کی روایت خفیف تغیر کے ساتھ بخاری اور مسلم کے مختلف ابواب میں ہے یہ واقعہ اہل سنت اور شیعوں کے درمیان بڑا معرکۃ الآراء بحث بن گیا ہے، شیعوں کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، جسے حضرت عمرؓ نے روک دیا، سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی مرض کی شدت تھی، دین مکمل ہو چکا تھا، شریعت کا کوئی حکم تعلیم کے لئے باقی نہ رہ گیا تھا خود قرآن نے الیوم اکملت لکم دینکم کی آیت سے تکمیل دین کی مہر کر دی تھی، ایسی حالت میں حضرت عمرؓ نے مرض کی شدت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا اگر کوئی ضروری اور دینی حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکنے سے نہ رک سکتے تھے، پھر اس کے بعد چار دن تک زندہ رہے، مرض میں اتنی تخفیف بھی ہوئی کہ آپ نے خطبہ دیا، اس میں آپ بیان فرما سکتے تھے یا زبانی لکھوا دیتے، یہ محض قیاس ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھانا چاہتے تھے، ممکن ہے آپ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے رہے ہوں، بخاری میں ایک روایت بھی ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکرؓ کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھانا چاہتے تھے، لیکن پھر اسے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا خدا اور اہل اسلام ابوبکرؓ کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے، پھر قرطاس کی روایت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں "دعونی

اس کے بعد آپ نے چند وصیتیں فرمائیں،

"کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپکے زمانہ میں کیا جاتا ہے، تیسری راوی کو یاد نہیں رہی"[1]

اس دن نماز ظہر کے وقت طبیعت کو کچھ سکون ہوا تو غسل فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے، مسجد تشریف لے گئے جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آپ کی آہٹ پاکر پیچھے ہٹے، آپ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی[2]

نماز کے بعد خطبہ دیا، یہ آپ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا،

"خدا نے اپنے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو انعامات ہیں ان کو، اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں

سب سے زیادہ میں جس کی دولت وصحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر ہیں، اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے، مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہاں تم سے پہلے قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں تم کو منع کرتا ہوں"[3]

اس کے بعد انصار کے متعلق جو اسلام کے قوتِ بازو تھے، فرمایا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) والذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ یعنی مجھے میری حالت پر چھوڑ دو جس مقام پر میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ کسی لامعلوم شخص کے جواب میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے لیکن پھر لکھانا مناسب نہ سمجھا، [1] بخاری باب وفات النبی صلعم ومسلم کتاب الوصیۃ، [2] بخاری ومسلم، [3] بخاری ومسلم مناقب ابی بکر ومسلم باب النہی عن بناء المسجد علی القبور،

ایُّھاالناس مین انصار کے بارہ میں تم کو وصیت کرتا ہون، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے
لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے، جس طرح کھانے میں نمک وہ اپنا حرف سے اپنا
فرض ادا کر چکے، اب تمھیں ان کا فرض ادا کرنا چاہئے، وہ میرے (جسم میں بمنزلہ) معدہ کے ہیں
جو تمھارے نفع و نقصان کا متولی (یعنی خلیفہ) ہو اس کو چاہیے کہ ان میں سے جو نیکو کار
ہون، ان کو قبول کرے، اور جن سے خطا سرزد ہو ان کو معاف کر دے[1]

اوپر اسامہ بن زیدؓ کو اُنکے والد کے خون کے انتقام کے لئے بھیجنے کا ذکر گذر چکا ہے، بعض لوگون کو (روایتون مین تصریح ہے کہ وہ منافق تھے) اسامہ کی سرداری پر اعتراض تھا کہ بڑے بوڑھون کو ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب کیون عطا ہوا، اس اعتراض کے متعلق فرمایا،

اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ کی سرداری پر بھی تم اعتراض
کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب
اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے[2]

اسلام کی شریعت کے تمام احکام منجانب اللہ ہین، آنحضرت صلعم کا صرف یہ کام تھا کہ اپنے قول و فعل سے بندوں تک ان کو پہنچا دین، دوسرے مذاہب کے پیرؤن نے اپنے پیغمبرون کو واضع قانون مان کر اور پیغمبری منصب کی تعیین مین افراط کر کے اس کا درجہ شرک بلکہ کفر تک پہنچا دیا، اس لئے مسلمانون کو اس غلطی سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا،

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کیجائے، مین نے وہی چیز حلال کی ہے جو
خدا نے اپنی کتاب مین حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے[3]،

سارے الہامی مذاہب مین انسان کی جزا و سزا اس کے ذاتی اعمال پر ہے بعض مذاہب

[1] بخاری مناقب انصار [2] بخاری مناقب زید بن حارثہ و بعث اسامہ [3] مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ بحوالہ ابن سعد وفات نبوی۔

کے پیروؤں نے غلطی سے اپنے پیغمبروں کے اعمال کو اپنے اعمال کا کفارہ سمجھ لیا مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے آپ نے فرمایا،

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے یہاں کیلئے کچھ کر لو میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا"[1]

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے، متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا، یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبروں بلکہ مقدس بزرگوں (سینٹ) کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں اتنا غلو کرتے تھے کہ اس کی سرحد شرک و بت پرستی تک پہنچ جاتی تھی، مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے عین بیماری کی شدت میں ارشاد ہوا،

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے پیغمبروں کی قبروں کو عبادتگاہ بنا لیا"[2]

جس قدر وصل حبیب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی، دنیا اور اس کے سامانوں سے علیحدگی اختیار فرماتے جاتے تھے، حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں ان کے متعلق دریافت فرمایا،

"عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو اس کی راہ میں خیرات کر دو"[3]

مرض کی حالت یکساں نہ تھی کبھی شدت ہو جاتی تھی، کبھی افاقہ نظر آتا تھا، وفات کے دن یعنی دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اتنا سکون ہوا کہ حجرۂ مبارک سے جو مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا پردہ ہٹا کر دیکھا لوگ نماز فجر میں مشغول تھے، یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر پردہ گرا دیا لیکن یہ [illegible] ہو رہا تھا دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا، پھر

---

[1] [illegible] باب استقبال القبلہ، ابن سعد [illegible]۔ [2] بخاری باب [illegible] مسلم باب النہی عن [illegible] مسند احمد بن حنبل ج ۶ [illegible]۔

غشی ہونے لگی، اس حالت میں یہ الفاظ فرمائے،

مع الذین انعم اللہ علیھم، ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام فرمایا

اللھم فی الرفیق الاعلیٰ، خداوندا بڑا رفیق ہے،

اسی حالت میں اپنے ہاتھ سے مسواک فرمائی سہ پہر کے وقت سانس اکھڑ گئی اور زبان مبارک سے نکلا

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم نماز اور غلام

پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی، اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرہ پر ملتے تھے، اسی دوران میں

ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا

بل الرفیق الاعلیٰ، اب کوئی اور نہیں بس وہی رفیق درکار ہے

یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی،[1]

حضرت ابوبکرؓ کا استقلال اس حادثۂ عظیم نے صحابہ اور مقربین خاص کو دیوانہ بنا دیا، حضرت عمرؓ کو فرط محبت و عقیدت میں آپ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا، اور وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچکر کہتے تھے، جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلعم نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دوں گا،

وفات کے دن صبح کو آپ کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ آپکی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھیں چلے گئے تھے، وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلعم کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد نبوی کے دروازہ پر وارفتگان محبت میں شور برپا تھا، آپ سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لیگئے اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، اور رو کر کہا،

"میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا کی قسم آپ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں،

---

[1] وفات کے حالات بخاری کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں،

وہ موت جو آپ کے لئے مقدر تھی آچکی اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی[1]

حجرہ سے نکل کر دیکھا تو حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر وفات نبوی کا انکار کر رہے تھے، یہ نازک وقت تھا، اگر محرم اسرار نبوت کی دینی بصیرت اس وقت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "بیٹھ جاؤ" لیکن انھوں نے وارفتگی میں کچھ نہ خیال کیا، تو آپ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کرکے یہ بصیرت آموز تقریر فرمائی،

"جو لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مرگئے، اور جو خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا"

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی،

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ،

محمد صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں،

یہ تقریر ایسی دلنشین تھی کہ وارفتہ محبت صحابہ کی نگاہوں سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے[2]

تجہیز و تکفین وفات کے دن شام ہو چکی تھی، تجہیز و تکفین اور قبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہ پا سکتے تھے، صحابہ علیحدہ بیخود و مبہوت ہو رہے تھے، اس لئے تجہیز و تکفین دوسرے دن شنبہ کو عمل میں آئی، غسل وغیرہ کی سعادت اعزہ خاص، حضرت علیؓ، فضل بن عباس، قثم بن عباس اسامہ بن زید کے حصہ میں آئی، حضرت ابو طلحہؓ نے قبر کھودی، اور باری باری سے مسلمانوں نے بلا امام نماز جنازہ پڑھی اور سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء کو کونین کی یہ دولت حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی پاک و مطہر زمین کے سپرد کی گئی،

متروکات شہنشاہ کونینؐ نے اپنے بعد جو میراث چھوڑی وہ یہ تھی، ام المومنین حضرت جویریہؓ کے

---

[1] بخاری باب الدخول علی المیت بعد الموت، [2] ایضاً

بھائی عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم نے انتقال کے وقت کچھ نہ چھوڑا، نہ درہم و دینار نہ غلام نہ لونڈی نہ اور کچھ صرف اپنا سپید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جسے عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے [1]

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری [2] بہرحال اگر کچھ چھوڑا تھا تو یہی چیزیں تھیں اور ان کے متعلق بھی ارشاد فرما چکے تھے "ہم انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے [3]"

عمرو بن حویرث کی روایت میں جس زمین کا تذکرہ ہے اس سے مراد، مدینہ، خیبر اور فدک کے چند باغ ہیں، اس لئے کہ آپ کے متروکات میں صرف یہی جائداد زمین تھی،

مدینہ کی جائداد میں ایک بنی نضیر کی جائداد تھی اور چند باغ تھے جو مخیرق نام ایک یہودی نے آپ کو وصیۃً ہبہ کئے تھے، لیکن صحیح بخاری کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ باغ اسی وقت مستحقین میں تقسیم فرما دیئے تھے [4]

خیبر اور فدک کا مسئلہ عہد صحابہ سے مسلمانوں میں مختلف فیہ چلا آتا ہے، ایک جماعت کے نزدیک یہ جائداد بطور تولیت کے آپ کے پاس تھی، دوسری جماعت اسے رسول اللہ صلعم کی ذاتی اور قابل میراث جائداد قرار دیتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ آپ کے چچا حضرت عباسؓ اور اکثر ازواج اسے بطور میراث کے تقسیم کرانا چاہتے تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے آنحضرت صلعم اپنی زندگی میں اسکی آمدنی جن مصارف میں صرف فرماتے تھے اس میں تغیر نہ ہوگا [5]

آپ نے اپنی زندگی ہی میں ان جائدادوں کی آمدنی کے مصارف متعین فرما دیئے تھے، بنو نضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لئے مخصوص تھی، فدک کی آمدنی مسافروں کیلئے

---

[1] بخاری کتاب الوصایا، [2] ابو داؤد [3] بخاری کتاب الوصایا و کتاب الفرائض [4] بخاری باب فرض الخمس و فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۸ [5] بخاری کتاب الفرائض،

وقف تھی، خیبر کی آمدنی کے دو حصے، عام مسلمانوں پر صرف فرماتے تھے، اور ایک حصہ ازواج مطہرات کے مصارف کے لئے عطا فرماتے تھے، جو بچ جاتا تھا وہ غریب مہاجرین پر صرف ہوتا تھا[۱]،

حضرت عمرؓ نے اپنے اخیر عہدِ خلافت مین حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد ان دونون کی تولیت مین دے دی تھی لیکن حضرت علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا، خیبر اور فدک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ مین رہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انھیں اہلبیت کو واپس کر دیا،

ازواج مطہرات رسول اللہ صلعم نے عالمِ شباب مین صرف ایک سن رسیدہ اور بیوہ خاتون پر قناعت فرمائی، پھر زوالِ شباب کے بعد مختلف مصالح کی بنا پر مختلف اوقات مین گیارہ شادیان کین،

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہوئی، یہ خاندان قریش کی ایک عالی نسب سالہ اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھین، طاہرہ ان کا لقب تھا، پانچوین پشت پر رسول اللہ صلعم سے ان کا نسب ملجاتا ہے، ان کے والد خویلد ایک معزز قریشی اور یہ خود بڑی صاحبِ ثروت تھین، اُن کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی، ان کے انتقال کے بعد عتیق ابن عائد کے ساتھ عقد ہوا، ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلعم کے عقد مین آئین اس وقت حضرت خدیجہؓ کا سن چالیس سال کا تھا، اور رسول اللہ صلعم کا پچیس سال کا، ایک کے سوا آنحضرت صلعم کی کل اولادین ان ہی کے بطن سے ہوئین، ان کی تفصیل آیندہ آئے گی، آنحضرت صلعم کو ان سے بڑی محبت تھی، ان کی زندگی بھر دوسرا نکاح نہین فرمایا، ہجرت مدینہ سے

---

[۱] ابو داؤد باب صفایا رسول اللہ صلعم،

کئی سال پہلے مکہ ہی میں ان کا انتقال ہوگیا تھا، گو ان کے بعد رسول اللہ صلعم نے متعدد شادیاں
کیں لیکن ان کی محبت کا نقش کبھی نہ مٹا،

حضرت سودہ بنت زمعہ

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آپ بہت پریشان اور غمگین رہتے تھے،
اس افسردگی خاطر کو دور کرنے کے لئے رسول اللہ صلعم نے حضرت سودہ سے نکاح فرمایا یہ
بھی بیوہ تھیں، ان کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا، آغاز دعوت اسلام میں دونوں میاں
بیوی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل ہوا،
حبشہ سے واپسی کے کچھ دنوں بعد سکران کا انتقال ہوگیا، ان کے انتقال کے بعد سودہ رض
رسول اللہ صلعم کی زوجیت میں آئیں، ان کے زمانہ وفات کے بارہ میں بڑا اختلاف ہے،
بروایت صحیح حضرت عمر رض کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی

حضرت عائشہ رض

حضرت ابوبکر صدیق رض کی صاحبزادی ہیں، سنہ ۱۰ بعثت میں آنحضرت صلعم نے
ان سے مکہ میں نکاح کیا، اس کے تین سال بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی، حضرت عائشہ رض بڑی ذہین
زیرک اور فہیم تھیں، رسول اللہ صلعم نے عورتوں کو دینی احکام و مسائل کی تعلیم دینے کے لئے
انہیں خاص طور سے اس کی تعلیم و تربیت دی، وہ نہ صرف امہات المومنین میں بلکہ بہت سے
صاحب علم صحابہ کے مقابلہ میں علم میں ممتاز تھیں، بڑے بڑے صحابہ مہمات مسائل میں ان کی
طرف رجوع کرتے تھے، انہوں نے ۹ سال آنحضرت صلعم کی رفاقت میں گذارے، سنہ ۵۷ھ میں
۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی،

حضرت حفصہ رض

یہ حضرت عمر رض کی صاحبزادی تھیں، یہ بھی بیوہ تھیں، ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ
کے ساتھ ہوئی تھی، خنیس غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے، اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکے،
ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم نے عقد فرمایا، ان کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی، سنہ ۴۵ھ

میں ان کا انتقال ہوا

ام المساکین حضرت زینب ان کا نام زینب تھا فقرا اور مساکین کو بہت کھانا کھلاتی تھیں اسلئے "ام المساکین" کنیت ہو گئی تھی ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش جنگ احد میں شہید ہوئے، ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ نے ان سے نکاح فرمایا لیکن اس شرف کے حصول کے دو ہی تین مہینوں کے بعد زینب انتقال کر گئیں، خود آنحضرت صلعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں انتقال کے وقت تیس سال کی عمر تھی

حضرت ام سلمہ ہند نام تھا ام سلمہ کنیت، ابو امیہ کی بیٹی تھیں، ان کی پہلی شادی ان کے چیرے اور آنحضرت صلعم کے رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کے ساتھ ہوئی تھی ان ہی کیساتھ آغاز اسلام میں اسلام لائیں اور ہجرت حبشہ کے شرف سے مشرف ہوئیں، عبداللہ بن عبدالاسد غزوۂ احد میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے سکمہ میں انتقال کر گئے، عبداللہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم کے عقد میں آئیں، آپ کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں انکے سنہ وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے، واقعۂ کربلا کے چند سال پہلے یا اسی سنہ میں انتقال کیا، اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی، علمی اعتبار سے حضرت عائشہؓ کے بعد ان ہی کا درجہ تھا

حضرت زینب آنحضرت صلعم کی پھوپھیری بہن تھیں، ان کی شادی خود رسول اللہ صلعم نے اپنے متبنی اور غلام حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ کر دی تھی لیکن دونوں میں نہ بن سکی اور طلاق ہو گئی، زید کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت صلعم نے نکاح فرمایا، یہ بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض اور حسین و جمیل تھیں، ان اوصاف کی بنا پر آنحضرت صلعم انھیں بہت محبوب رکھتے تھے، امہات المومنین میں یہی حضرت عائشہؓ کی ہمسر تھیں، آنحضرت صلعم کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا سنہ میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی،

حضرت جویریہؓ | یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، اُن کی پہلی شادی مسافع ابن صفوان سے ہوئی تھی، جو غزوۂ مریسیع مین مسلمانون کے ہاتھون قتل ہوا، اس غزوہ مین بہت سے لونڈی غلام گرفتار ہوے، ان ہی مین جویریہ بھی تھین، یہ ثابت بن انصاری کے حصہ مین پڑین ذی وجاہت خاندان کی خاتون تھیں، اس لئے غلامی کو غیرت نے گوارا نہ کیا، ۱۹ وقیہ سونے پر ثابت سے رہائی کی شرط قرار پائی، لیکن پاس کچھ نہ تھا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر اپنی گذشتہ عظمت اور موجودہ نکبت بیان کر کے مدد کی طالب ہوئین، آپنے انکی رضا سے ثابت کی رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی، اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانون نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کر دیئے، ۵۰ھ مین ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا،

حضرت ام حبیبہؓ | اصل نام رملہ ہے، ام حبیبہؓ کنیت لیکن کنیت کی شہرت نے نام کی جگہ لے لی، یہ بھی خاندان قریش سے تھین، اپنے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ آغاز اسلام مین مشرف باسلام ہوئین اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی دوسری ہجرت مین حبشہ گئین، حبشہ مین ان کے شوہر نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہین، اس لئے عبید اللہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی، آنحضرت صلعم کو یہ واقعات معلوم ہوے تو آپنے نجاشی شاہِ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیام بھیجا، انھون نے قبول کر لیا، اور ان کی جانب سے خالد بن سعید اموی اور آنحضرت صلعم کی جانب سے نجاشی کی وکالت مین چارسو دینار پر عقد ہوا، نجاشی نے رسول اللہ صلعم کی جانب سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین مدینہ بھیج دیا، انھون نے ۴۴ھ میں وفات پائی،

حضرت میمونہؓ ان کے والد کا نام حارث تھا، ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو الثقفی کے ساتھ ہوئی تھی، اس نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد ابو رہم بن عبد العزی نے نکاح کیا، ان کا انتقال ہو گیا، تو ان کے بعد رسول اللہ صلعم کے عقد میں آئیں، ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، بہ روایت صحیح ۵۱ھ میں مقام سرف میں انتقال کیا،

حضرت صفیہؓ اصل نام زینب ہے، یہ امام وقت کے پانچویں حصے (خمس) میں پڑی تھیں جسے "صفی" کہتے ہیں، اس لئے صفیہ کہلائی گئیں، نسلاً اور مذہباً یہودیہ تھیں، ان کے ننہال اور ددھیال دونوں میں سرداری تھی، ان کا باپ حیی بن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا رئیس تھا، اور ان کی ماں بنی قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھیں، ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی، اس نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے نکاح کیا، کنانہ جنگ خیبر میں مارا گیا، صفیہ کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں کام آئے اور وہ خود گرفتار ہوئیں، حضرت دحیہ کلبیؓ نے انکو اپنے لئے منتخب کیا، بعض صحابہ نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ آپ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی رئیسہ کو دحیہ کو دیدیا، وہ تو صرف آپ کے لائق ہیں، ان کے کہنے پر ایک رئیسہ کی عزت قائم رکھنے کے لئے حضرت دحیہؓ کو دوسری لونڈی دیدی اور صفیہ کو ازدواج سے عزت بخشی، آنحضرت صلعم ان کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے، حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ جنھیں ازواج مطہرات میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی کبھی کبھی حضرت صفیہؓ پر طعن و طنز کرتی تھیں، رسول اللہ صلعم ان کی دلجوئی فرماتے تھے،

اولاد امجاد آنحضرت صلعم کی اولاد امجاد کی تعداد کے بارہ میں بڑا اختلاف ہے، مختلف روایتوں سے ان کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے، لیکن متفق علیہ بیان یہ ہے کہ چھ اولادیں تھیں، دو صاحبزادے قاسم اور ابراہیم اور چار صاحبزادیاں، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ

زہرا، بعض روایتوں مین دو اور صاحبزادون طیب اور طاہر کا نام بھی ملتا ہے، ان مین حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے، باقی کل حضرت خدیجہؓ سے،

ان میں قاسم سب سے پہلی اولاد تھے، ان کی پیدایش نبوت سے گیارہ بارہ سال پیشتر ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی مین انتقال کر گئے، آنحضرت صلعم کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر تھی، سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم تھے، ۸ھ مین پیدا ہوئے، اور کل سوا دو مہینے زندہ رہے، ان کی موت کے دن اتفاق سے سورج گہن ہوا، لوگون میں مشہور ہو گیا کہ ابراہیم کی موت اس کا سبب ہے، رسول اللہ صلعم نے تردید فرمائی کہ چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہین، کسی کی موت سے ان مین گہن نہین لگتا،

صاحبزادیون میں زینب سب سے بڑی تھین، یہ قاسم کے بعد پیدا ہوئیں، ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص کے ساتھ ہوئی تھی، آنحضرت صلعم کی حیات ہی مین ۸ھ مین انتقال کیا، ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ یادگار چھوڑی، آنحضرت صلعم امامہ سے بڑی محبت فرماتے تھے، نماز کی حالت میں بھی ان کو جدا نہ کرتے تھے،

زینب سے چھوٹی رقیہ تھین، ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی تھی، ظہور اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری مین عتبہ سے طلاق دلوادی، طلاق کے بعد حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی، ان کا انتقال بھی آنحضرت صلعم کی زندگی مین غزوۂ بدر کے زمانہ میں ہوا ان ہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بدر مین شریک نہ ہو سکے تھے،

رقیہ سے چھوٹی ام کلثوم تھین، ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ کے ساتھ ہوئی، انھین بھی ابولہب نے طلاق دلوادی تھی، حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم

نے ان کی شادی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کردی، شادی کے چھ سال بعد تک زندہ رہیں
۹ھ میں انتقال کیا،

سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ تھیں، ان کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا
چونکہ لڑکیوں میں یہ سب سے چھوٹی تھیں اور ان کے علاوہ سب اولادیں آنحضرت صلعم
کی زندگی میں، انتقال کر گئی تھیں، اس لئے آپ انکو بہت محبوب رکھتے تھے، حضرت علیؓ
نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح کرنا چاہا تو آپ نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ "میری
لڑکی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچیگا، مجھے بھی اس سے اذیت ہوگی" آپ کی
ناراضی دیکھ کر حضرت علیؓ نے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا، اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی بھر
دوسری شادی نہیں کی، آنحضرت صلعم کے وصال کے چھ مہینہ بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا
ان کے پانچ اولادیں تھیں، حضرت حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ، محسنؓ کا انتقال بچپن
میں ہو گیا تھا،

اخلاق نبوی | جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کے لحاظ سے دوسرے مذاہب میں ممتاز ہے
اسی طرح اس کے پیغمبر کو ان تعلیمات کے نمونۂ عمل کے لحاظ سے دوسرے انبیاء و رسل پر
امتیاز حاصل ہے،

محمد رسول اللہ صلعم کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کو مکارم اخلاق کے عملی نمونہ کی حیثیت سے
نہیں پیش کیا جاسکتا، آپ نے دنیا کو حسن مکارم اخلاق کا سبق دیا، آپ کی زندگی اس کی
عملی تعبیر تھی، خود قرآن نے آپ کے اخلاق کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے،

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ، — اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو،

آپ کی ذات گرامی مکارم اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی،

رقتِ قلب، زہد و ورع، عفت و عصمت، حسن معاملہ، حسن خلق، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار و قربانی محبت و رحمت، زہد و قناعت، صداقت و امانت، تواضع و مساوات، ضبط و حلم عفو و درگذر، حسن سلوک، دشمنوں، کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، عیادت و تعزیت، مہمان نوازی سادگی و بے تکلفی، مسکینوں اور محتاجوں کی دلجوئی، صبر و شکر، شرم و حیا، عزم و استقلال، شجاعت و شہامت، گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، ہدیہ دینا اور قبول کر لینا، تعظیم و بیجا مداحی کی ناپسندیدگی، دوسروں کی حاجت روائی وغیرہ،

غرض ذاتِ گرامی شرافتِ انسانی کے جملہ اوصاف و کمالات کی جامع تھی، ان کے واقعات سے حدیث کی کتابیں معمور ہیں،

اسلام کی تعلیمات کا اثر اسلام کی اصولی تعلیمات حسنہ اسلام کی تاسیس و تکمیل اور حجۃ الوداع میں گذر چکی ہیں، ان کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں، ان تعلیمات اور رسول اللہ صلعم کے عملی نمونہ نے چوتھائی صدی کے اندر اندر وحشی عربوں کی کایاپلٹ دی، جس کا ثبوت آئندہ صفحات میں ملیگا،

ظہور اسلام سے پہلے عرب کی خصوصاً اور سارے عالم کی عموماً جو اخلاقی اور مذہبی حالت تھی، اس کی ناتمام تصویر اوپر دکھائی جا چکی ہے، لیکن تھوڑے ہی مدت میں وہی عرب دنیا کے معلمِ اخلاق بنگئے اور پھر ان کے اثر سے یہ روشنی سارے عالم میں پھیلی، آج دنیا میں جہاں کہیں بھی توحید کی کرن نظر آتی ہے، وہ اسلام ہی کے آفتابِ عالمتاب کا پرتو ہے،

حضرت ابوبکر صدّیق رضؔ

سنہ ۱۲ ہجری مطابق سنہ ۶۳۳ء

تا سنہ ۱۳ھ مطابق سنہ ۶۳۴ء

مختصر حالات | آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپکے قدیم رفیق اسلام کے سب سے بڑے جان نثار، محرم اسرار سوت ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدّیقؓ آپکے جانشین منتخب ہوئے،

آپ کا نام عبداللہ کنیت ابوبکر اور صدیق عتیق لقب تھے، والد کا نام قحافہ تھا، آپ قریش کی شاخ بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے، چھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرت صلعم سے مل جاتا ہے آپکا گھر زمانۂ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا، قریش کے نظام سیاسی مین خونبہا کے مال کی امانتداری کا عہدہ آپ ہی کے گھر مین تھا، اسلام سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا شغل تجارت تھا، آپ ابتدا ہی سے بڑے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی آپکا دامن اخلاق عرب کے شائع عام مفاسد سے بالکل پاک رہا اور اسی زمانہ سے لوگون پر آپکے حسن خلق، راستبازی اور متانت وسنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور شرفاے مکہ مین آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے،

آپ تقریباً آنحضرت صلعم کے ہم عمر تھے، فطرت کی یکسانیت کی وجہ سے بچپن ہی سے دونون مین گہرے تعلقات و روابط پیدا ہو گئے تھے، ان روابط کی وجہ سے دونون ایک دوسرے کے اخلاق وسیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے جس وقت سب سے پہلی

مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابو بکرؓ نے بلا تامل و تشکک اس کی تصدیق کی[1]۔ اس صلہ میں آپ کو "صدیق" کا معزز لقب ملا، قبول اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت صلعم کے دست راست بن گئے، اور راہ خدا میں جان و مال اور عزت و آبرو سب نثار کر دی، اور میدان جاں نثاری میں کوئی دوسرا صحابی آپ سے بازی نہ لیجا سکا۔ بعض بعض مواقع پر گھر کا سارا اثاثہ خدا کی راہ میں دیدیا، آنحضرت صلعم نے پوچھا کچھ اہل و عیال کے لئے بھی چھوڑا ہے؟ عرض کیا ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے، آپ کی کوشش سے بڑے بڑے لوگ اسلام لائے، رسول اللہ صلعم پر ان کی ان قربانیوں کا اتنا اثر تھا، کہ آپ فرماتے تھے کہ جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابو بکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے[2]

چونکہ صحابہ کی جماعت میں حضرت ابو بکرؓ اسلام کے سب سے بڑے ادا شناس اور اسرار نبوی کے محرم تھے اس لئے وہ قدرۃً نیابت نبوی کے سب سے زیادہ اہل و مستحق تھے، چنانچہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں خاص خاص مواقع پر اس کا شرف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت صلعم کے مرض الموت میں جب آپ میں نقل و حرکت کی طاقت نہ رہی، اس وقت آپ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد نبوی کی امامت کا شرف آپ کو عطا فرمایا[3]۔ یہ درحقیقت آپ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا، لیکن چونکہ اسلام کا نظام جمہوری تھا، اور آپ اپنی جانب سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کر کے اس جمہوریت کو توڑنا نہ چاہتے تھے، اس لئے صراحۃً کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا، اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی صحبت اور آپ کی تعلیم نے آپ کے جانشینوں میں ایسی صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کر دی تھی کہ آپ کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا، اس لئے آپ نے آئندہ کے بارے میں بالکل سکوت فرمایا،

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت،

مدینہ میں منافقوں کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا، ہمیشہ سے موجود تھی، اور ہر موقع پر اپنی اسلام کی دشمنی کا ثبوت دیتی تھی،

---

[1] ترمذی مناقب ابی بکر، [2] بخاری باب فضائل ابی بکرؓ، [3] بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ

چونکہ رسول اللہ صلعم نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا، اس لئے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد اس جماعت کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ہی جبکہ جسد اطہر بھی آنکھوں سے نہاں نہ ہوا تھا، منافقین کی سازش سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا، اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر جانشینی کا دعویٰ کیا، یہ مسئلہ ایسے ناوقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی اور عجب نہیں کہ آنحضرت صلعم کے وصال کے ساتھ ہی اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا، لیکن حضرت ابوبکرؓ کو بروقت اس کی اطلاع ہو گئی آپ فوراً حضرت عمرؓ اور امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، یہاں دیکھا تو دوسرا گل کھلا ہوا تھا، انصار مدعی تھے کہ آنحضرت صلعم کی جانشینی میں انہیں بھی حصہ ملنا چاہئے اور قریش کے ساتھ ان کی جماعت کا بھی ایک امیر یا نائب الرسول ہونا چاہئے، لیکن ایک شخص کے دو جانشین ہونے کے نتائج بالکل ظاہر ہیں، اس لئے اس صورت کے قبول کرنے کے معنی خود اپنے ہاتھوں اسلامی نظام کا درہم برہم کرنا تھا، یہ ہو سکتا تھا کہ تنہا انصاریوں ہی کو یہ منصب ملجاتا لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ اولاً خود قریش پھر دوسرے عرب قبائل خاندان قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، پھر انصاریوں میں خود اوس و خزرج دو مقابل جماعتیں موجود تھیں ان میں سے جسے بھی یہ منصب دیا جاتا دوسرا اسے تسلیم نہ کرتا،

اس نازک موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور برمحل تقریر کی کہ "مجھے تم لوگوں کے فضائل و مناقب اور تمہاری خدمات اسلامی سے انکار نہیں لیکن عرب، قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے، پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرت صلعم کے ساتھ خاندانی تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں، یہ ابوعبیدہ اور عمر بن الخطاب موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھوں پر چاہو

بیعت کرلو، یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ آپ ہم سب میں بزرگ، ہم سب میں بہتر اور رسول اللہ صلعم کے سب سے مقرب ہیں، اس لئے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں[1]

حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت ہر جماعت میں ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کی بیعت کے ساتھ مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور حضرت ابوبکرؓ کی برمحل تقریر اور بیعت میں حضرت عمرؓ کی پیشقدمی سے ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے رہ گیا،

اس کے دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی، اور ربیع الاول ۱۱ھ میں حضرت ابوبکرؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے،

بیعتِ عام کے بعد آپ نے حسب ذیل تقریر فرمائی،

"لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو، اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق اس کو نہ دلادوں، اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کرلوں، یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل وخوار کردیتا ہے، اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے، اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں"[2]

حضرت علیؓ کی بیعت میں تاخیر کا سبب

بیعت عام کے بعد کچھ دنوں تک حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھ بعض اور صحابہ نے توقف کیا، اس توقف نے مسلمانوں میں عجیب بحثیں پیدا کردی ہیں، ممکن ہے

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۱۸، [2] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۲۹،

حضرت علیؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ اپنے گوناگون تعلقات کی وجہ سے خلافت کے متوقع رہے ہوں، لیکن یہ نہ صرف غلط بلکہ آپ کی ذات پر اتہام ہے، کہ خلافت نہ ملنے کے ملال میں آپ چھ مہینہ تک جمہور مسلمانوں سے الگ رہے، حضرت ابوبکرؓ کے استفسار پر آپنے خود اس توقف کا جو سبب بیان فرمایا، وہ یہ ہے،

"میں آپ کی امارت ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن نہ جمع کر لوں گا اس وقت نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھوں گا[1] حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد آپ نے بھی بیعت کر لی اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کا اعتراف فرمایا کہ آپ کو خدا نے جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہیں ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے، یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آپنے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں رسول اللہ صلعم کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں، رسول اللہ صلعم کے متروکہ جائداد میں میں نے آپکے طرزِ عمل سے سرِمو انحراف نہیں کیا ہے، اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونوں کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کے توقف بیعت پر آپ کی جانب سے عذر خواہی کی اور حضرت علیؓ نے سب کے سامنے آپ کے فضائل کا اعتراف فرمایا[2]

فتنۂ ارتداد و انقلاب کا آغاز

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا آغاز بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث کیسا تھ ہوا، لیکن آپنے اپنے تدبر، عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کر لیا، سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا، بہت سے قبائل نے آنحضرت صلعم کی زندگی

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱، [2] بخاری باب غزوۂ خیبر،

ہیں اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں وہ راسخ نہ ہوا تھا، اس لئے آپ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو گئے، دوسری جانب متعدد جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے، بہت سے قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، غرض حضرت ابوبکرؓ کے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی ہر طرف انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے، ان مشکلات کے ساتھ ساتھ موتہ کی مہم علیحدہ در پیش تھی، آنحضرت صلعم نے اپنے مرض الموت میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کے خون کا انتقام لینے کیلئے ان کے لڑکے اسامہ بن زید کی ماتحتی میں فوج بھیجنے کے لئے حکم دیا تھا، ابھی یہ مہم روانہ نہ ہوئی تھی[1] کہ آپ کا انتقال ہو گیا، اس حادثہ کے بعد جب عرب میں انقلاب کے آثار نمایاں ہوئے تو صحابہ نے مخالفت کی کہ ایسی حالت میں فوج کو مرکز خلافت سے دور بھیجنا مناسب نہیں ہے، اس مہم سے پہلے ان انقلابات کا تدارک ضروری ہے، مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا، اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مدینہ میں اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگیں نوچیں، تب بھی میں اس مہم کو جسے رسول اللہ صلعم نے روانگی کے لئے حکم دیا نہیں روک سکتا[2] غرض ان ہی حالات میں فوج روانہ کی اور خود پاپیادہ مدینہ کے باہر تک اُسے رخصت کرنے کے لئے نکلے، رخصت کرتے وقت ہدایت کی کہ خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی سے بچنا، مثلہ نہ کرنا، بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ہرے بھرے اور پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو بیکار ذبح نہ کرنا،[3] چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کر کے فاتحانہ مدینہ واپس آئی، حضرت ابوبکرؓ نے شہر سے نکل کر اس کا استقبال کیا،[4]

[1] بعض روایتوں کے مطابق روانہ ہو چکی تھی لیکن تھوڑی دور جا کر آنحضرت صلعم کے انتقال کی خبر سنکر رک گئی تھی [2] تاریخ الخلفاء ص ۷۱، [3] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۱، [4] طبری، ۱۸۵۰

بظاہر ایسے نازک وقت میں حضرت ابوبکرؓ کا فوج روانہ کرنا مصلحت اور تدبر کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا اثر نہایت اچھا پڑا اس سے ایک طرف بیرونی طاقتوں کے دلوں پر خوف بیٹھ گیا، دوسرے طرف انقلاب کرنے والوں کو اس کا یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کی قوت کافی ہے، ورنہ ایسے حالات میں جبکہ اندرونی قبائل میں بغاوت بپا ہے وہ بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اتنی بڑی فوج نہیں بھیج سکتے تھے،

مدعیان نبوت کا استیصال

آنحضرت صلعم کی زندگی ہی میں بعض مدعیان نبوت پیدا ہوگئے تھے مسیلمہ کذاب نے اسی زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن آپ کی زندگی میں یہ جھوٹی آواز صور صداقت کے سامنے نہ اُٹھ سکی تھی، آپ کی وفات کے بعد اور بہت سے حوصلہ مندوں کے دماغ میں یہ سودا سماگیا چنانچہ اسود عنسی طلیحہ بن خویلد کئی مدعیان نبوت پیدا ہوگئے، مرد تو مرد عورتیں تک اس خبط میں مبتلا ہوگئی تھیں چنانچہ قبیلہ تمیم کی ایک عورت سجاح بنت خویلد بھی نبوت کی دعویدار بن گئی تھی، اور مسیلمہ کذاب سے شادی کرلی تھی،

موتہ کی مہم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان جھوٹے نبیوں کے استیصال کی طرف توجہ فرمائی مسیلمہ کی مہم حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کے سپرد ہوئی، عکرمہ ان کی مدد پر مامور ہوئے، خالد بن ولید، طلیحہ بن خویلد کی طرف بڑھے طلیحہ اور اس کے متبعین کو قتل و گرفتار کرکے قیدیوں کو مدینہ روانہ کیا، طلیحہ شام بھاگ گیا، پھر تجدید اسلام کرکے مسلمان ہوگیا، ایک روایت یہ ہے کہ جنگ کی نوبت نہیں آئی، طلیحہ کے اتباع میں زیادہ تر قبیلہ طے تھا، اس کے سردار حضرت عدی بن حاتمؓ نے اسے دوبارہ مسلمان بنالیا، باقی دوسرے اتباع کو خالد بن ولیدؓ نے شکست دے کر قتل و گرفتار کیا، طلیحہ شام بھاگ گیا اور وہاں جاکر مسلمان ہوگیا، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور عکرمہ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں تھے، عکرمہ نے پیشقدمی کرکے شرحبیل سے

پہلے بھیجکر مسیلمہ کے اتباع ہی عکرمہ پر حملہ کردیا، لیکن انھیں شکست ہوئی، اس وقت حضرت خالدؓ بن ولید طلیحہ سے فارغ ہو چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے انھیں شرجیل کی مدد کے لئے بھیجا، مسیلمہ کے اتباع چالیس ہزار کی تعداد میں جمع تھے، حضرت خالدؓ بن ولیدؓ نے ایک خونریز جنگ کے بعد بنی حنیفہ کو نہایت فاش شکست دی، مسیلمہ وحشی بن حرب کے ہاتھوں مقتول ہوا، اسکی بیوی سجاح جو خود مدعیہ نبوت تھی شوہر کے مقتول ہونے کے بعد بھاگ گئی، اس جنگ میں بہت سے حفاظ قرآن صحابہ شہید ہوئے، تیسرے اسود عنسی کی جماعت میں خود اختلاف پیدا ہو گیا، اور وہ اپنے ایک ساتھی قیس بن مکشوح کے ہاتھوں نشہ کی حالت میں مارا گیا، غرض چند دنوں کے اندر تمام مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا[1]،

خودسر مرتد امراء کا استیصال مدعیان نبوت کے بعد ان مرتد سرداروں کی طرف توجہ کی جو رسول اللہ صلعم کی زندگی میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن آپکے بعد پھر مرتد ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ آزاد حکمران بن بیٹھے چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں، لقیط بن مالک نے عمان میں اور متعدد سرداران قبائل نے کندہ کے علاقہ میں مرتد ہو کر خودسری کا اعلان کر دیا، حضرت ابوبکرؓ نے علاء بن حضرمیؓ حذیفہ بن محصنؓ اور زیاد بن لبید کو علی الترتیب ان سرداروں کے مقابلہ کے لئے بھیجا، علاء نے نعمان کا استیصال کیا، حذیفہ نے لقیط کو قتل کیا، اور زیاد نے فرمانروایان کندہ کو زیر کر کے دوبارہ اسلام پر قائم کیا[1]،

منکرین زکوٰۃ کی تادیب ان سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ منکرین زکوٰۃ کا تھا، یہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے صرف زکوٰۃ کے منکر تھے، اس لئے ان پر تلوار اٹھانے کے بارہ میں بعض صحابہ کبار نے اختلاف کیا، اور کہا "جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ دینے کے منکر ہیں، ان پر کس طرح تلوار اٹھائی جا سکتی ہے" اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ اپنی دینی بصیرت اور عرفان شریعت سے

---

[1] یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں، ہم نے محض خلاصہ لکھا ہے،

فرمایا "خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ صلعم کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کرونگا[1]" آپ کے اصرار پر آخر میں حضرت عمرؓ کو آپ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا کہ اگر آج انھیں زکوٰۃ نہ دینے پر چھوڑ دیا جائے تو کل صوم وصلوٰۃ کے منکر ہو جائیں گے اور اسلام ایک خانہ ساز تماشہ رہیگا۔ غرض حضرت ابوبکرؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ تمام منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں، آپ کو اس معاملہ میں اتنا غلو تھا کہ بنی عبس وبنی ذبیان کے مقابلہ میں خود گئے، اور انھیں زیر کیا، آپ کی اس مستعدی اور استقامت سے چند دنوں میں تمام منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ ادا کردی، بعضوں نے خود مدینہ حاضر ہو کر بیت المال میں داخل کی، اس طرح صدیق اکبرؓ کی مذہبی بصیرت، اصابت رائے اور استقلال واستقامت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت صلعم کے بعد دفعتہً بپا ہو گئے تھے، دب گئے اور اسلام نے گویا دوبارہ زندگی پائی۔

فتوحات

ایران وروم کی مخالف حکومتیں

اندرونی انقلابات کے بعد عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بنا پر بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کرنی پڑی، اس زمانہ میں جزیرۃ العرب دو عظیم الشان مخالف سلطنتوں کے درمیان میں گھرا ہوا تھا، ایران میں ساسانی اور شام میں رومی دونوں حکومتیں عربوں کی پرانی دشمن تھیں اور ہمیشہ سے ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھیں، خصوصاً ایرانیوں نے کئی مرتبہ عرب کو زیر فرمان کرنے کی کوشش کی تھی اور ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سابور بن اردشیر نے حجاز اور یمن دونوں کو باجگذار بنا لیا تھا، سابور ذی الاکتاف

[1] بخاری ج اول ص ۱۸۸

ایک مرتبہ یمن و حجاز فتح کر کے مدینہ تک پہنچ گیا تھا یہ عربوں کا اتنا شدید دشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ میں جاتے تھے اس کے شانے اکھڑوا دیتا تھا، اس لئے عربوں میں وہ ذوالاکتاف یعنی شانے والے کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن عرب کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے نہ تھے جب انھیں موقعہ ملتا تھا، نہ صرف اُن سے گلو خلاصی حاصل کر لیتے تھے بلکہ ان کا ملک دبا بیٹھتے تھے، چنانچہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں، اسی سلسلہ کے ایک فرمانروا نے حیرہ کو دار السلطنت بنایا تھا، غرض عربوں اور ایرانیوں میں نہایت قدیم رقابت چلی آ رہی تھی، ایرانی عربوں کو نہایت تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۶ھ میں جب آنحضرت صلعم نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں خسرو پرویز شہنشاہ ایران کو خط لکھا تو وہ سخت غضبناک ہوا، نامہ مبارک چاک کر کے پھینک دیا اور کہا میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے، اور فوراً یمن کے عامل کے نام آنحضرت صلعم کی گرفتاری کا فرمان لکھا، پہلے یہ تحقیر کا جذبہ تھا اس کے بعد جب اسلام نے سارے عرب کو متحدہ طاقت بنا دیا، اس وقت ساسانی حکومت اسے خطرہ کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی،

ایران کی سیاسی حالت اس زمانہ میں اس کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی، خسرو پرویز تک نہایت قوی تھی، اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا شیرویہ تخت نشین ہوا، اس نے اپنے تمام بھائیوں کو قتل کرا دیا، یہ کل آٹھ مہینہ تخت پر رہا اس کے بعد اس کا صغیر السن لڑکا تخت پر بیٹھا، اسے ایک درباری افسر قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا، چند دنوں کے بعد دوسرے درباریوں نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا، ایک سال بعد یہ بھی مر گیا، اس وقت شاہی خاندان میں ایک صغیر السن بچہ یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، اس لئے

شاہی خاندان کی ایک عورت توران دخت کو اس شرط کے ساتھ تخت پر بٹھایا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائے گا،

عراق پر عرب قبائل کا حملہ

ان پیہم انقلابات و حوادث نے ایران کی گذشتہ عظمت و شان برباد کردی تھی، اور ایرانی سلطنت بہت کمزور ہوگئی تھی، اس وقت ایران کے ہمجوار ان عرب قبائل کو جو ہمیشہ سے ایرانیوں کے تختۂ مشق بنتے چلے آرہے تھے، بدلہ لینے کا موقع مل گیا، چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنی بن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت فراہم کرکے حیرہ اور ابلہ پر تاخت شروع کردی، گو ایران کی حکومت پر زوال طاری ہوچکا تھا تاہم اس گئی گذری ہوئی حالت میں بھی وہ عرب سرداروں کے بس کی نہ تھی، اس لئے مثنی نے مدینہ جاکر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے باقاعدہ عراق پر حملہ کی اجازت حاصل کی، مثنی خود مسلمان تھے لیکن ان کا قبیلہ عیسائی تھا، مدینہ سے واپس ہوکر انھوں نے سب سے پہلے اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا، اس کے بعد اسے لے کر عراق روانہ ہوئے

عراق پر فوجکشی اور فتوحات

اسوقت حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیانِ نبوت اور مرتدین کی مہم سے فراغت پاچکے تھے لیکن ابھی واپس نہ ہوئے تھے، مثنی کی درخواست پر حضرت ابوبکرؓ نے انھیں راستہ ہی سے ان کی مدد کے لئے عراق جانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ فوجیں لیے ہوئے سیدھے عراق روانہ ہوگئے، اور مثنی کو ساتھ لے کر بانقیا اور بارسوا کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ پہنچے، یہاں آکر انھوں نے عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو لکھا کہ یا اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو، ورنہ تم کو ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنی تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو" ہرمز نے یہ خط اردشیر کے پاس ایران بھجوادیا، اور خود خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ کے لئے نکلا، مقام کاظمہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، ایرانیوں نے اپنے پیروں کو زنجیروں

سے جکڑ لیا تھا تاکہ میدان سے منہ نہ موڑنے پائے، لیکن مسلمانون نے اس زنجیر آہن کے بھی ٹکڑے کر دیئے، ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور ہرمز مارا گیا،

دوسری طرف اردشیر نے ہرمز کا خط پاتے ہی قارن کی ماتحتی مین ایک فوج گران ہرمز کی مدد کے لئے روانہ کر دی تھی، اس کو مقام مدار مین ہرمز کی شکست کی خبر ملی، یہ خبر سنکر قارن یہین ٹھہر گیا، ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی مدار پہنچ گئی خالد کو اس کی خبر ملی تو وہ مدار پہنچے، دونون میں مقابلہ ہوا، ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی، ان کی تیس ہزار سپاہ کام آئی اور قارن، انوشجان اور قباذ تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے

اس شکست اور فوج کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو اردشیر کو نہایت سخت رنج ہوا، اس نے ایران کے ممتاز بہادر اندرزغر اور بہمن جادویہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا، یہ دونوں سپہ سالار ایرانی سپاہ کے علاوہ حیرہ اور کسکر کے تمام باشندون اور عیسائی عربون کو ساتھ لیتے ہوئے ولجہ میں آکر خیمہ زن ہوئے،

خالد بن ولید کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لئے بڑھے، ایرانیون کے لشکرگاہ کے قریب پہنچکر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب مین چھپا دی، اور خود آگے بڑھ کر صف آرا ہوئے، ایرانی پہلے سے تیار تھے، دونون مین نہایت خونریز جنگ ہوئی، جب ایرانی تھک گئے تو تازہ دم مسلمانون نے کمین گاہون سے نکل کر حملہ کر دیا، ایرانی اس حملہ کی تاب نہ لاسکے، اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے، مسلمانون نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا، اور بے شمار ایرانی مارے گئے، اندرزغر جان بچا کر بھاگ نکلا، لیکن کچھ دور آگے جا کر پیاس کی شدت سے مر گیا،

اس جنگ مین بہت سے عیسائی عرب بھی جنھون نے ایرانیون کا ساتھ دیا تھا مارے گئے تھے، اس لئے اس کے انتقام میں اور تمام عیسائی قبائل بہمن جاذویہ سے جو الیس مین پڑا ہوا تھا

حاکر مل گئے، کسکر کی فتح کے بعد خالد بن ولیدؓ الیس پہنچے اور ایرانیوں اور عربوں دونوں کو شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد دربدہ گرفتار کر کے قتل کرادی، الیس سے فراغت کے بعد امغیشیا پہنچے لیکن یہاں کے باشندے ان کا رخ دیکھ کر پہلے شہر خالی کر چکے تھے،

امغیشیا کے بعد خالدؓ فرات کے راستہ سے حیرہ کی طرف بڑھے حاکم حیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے آزادبہ کو مسلمانوں کے روکنے کے لئے آگے بھیج دیا تھا، اس نے فرات کا بند باندھ دیا تھا، اس لئے کچھ دور چل کر کشتیاں رک گئیں یہ صورت دیکھ کر مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے، فرات کے دہانہ پر آزادبہ کا مقابلہ ہوا، آزادبہ شکست کھا کر مارا گیا،

آزادبہ کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں نے فرات کا بند کھول کر حیرہ کا راستہ لیا، آزادبہ حیرہ چھوڑ کر آگے جا چکا تھا، اہل شہر نے دروازے بند کر لئے، اس لئے خالدؓ نے محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا، آخر میں اہل شہر نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ پر صلح کر لی، خالدؓ نے یہ عہد نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا کہ "اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے، ہم اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کرینگے اور اگر ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ رہیگی، اور اگر وہ بدعہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں"، مسلمانوں کی ان فتوحات اور خالدؓ کے حسن سلوک سے حیرہ کے قرب وجوار کے باشندوں نے بھی بیس ہزار درہم پر صلح کر لی اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا،

اس دوران میں اردشیر مر گیا تھا، اور ایران کے اندرونی اختلافات اور زیادہ بڑھ گئے تھے لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے پوری قوم متحد تھی، چنانچہ انھوں نے اپنے اندرونی اختلافات کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنایا، ایرانی فوجیں اس وقت شمالی عراق میں عین التمر سے لیکر انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں، جنوبی عراق کی تسخیر کے بعد خالد بن ولیدؓ اس کی حفاظت

کے لئے قعقاع بن عمرو کو چھوڑ کر اسار پہنچے، ایرانی فوجیں قلعہ بند تھیں، خالدؓ نے محاصرہ کر کے قلعہ پر حملہ شروع کر دیا، لیکن ایرانی حق کے اس پار سے تیر باری کر رہے تھے، اس لئے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، یہ صورت دیکھ کر خالد نے بھی تیر باری کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے تیر برسا کر ہزاروں آنکھیں بے کار کر دیں، اس سے ایرانی گھبرا گئے اور خالد نے خندق پٹوا کر فوجیں پار اتار دیں، ایرانی تیر باری سے پہلے ہی گھبرا چکے تھے، مسلمانوں کے خندق عبور کرنے کے بعد ان کے اوسان اور خطا ہو گئے اور انھوں نے سپر ڈال کر صلح کر لی۔

ایک طرف خالد نے اسار کا معرکہ سر کیا، دوسری طرف بہرام چوبیں کا لڑکا تارہ ہم فوجیں لے کر عین التمر پہنچ گیا، عربی قبائل میں، نمر، تغلب اور ایاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے اس لئے اسار کا معرکہ سر کرنے کے بعد خالد عین التمر پہنچے، بہرام چوبیں کا لڑکا متعصب تھا، اگرچہ عرب قبائل نے اس کا ساتھ دیا تھا، لیکن اس نے قومی عصبیت میں انھیں آگے کر دیا، بعض ایرانی اس پر معترض ہوئے تو جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے، اس لئے ان ہی کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے کٹنا چاہئے، مقام کرخ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، خالد نے عربوں کے سردار عقہ بن عقہ کو گرفتار کر لیا، اس کی گرفتاری کے بعد عربوں نے سپر ڈال دی، خالد نے ان کی بہت بڑی تعداد گرفتار کر لی اور ان کی قوم فروشی کی سزا میں انھیں قتل کر دیا، اس کے بعد ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے جو قلعہ میں محفوظ تھے پہنچے، انھوں نے نکل کر مدافعت کی، لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ میں گھس گئے، خالد نے بزور شمشیر قلعہ فتح کر لیا، اور معمولی خراج کے علاوہ اور مفتوحہ علاقہ پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔[1]

عراق و شام کی سرحد دومۃ الجندل میں عہد نبوی سے عربی عیسائی قبائل مسلمانوں کے

---

[1] یہ تمام واقعات طبری ابن اثیر ۱۲؁ و ۱۳؁ اور فتوح البلدان بلاذری فتوح عراق سے ملخصاً ماخوذ ہیں،

خلاف سازشین کیا کرتے تھے، غزوۂ تبوک اسی سلسلہ مین ہوا تھا، اور خالدؓ نے یہاں کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کرکے مطیع بھی بنایا تھا، سازشون کا یہ سلسلہ اب تک قائم تھا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اس کے تدارک کے لئے عیاض بن غنم کو مامور فرمایا، یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی، اس لئے انھون نے خالد بن ولید سے جو قریب ہی موجود تھے مدد مانگی، وہ فوراً مدد کو پہنچے، اکیدر بن عبدالملک کو ایک مرتبہ خالد کا تجربہ ہوچکا تھا، اس لئے اس نے دوسرے فرمانروا جودی وغیرہ کو جنگ سے روکا، مگر جودی نہ مانا، اکیدر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور عیاض اور خالد نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کرلیا، جودی نے مقابلہ کیا، اور شکست کھا کر مارا گیا، خالد نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کرلیا، بنی کلب کو ایک مسلمان عاصم نے امان دے دی، باقی قبائل قتل کر دیئے گئے،

ادھر خالدؓ دومۃ الجندل کی مہم میں مشغول تھے، دوسری طرف عراق مین عرب قبائل نے ایرانیون کو عراق واپس لینے کے لئے ابھارا، اور زرمہر اور روزبہ عربون کو ساتھ لیکر حصید اور خنافس کی طرف بڑھے، اس درمیان میں خالد بن ولید دومۃ الجندل کی مہم سے فراغت حاصل کرکے حیرہ پہنچ گئے، اور یہ صورت حال معلوم کرکے قعقاع اور ابولیلی کی مدد کے لئے جو ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے جانب خنافس جارہے تھے، جانب روانہ ہوگئے، عین التمر مین ان سے ملاقات ہوئی، یہان سے خالد نے قعقاع کو حصید اور ابولیلی کو خنافس بھیجا، قعقاع نے حصید پہنچکر زرمہر اور روزبہ کو شکست دے کر قتل کر دیا، باقی شکست خوردہ فوج خنافس چلی آئی، عین اس وقت جب ابولیلی یہان پہنچے تھے، انھین دیکھ کر ایرانی مصیخ کی طرف ہٹ گئے، خالدؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قعقاع، اور ابولیلی وغیرہ کو لیتے ہوئے مصیخ پہنچے اور شبخون مارکر ایرانیون کو نہایت فاش شکست دی،

دوسری طرف عرب سردار ربیعہ ابن بدیل اور ہدیل عرب قبائل کو لئے ہوئے ایرانیون کی مدد کے لئے ثنی اور بشر میں مقیم تھے، اس لئے مصیخ کے بعد خالد اور ان کے ہمراہیون نے ملکر ثنی اور بشر میں عربوں پر شبخون مارا ہدیل کے علاوہ باقی سب مقتول ہوئے اس کے بعد بشر کے عرب جتھوں کو صاف کرتے ہوئے، فراض کے ارادہ سے رضاب آئے،

فراض نہایت اہم مقام تھا، یہاں، شام عراق اور جزیرہ کی سرحدین ملتی تھین، اس لئے اپنی حفاظت کے لئے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ مل گئے، اور ان تینون کی متحدہ فوجین فراض مین جمع ہوئین، اس لئے خالد کو ان کے مقابلہ کے لئے خاص اہتمام کرنا پڑا، اور فراض پہنچکر ازسرنو فوجین مرتب کیں، ایک طرف ایرانی، عرب اور روم کی متحدہ طاقت تھی، دوسری طرف تنہا مسلمان، درمیان میں فرات حائل تھا، ایرانی، رومی اور عرب نشۂ نخوت میں فرات کو پار کرکے اس پار چلے آئے، لب ساحل فریقین کا مقابلہ ہوا، اگرچہ اس جنگ مین مسلمانون کے مقابلہ مین تین تین طاقتین تھیں، لیکن ان کے جوش جہاد اور سرفروشی نے تینوں کو نہایت فاش شکست دی، شکست خوردہ فوجون کے عقب مین دریا حائل تھا اور سامنے مسلمان تھے، اس لئے انھیں بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور قریب قریب کل فوجیں برباد ہوگئین، اس اہم معرکہ کے بعد خالد بن ولید جنگ ملتوی کرکے مثنی کو عراق چھوڑ کر حج کو چلے گئے، وہان سے واپس ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے شام کی مہم پر جہان عرصہ سے جنگ چھڑی ہوئی تھی بھیجدیا، اس لئے سردست عراق کی مہم رک گئی،

عرب اور رومیوں کے تعلقات

شام پر عربون کی فوجکشی کا سبب یہ تھا کہ ان کی دوسری ہمسایہ حکومت رومیون کی تھی، رومیون کی مرکزی حکومت قسطنطیہ مین تھی، عرب کے پڑوس شام مین ہرقل رومیون کے ماتحت حکومت کرتا تھا، یہ حکومت گو ایرانیون کی طرح

عربوں کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی لیکن دونون قومون مین قدیم رقابت چلی آرہی تھی، چنانچہ زمانۂ جاہلیت مین حبشہ کے عیسائیون نے رومیون ہی کے اشارہ سے عربون کی مرکزیت توڑنے کے لئے کعبۂ یمانی بنایا تھا، ظہور اسلام کے بعد شام کے رومی مسلمانون کے سخت دشمن ہوگئے تھے، چنانچہ ۶ھ مین انھون نے آنحضرت صلعم کے ایک سفیر حضرت دحیہ کلبیؓ کو جو قیصر کے پاس اسلام کا دعوت نامہ لے کر گئے تھے لوٹ لیا تھا، اور دوسرے سفیر حارث ابن عمرو کو شرجیل حاکم بصریٰ نے جس کے پاس وہ خط لے گئے تھے قتل کر دیا تھا، اسی کے انتقام مین غزوۂ موتہ ہوا تھا، پھر ۹ھ مین رومیون نے مدینہ پر حملہ کی تیاریان کین اور آنحضرت صلعم کو ان کی مدافعت کے لئے نکلنا پڑا لیکن جنگ کی نوبت نہین آئی، آنحضرت صلعم کی وفات تک ہر وقت رومیون کے حملہ کا خطرہ لگا رہتا تھا، اسی خطرہ کے انسداد اور شہدائے موتہ کے انتقام کے لئے رسول اللہ صلعم مرض الموت مین اسامہ بن زیدؓ کو شام بھیجنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ آپ کا وصال ہوگیا، اور حضرت ابوبکرؓ نے اسکی تکمیل کی غرض[1] ظہور اسلام کے بعد سے مسلمانون اور شامی رومیوں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہوگئے تھے، اور مدینہ پر ان کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا،

شام پر فوجکشی اور فتوحات

ان اسباب کی بنا پر رومیون کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے لئے ان سے ایک مرتبہ کھل کر نپٹنا ضروری تھا، اس لئے ۱۳ھ مین حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہ کے مشورہ سے شام پر فوجکشی کا فیصلہ کیا، اور شام کے ہر ہر حصہ پر علحدہ علحدہ فوجین روانہ کین، دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیانؓ مامور ہوئے حمص پر ابوعبیدہ بن جراحؓ، اُردن پر شرحبیل بن حسنہ اور فلسطین پر عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ ان سب

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۳۰

کے سپہ سالار اعظم مقربنوئی۔ ان فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی،

مسلمانوں کی فوجکشی کے وقت ہرقل والی شام حمص میں تھا، اس کو مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر ہوئی تو اس نے تمام مسلمان افسروں کے مقابلہ کے لئے علٰحدہ علٰحدہ فوجیں روانہ کیں، تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہوسکیں، چنانچہ جس وقت مسلمانوں نے شام کی سرحد میں قدم رکھا، اس وقت انھیں قدم قدم پر رومی جتھوں کا سامنا ہوا ان کی کثرت کا اندازہ کرکے مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی اور دارالخلافہ سے مزید فوجیں مدد کیلئے طلب کیں، اس وقت مدینہ میں فوج موجود نہ تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو جو عراق میں تھے حکم دیا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰ کے ہاتھوں میں چھوڑ کر شام چلے جائیں، اس حکم پر وہ فوراً شام روانہ ہوگئے اور راستہ میں، عدرد ار اشوی، قصم اور مرج راہط وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے، سرزمین شام میں قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے بصریٰ پر فوجکشی کرکے یہاں کے بطریق کو شکست دی، شکست کھانے کے بعد اہل بصریٰ نے اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے[1]، ادھر خالد بصریٰ میں تھے، دوسری طرف عمرو بن العاص فلسطین کے مورچہ پر تھے، اور ان کے مقابلہ کے لئے اجنادین میں رومیوں کا عظیم الشان لشکر جمع تھا، اسلئے بصریٰ سے فراغت کے بعد خالد بن ولید عمرو بن العاص کی مدد کے لئے روانہ ہوگئے، اور رومیوں کو شکست دیکر اجنادین پر قبضہ کرلیا، اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق پہنچے اور ابو عبیدہؓ کے ساتھ مل کر دمشق کا محاصرہ کیا، کامل تین مہینہ تک محاصرہ جاری رہا، ابھی دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا۔

علالت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف | جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ بیمار پڑے، پندرہ دن بخار

---

[1] فتوح البلدان بلاذری

رہا، آپ خلقۃً بہت ناتوان تھے، عمر کے تقاضے اور اس علالت نے بہت جلد نڈھال کر دیا،
نشست و برخاست سے معذور ہو گئے، آپ کی علالت میں حضرت عمرؓ امامت کرتے تھے جب
زندگی سے مایوس ہو گئے تو اکابر صحابہ کو بلا کر ان سے آیندہ اپنے جانشین کے بارہ میں مشورہ کیا،
اور اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے کہا کہ ان کی اہلیت میں
کوئی شبہ نہیں، لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا "ان کا باطن ان کے ظاہر سے
اچھا ہے" حضرت طلحہؓ عیادت کو آئے ہوئے تھے، انھوں نے بھی حضرت عمرؓ کی درشتی مزاج
اور تشدد کی شکایت کی اور کہا جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپ کے بعد خدا جانے کیا
کرینگے" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا جب ان پر خلافت کا بار پڑیگا، تو آپ نرم پڑ جائینگے
ایک صحابی نے کہا کہ "آپ عمرؓ کی درشتی مزاج کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں،
خدا کو آپ کیا جواب دینگے فرمایا میں عرض کرونگا کہ خدایا میں نے تیرے بندوں میں سے
ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب میں اچھا تھا"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوائے
تھے کہ ضعف سے غش آ گیا، حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھدیا، تھوڑی
دیر کے بعد جب ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی، حضرت عمرؓ کا نام سنکر بے اختیار زبان سے اللّٰہ اکبر
نکل گیا اور فرمایا "خدا تم کو جزائے خیر دے تم نے میرے دل کی بات لکھدی" وصیت نامہ مکمل
کرانے کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے لیجا کر صحابہ کے عام مجمع میں سناؤ اور خود بالاخانہ پر جا کر
حاضرین سے فرمایا کہ "میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا، بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو میرے
نزدیک تم سب میں بہتر ہے" سب نے بالاتفاق اس حسن انتخاب کی تائید کی، اس کے بعد حضرت
عمرؓ کو بلا کر ضروری وصیتیں کیں[1]

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۴۲،

آخری وصیتیں اور وفات

استخاب خلیفہ کی اہم ذمہ داری سے فراغت کے بعد ذاتی امور کی طرف متوجہ ہوئے، حضرت عائشہؓ کو بلا کر فرمایا کہ "میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اُسے ادا کرنا، میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں اسے عمرؓ کے پاس بھجوا دینا، اس کے علاوہ اگر کوئی اور چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال میں داخل کرا دینا، کفن کے متعلق فرمایا کہ "میرے بدن پر جو کپڑا ہے اسی کو دھو کر کفن دینا" پھر پوچھا آج کون دن ہے، معلوم ہوا دوشنبہ، پوچھا رسول اللہؐ نے کس دن انتقال فرمایا تھا، عرض کیا گیا اسی دن فرمایا میری بھی یہی آرزو ہے، یہ آرزو پوری ہوئی اور ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دوشنبہ کا دن گذرنے کے بعد شب کو انتقال فرمایا، انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی، مدتِ خلافت دو سال تین مہینہ دس دن،

وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی، آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے غسل دیا، عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور آقائے نامدار کے پہلو میں ساری عمر جس کی رفاقت میں گذری تھی سپرد خاک کئے گئے،

وفات کے بعد عبد اللہؓ، عبد الرحمٰنؓ، اسماءؓ، اور عائشہؓ (ام المومنین) کئی اولادیں یادگار چھوڑیں، ایک صاحبزادی وفات کے بعد پیدا ہوئیں،

عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ تعلیم اسلام کا زندہ پیکر اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے، آپ کے دور کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی کام ایسا نہیں ہونے پایا، جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں نہ ہوا ہو، آپ کو کل سوا دو سال مسلمانوں کی خدمت کا موقع ملا، اس قلیل مدت میں آپ نے مسلمانوں کی وہ گرانقدر خدمات انجام دیں، اور آئندہ حکمرانوں کے لئے ایسا نمونہ چھوڑ گئے جو دوسروں سے برسوں میں ممکن نہ تھا،

اپنے عہد میں آپ نے اس کا خاص لحاظ رکھا کہ کسی امر میں عہد نبوی سے سرِمو تجاوز نہ ہونے پائے گو عہد رسالت کے اثر سے اس کے تدارک کی ضرورت کم پیش آتی تھی لیکن جہاں ادنی شائبہ بھی نظر آتا تھا سختی کے ساتھ اس کا تدارک فرماتے تھے، جہاں تک فتوحات اور نظام خلافت میں وسعت کا تعلق ہے، خلیفہ ثانی کا زمانہ آپ کے زمانہ سے زیادہ عظیم الشان تھا، لیکن یہ اسی بنیاد کا نتیجہ تھا جو ابوبکر صدیقؓ رکھ گئے تھے، آنحضرت صلعم کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربوں نے جزیرۃ العرب میں شمع اسلام کو گل کر دینا چاہا تھا اور قریب قریب سارا عرب مرتد ہو گیا تھا، جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے، انہوں نے اسلام کے ایک رکن اعظم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ اسلام کو زیر و زبر کر دینا چاہتے تھے، ان نازک حالات میں محض ابوبکر صدیقؓ کی روشن ضمیری اور استقلال نے اسلام کی کشتی کو بھنور سے نکالا، حضرت عمرؓ جیسے بزرگ بھی منکرین زکوٰۃ پر تلوار اٹھانے کے خلاف تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے استقلال سے بزور ان سے زکوٰۃ وصول کر کے انہیں اسلام پر دوبارہ قائم کیا،

ملکی انتظام چونکہ حضرت ابوبکرؓ کسی کام میں عہد نبوی سے سرِمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے، اسلئے آپ کے زمانہ میں جملہ امور عہد رسالت کے نظام پر قائم رہے، اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ میں کسی نظام کے بدلنے کی بھی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی، تمام اہم امور اکابر صحابہ کے مشورہ سے انجام پاتے تھے[1]،

جزیرۃ العرب کی جس کی ابتک کوئی تقسیم نہ تھی، البتہ انتظامی سہولت کے خیال سے مدینہ، مکہ، طائف، صنعاء، نجران، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا،

---

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ صفحہ ۱۰۹

حکام کے انتخاب میں احتیاط اور ان کو مفید نصیحتیں

آپ حکام کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتتے تھے، اور حکومت کے عہدوں کے لئے انہی بزرگوں کا انتخاب فرماتے تھے جو عہد رسالت کے تربیت یافتہ تھے عہد رسالت کے تمام حکام کو ان کے عہدوں پر قائم رکھا، چنانچہ مکہ پر عتاب بن اسید، طائف پر عثمان بن ابی العاص، صنعا پر مہاجر بن ابی امیہ اور زبید پر زیاد بن لبید حاکم تھے، نئے حکام کا انتخاب اسی اصول کے ماتحت کرتے تھے اور تقرر کے وقت انہیں نہایت مفید نصیحتیں فرماتے تھے، ولید بن عقبہ محصل صدقات کو یہ نصیحت فرمائی،

"خلوت وجلوت میں خدا کا خوف رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایک ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے، اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے، بیشک بندگان خدا کی خیر خواہی بہترین تقوی ہے، تم خدا کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط اور تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اس لئے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا[1]"

یزید بن ابی سفیان کو شام کی مہم میں جاتے وقت یہ نصیحتیں فرمائیں،

"اے یزید تمہاری قرابت داریاں ہیں، شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، در حقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنادے تو اس پر خدا کی لعنت ہو، اور خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائیگا، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا[2]"

---

[1] تاریخ طبری ص ۸۲ ۳۔ [2] مسند احمد بن حنبل رح ج ۱ ص ۶،

مالی انتظام عہد صدیقی میں زکوٰۃ، عشر، جزیہ اور غنیمت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوگیا تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کوئی خزانہ قائم نہیں کیا، بلکہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلا تفریق، آزاد و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ، مرد اور عورت، عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے، چنانچہ خلافت کے پہلے سال دس دس درہم اسی اصول پر تقسیم کئے، دوسرے سال بیس بیس درہم اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا تو فرمایا فضل و سبقت اور شے ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں[۱]

آخر عہدِ خلافت میں بیت المال کے لئے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی، لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی، اسی لئے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے، فرمایا اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے[۲]، اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کر دینے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے، اسی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا[۳]

فوجی نظام فوج کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، بلکہ عہدِ رسالت کی طرح ضرورت کے وقت مسلمان خود ہی جوشِ جہاد میں جمع ہو جاتے تھے، عہد صدیقی میں اتنا اضافہ ہوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج کی تقسیم قبائل اور دستوں پر کردی گئی، جن پر علیحدہ علیحدہ افسر ہوتے تھے، اور ان سب پر ایک امیر العسکر ہوتا تھا، چنانچہ شام کی فوجکشی میں خالدؓ بن ولید، یزیدؓ بن ابی سفیانؓ، ابو عبیدہؓ بن جراح اور عمروؓ بن العاص کے علیحدہ علیحدہ دستے تھے اور سب کے امیر العسکر حضرت ابو عبیدہؓ تھے، وہ جن کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لئے

---

[۱] ابن سعد ق اول جزو ۳ ص ۱۵۱ [۲] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۱۵۱ [۳] ایضاً

مفید ہدایات فرماتے تھے، چنانچہ شام کے اسلامی فوج سے یہ باتیں ارشاد فرمائیں،

"تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے، اس کو چھوڑ دینا میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا کسی آبادی جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بے کار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مال غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا"[1]

فوجی اخلاق کی اس سے بہتر اور جامع تعلیم آج بھی ممکن نہیں ہے،

بیت المال کی آمدنی سے فوجی اخراجات کے لئے ایک رقم الگ نکال لیتے تھے جس سے اسلحہ اور بار برداری کے جانور خریدتے تھے، اور جہاد کے اونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش کیلئے بعض چراگاہیں مخصوص کر دی تھیں،

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت

آنحضرت صلعم نے آخر وقت ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی، اس لئے حضرت ابو بکرؓ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، عہد رسالت میں ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے، حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں بھی ان کو وہی حقوق حاصل رہے، اور آپ نے اس کی تجدید و توثیق فرمائی، اور نئے ذمیوں کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے، چنانچہ حیرہ کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ یہ حقوق دیئے،

"ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کئے جائیں گے اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی، اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۹۶،

روکے جائین گے[1]،

جزیہ کی شرح نہایت آسان تھی اور اس سے بکثرت ذمی مستثنیٰ کردیے جاتے تھے،
چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندون مین ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی سے دس دس
درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور اپاہج اور نادار ذمیون کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا[1]،

تحفظ دین تحفظ دین مین بڑا اہتمام تھا کوئی نئی بات جو عہد رسالت مین نہ تھی نہ ہونے دیتے
تھے، اگرچہ اس عہد مین اس تدارک کی زیادہ ضرورت پیش نہ آتی تھی لیکن جہاں اس کا ادنیٰ
سا شائبہ بھی نظر آتا تھا، اس کا تدارک فرماتے اس کے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ
کتابی صورت مین قرآن کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل تھا کہ آنحضرت صلعم نے ایسا نہیں فرمایا،
حدیثون کی روایت مین بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے، تحفظ دین کے لئے اکابر
صحابہ کا محکمۂ افتا قائم تھا،

تدوین قرآن عہد صدیقی کا ایک بڑا کارنامہ کتابی شکل مین قرآن کی تدوین ہے، اس کا
باعث یہ ہوا کہ عہد صدیقی کی لڑائیون خصوصاً یمامہ کی جنگ مین حفاظ قرآن صحابہ کی بڑی
تعداد شہید ہوگئی، اس وقت حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر حفاظ قرآن کی شہادت کا یہ
سلسلہ قائم رہا تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا، اس لئے انھون نے حضرت ابوبکرؓ سے
جمع قرآن کی درخواست کی، حضرت ابوبکرؓ کو یہ عذر ہوا کہ جو کام رسول اللہ صلعم نے
نہین کیا، اسے مین کس طرح کرون، لیکن حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار سے آپ کے ذہن مین بھی
اس کی مصلحت آگئی، چنانچہ آپ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جو عہد نبوی مین کاتب وحی تھے، قرآن
کے جمع کرنے کا حکم دیا، ان کو بھی اس بار گران کے اٹھانے مین تامل ہوا، لیکن پھر ان کے ذہن مین

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف، ص ۸۵

بھی بات آگئی، چنانچہ انھوں نے مختلف لکھے ہوئے اجزا، اور حفاظ قرآن کے سینوں سے قرآن کی سورتوں کو جمع کر کے کتابی صورت میں مدون کر دیا[1]،

اس روایت سے ایک عام غلط فہمی یہ پھیل گئی ہو کہ عہد نبوی میں قرآن مرتب نہ تھا یعنی اسکی آیات اور سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام رکھے گئے تھے، یہ کام حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ہوا، لیکن ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے، قرآن کے احکام کی طرح اس کے آیات و سُور کی ترتیب اور ان کے نام بھی الہامی ہیں، اور حیاتِ نبوی میں قرآن کی پوری ترتیب ہو چکی تھی، موجودہ قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے، البتہ کتابی صورت میں پورا قرآن مدون نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں یہی کام ہوا، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں،

"اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "یَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً" میں بیان فرمادیا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے، قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا موجود تھا، لیکن اس کے اجزا متفرق تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جو ان کے بعد محفوظ رہا، اور حضرت عثمانؓ نے اسکے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں بھیجے[2]"

حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت روایات ہیں کہ جب کوئی سورہ، آیت یا حکم نازل ہوتا تھا تو آنحضرت صلعم کاتبِ وحی صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ اسے فلاں سورہ میں فلاں آیۃ کے بعد لکھا جائے اور جب ایک سورہ ختم ہو جاتی تھی تو دوسری شروع ہوتی تھی، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیک وقت مختلف آیات نازل ہوتی تھیں، آپ انھیں مختلف سورتوں میں لکھواتے تھے، اس طرح قرآن کے نزول کے ساتھ آپ کی ہدایت کے مطابق آیات و سُور کی ترتیب بھی ہوتی جاتی تھی، آپ کی نمازوں کے سلسلہ میں اس قسم کی بہت سی روایات ہیں کہ فلاں فلاں وقت

---

[1] بخاری ج ۲ باب جمع القرآن، [2] فتح الباری ج ۹ ص ۱۰،

کی نماز میں آپ نے فلاں فلاں سورتیں پڑھیں، اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کے نام بھی متعین ہو چکے تھے، اس سلسلہ میں بخاری کی یہ روایت عہد نبوی میں ترتیب قرآن کا نہایت مین ثبوت ہے، ہر سال آپ کو ایک مرتبہ قرآن سنایا جاتا تھا اور وفات کے سال میں دو مرتبہ سنایا گیا، یہ مسلّم ہے کہ آپ کی وفات سے پہلے پورا قرآن نازل ہو چکا تھا، اس لئے پورے قرآن سنانے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ مرتب بھی تھا، بعض صحابہ کے پاس پورا قرآن جمع تھا اور وہ اس کا دورہ کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ میں نے قرآن جمع کیا تھا اور اسکو ایک رات میں تمام کر دیتا تھا، رسول اللہ صلعم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ایک مہینہ میں ختم کیا کرو، میں نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے، فرمایا تو بیس دن میں پڑھا کرو، میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی استطاعت ہے، فرمایا تو پندرہ دن میں پڑھا کرو، میں نے عرض کیا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہوں، فرمایا تو دس دن میں، میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی قوت ہے، فرمایا تو سات دن میں پڑھا کرو، اس سے زیادہ نہیں[۱]

اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں پورا قرآن مرتب تھا، اور صحابہ اس کا دورہ کرتے تھے، حفاظِ قرآن صحابہ کی موجودگی بھی اس کا ایک ثبوت ہے، پھر ان کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، اس قسم کی دو چار نہیں معلوم کتنی روایتیں ہیں، لیکن ان کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں،

علمی کمالات جماعتِ صحابہ میں صدیق اکبرؓ سب سے زیادہ اسرار شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، جملہ اسلامی علوم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، قرآن پاک کے فہم و تدبر میں ایسا ذہن وقاد اور نظر دقیق پائی تھی کہ ان کی نظر ان نکات تک باسانی

---

[۱] بخاری ج ۲

پہنچ جاتی تھی، جن کی طرف عام صحابہ کا ذہن بھی منتقل نہ ہو سکتا تھا،

سیرۃ الصدیق | ذاتی حیثیت سے بڑے رقیق القلب، نرم خو، متواضع، خاکسار اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے، اسلام سے قبل بھی آپ کا دامن اخلاق مراسم جاہلی سے داغدار نہ ہوا، خلافت سے پہلے تجارت کرتے تھے، خلافت کی ذمہ داری کے بعد یہ شغل جاری نہ رہ سکا چنانچہ بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر کرا کے تجارت چھوڑ دی اور سارا وقت مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی تدبیروں میں صرف کرنے لگے، رقیق القلب ایسے تھے کہ بات بات پر آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں، تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ محلہ والوں تک کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے، اور پڑوسیوں کے مویشی تک چراتے اور ان کا دودھ دوہ دیتے خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی کو جس کی بکری کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے، بڑی فکر ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو خلق خدا کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی، زہد و عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر راتیں قیام میں اور اکثر دن روزوں میں گذرتے تھے، خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں چوب خشک نظر آتے تھے، رقت اتنی طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، عبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لئے دفتر عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے محفوظ رہتا، چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے پرندو تم خوش نصیب ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت تک کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہیں کاش ابو بکر تمہاری طرح ہوتا، بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے یہاں تک کہ "اواہ" لقب ہو گیا تھا،

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

سنہ ۱۳ھ (چودہ) مطابق سنہ ۶۳۴ء
تا سنہ ۲۴ھ مطابق سنہ ۶۴۵ء

تذکرۂ عمرؓ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں حضرت عمرؓ کو مقرر کر گئے تھے، چنانچہ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ اُن کے جانشین ہوئے، آپ کا نام عمرؓ اور فاروق لقب ہے، آپ قریش کی شاخ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے، آٹھویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلعم سے ملتا ہے، آپکا خاندان زمانۂ جاہلیت مین بھی ممتاز تھا، قریش کی سفارت اور فیصل مقدمات کا عہدہ آپ ہی کے خاندان مین تھا، حضرت عمرؓ کو اسلام سے قبل عرب کے مرغوب فنون سپہ گری، اور خطابت سے بڑی دلچسپی تھی، معمولی نوشت وخواند سے بھی واقف تھے، معاش کا ذریعہ تجارت تھا، اسی سلسلہ مین دور دور کا سفر کر چکے تھے، ان سفرون نے بہت پختہ کار اور معاملہ فہم بنا دیا تھا، اس لئے قریش کی سفارت کا عہدہ ان کے متعلق تھا، ظہور اسلام کے وقت عمائد قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام اور مسلمانون کے سخت دشمن تھے، اسلام ان کی نگاہ مین سب سے بڑا جرم تھا، جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا، جو شخص نیا مسلمان ہوتا تھا حضرت عمرؓ اسکے دشمن ہو جاتے تھے، اور اسکو ہر امکانی اذیت پہنچانے میں دریغ نہ کرتے، لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ کے اس لئے آنحضرت صلعم کو ان کے اسلام کی بڑی آرزو تھی اور آپ انکے اسلام کی دعا فرمایا کرتے تھے، یہ بھی قدرت کا کرشمہ تھا کہ سنہ مین اسی دشمن اسلام کے بہن اور بھائی اسلام کے

حلقہ بگوش ہوگئی حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہوگئے اور اسی وقت بہنوئی کے یہاں
جاکر بہن اور بہنوئی کو مارتے مارتے بے دم کردیا، لیکن ان کی زبان کلمۂ حق سے نہ پھری ان کا
استقلال دیکھ کر دل نے کہا کہ اس دین میں ضرور کوئی بات ہے، چنانچہ بہنوئی سے قرآن
سنانے کی خواہش کی، انھوں نے چند آیتیں سنائیں، یہ سحر آفرین آیات سنکر بے اختیار
لا الہ الا اللہ پکار اٹھے، اس وقت کم وبیش چالیس آدمی مسلمان ہوچکے تھے، لیکن اب تک
کسی نے علانیہ عبادت کرنے کی جرأت نہ کی تھی، بلکہ بہتیرے اسلام کا اظہار بھی نہیں کرسکتے
تھے، عمر فاروقؓ اسلام لائے تو دفعتہً حالت بدل گئی، یہ کسی سے دبنے والے نہ تھے، انھوں
نے خانۂ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی، آنحضرت صلعم نے اس جرأت پر فاروق کا لقب عطا فرمایا،
گو اور غریب مسلمانوں کی طرح حضرت عمرؓ کو عمائد قریش نہیں ستا سکتے تھے، پھر بھی جس حد
تک بھی ممکن تھا باز نہ رہتے تھے، اسی حالت میں چند برسوں تک مکہ میں رہے، اذن ہجرت
کے بعد ہجرت کی، مکہ چھوڑنے سے پہلے جاکر خانہ کعبہ کا طواف کیا، نماز ادا کی اور مشرکین سے
برملا کہا جس میں جرأت ہو باہر میدان میں آئے، لیکن کسی نے ہمت نہ کی،

ہجرت کے بعد بدر و احد وغیرہ تمام بڑے بڑے معرکوں میں شریک رہے، جنگ بدر
میں اپنے اعزہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا، غزوۂ تبوک میں آدھا مال خدا کی راہ میں دیدیا
غرض قبول اسلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی طرح انھوں نے بھی اپنی جان اور اپنا مال اسلام
پر نثار کردیا، ان کی جرأت و شجاعت اور جاں نثاری سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی، ایثار و
قربانی میں حضرت ابوبکرؓ کے بعد انہی کا درجہ تھا،

خلافت | صحابہ میں حضرت عمرؓ کا تدبر اور ان کی صداقت و حق پرستی مسلم تھی، لیکن ان کے
تشدد سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھا، ذرا لوگ ڈرتے تھے، چنانچہ استخلاف کے وقت بعض

لوگون نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا، لیکن انھون نے ان کے شبہات دور کرکے مطمئن کردیا اور تمام اکابر صحابہ نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ جمادی الثانی ۱۳ھ مین تختِ خلافت پر متمکن ہوئے،

عراق کی مہم اور فتوحات آپ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق مین جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس لئے تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمرؓ کا سب سے مقدم فرض انکی تکمیل تھی، چنانچہ سب سے پہلے ان مہمون کی طرف توجہ کی، آپ کی بیعت کے سلسلہ مین عرب کے تمام حصون کے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے، آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کرکے ان کو ایران کی مہم مین شرکت کے لئے ابھارا، لیکن اس پر ایک شخص نے بھی آمادگی ظاہر کی، آپ کئی دن تک مسلسل جوش دلاتے رہے، آخر مین مسلمانون مین حرارت پیدا ہوگئی اور بنی ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی نے اٹھ کر اپنے کو اس خدمت کے لئے پیش کیا، ان کی پیش قدمی پر ہر طرف سے آوازین بلند ہونے لگین، اور تمام مسلمان شرف جہاد حاصل کرنے کے لئے تیار ہوگئے، حضرت عمرؓ نے ابو عبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا،

عراق کی گذشتہ معرکہ آرائیوں نے ایرانیون کو بہت ہوشیار کردیا تھا، اس لئے انھون نے ازسرنو فوجی تنظیم کی، پوران دخت نے خراسان کے نامور مدبر اور مشہور بہادر رستم کو سپہ سالار مقرر کیا، اس نے ایرانیون کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران مین آگ لگادی اور پوری ایرانی قوم مسلمانون کے مقابلہ میں لئے ہمہ تن جوش بنگئی اور چند دنون کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقون میں بغاوت پھیل گئی اور فراتی اضلاع مسلمانون کے قبضہ سے

نکل گئے،

جدید فوجی تنظیم کے سلسلہ میں توران دخت نے ایران کے دو مامور بہادر ون نرسی اور جاماان کو رستم کی امداد پر مامور کیا تھا، یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستون سے مسلمانو کے مقابلہ کے لئے نکل چکے تھے، دوسری طرف سے ابوعبید آرہے تھے، مقام نمارق مین انکا اور جاماان کا مقابلہ ہوگیا، ابوعبید نے اسے نہایت فاش شکست دی، اس کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا اس لئے جاماان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کرلی، بعض مسلمانون نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کرلیا، لیکن ابوعبید یہ کہکر کہ جس کو ایک مسلمان رہا کرچکا ہے اس سے بدعہدی نہیں کیجاسکتی، چھوڑ دیا، جاماان کو شکست دینے کے بعد ابوعبید آگے بڑھے اور مقام سقاطیہ میں دوسرے افسر نرسی کو بھی نہایت فاش شکست دی، اس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب وجوار کے ایرانی امراء نے اطاعت قبول کرلی،

ان پیہم شکستوں کی خبر سنکر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا، اور ایرانیوں کا مقدس علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا ساتھ کردیا، مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجین اتارین، دوسری طرف مسلمان تھے، ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا، لیکن ابوعبید جوش جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ دوسرے مسلمان امراء کے اختلاف رائے کے باوجود فرات کو عبور کرکے اس پار چلے گئے، دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی، مسلمان جس میدان میں اترے وہ نہایت ناموزون تھا، ایرانی فوج مین دیو پیکر ہاتھی تھے، جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا، اس لئے وہ ہاتھیون کو دیکھ کر بدک گئے اور مسلمانون کو پیدل ہوجانا پڑا، گھوڑون سے اترکر انھون نے ہودون کی رسیان

کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو گرانا شروع کیا، ابو عبیدہ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا لیکن وار خالی گیا، اور ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر پیروں کے نیچے مسل ڈالا، ابو عبیدہ کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے لیکن جگہ بہت کم تھی، آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا، اس لئے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے، مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلوں سے تین ہزار جانیں بچائیں۔

واقعہ بویب ۱۴ھ اور ایرانیوں کی شکست

حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو آپ کو مسلمانوں کی جانوں کی بربادی کا سخت قلق ہوا، آپ نے اس کے انتقام کے لئے پرجوش خطبوں سے عربوں میں آگ لگا دی، عیسائی عرب بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے عبداللہ بجلی کی ماتحتی میں ایک تازہ دم فوج محاذ جنگ پر روانہ کی، دوسری طرف مثنیٰ نے اپنے طور پر سرحدی قبائل کی علیحدہ ایک فوج تیار کر لی تھی،

پوران دخت کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن باذویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا، مسلمان بویب میں خیمہ زن تھے، اس لئے مہران سیدھا بویب آیا، اور فرات کو عبور کر کے اس کے اس پار صف آرا ہوا، مسلمان پہلے سے تیار تھے، دونوں میں نہایت سخت مقابلہ ہوا، گذشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے وہ اس کی تلافی میں اس بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجہ شہادت حاصل کیا، مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لیکر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں، اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے، اس ریلے میں بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا، مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کر دیا، اس معرکہ کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے،

ایرانیوں کا جوش

اس شکست اور ایرانی فوجوں کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو ایرانیوں میں

بڑا جوش پھیل گیا، انھوں نے توران دخت کو تخت سے اتار کر اکیس سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سر نو فوجی انتظامات کر کے چند دنوں میں تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامان سے بھر دیا، ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کر کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی اس بغاوت میں بہت سے علاقے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے اور مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے، اور فوراً حضرت عمرؓ کو اس صورت حال کی اطلاع بھجوائی۔

حضرت عمرؓ کی تیاریاں حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے تمام عرب کے ماموروں بہادروں رئیسوں، خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا، آپ کی دعوت پر سارا عرب امنڈ آیا، انھیں ساتھ لے کر آپ نے بنفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا، مگر اکابر صحابہ نے مخالفت کی کہ آپ کا دارالخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں ہے، اس لئے آپ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور عہد رسالت میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے، سپہ سالار اعظم مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا، اور چلتے وقت بڑی بیش قیمت نصیحتیں کیں، اس فوج میں ستر بدری صحابی، تین سو بیعت رضوان کے جاں نثار، اسی قدر فتح مکہ کے شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے؛ حضرت عمرؓ تجارت کے سلسلہ میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے، اور یہاں کے چپہ چپہ سے واقف تھے، اس لئے فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ میں رکھی، سعدؓ بن وقاص کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے جائیں، چنانچہ انھوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم و پیش قدمی کے متعلق مختلف مفید ہدایات بھیجیں۔[2]

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۲۴، [2] طبری ص ۲۲۲۳ و ۲۲۲۹۔

تنزاف کے بعد سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ آیندہ پیش قدمی کے متعلق ہدایات بھیجیں، اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیرون کو تبلیغ اسلام کے لئے دربار ایران بھیجا جائے،

اسلامی سفارت | اس حکم پر سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ کے میدان مین مورچہ بندی کی، اور اشعث بن قیس کندی کو چند آدمیوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، انھون نے جاکر اسلام پیش کیا، رستم نے پوچھا تم کس ارادہ سے آئے ہو، مسلمانون نے جواب دیا، یزدگرد کے دونون مین گفتگو ہوئی، آخر مین مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے نبی کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمھاری زمین پر قابض ہو نگے، رستم نے اس ارادہ کی تحقیر کے لئے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ تو ہماری زمین مین تمھارا یہ حصہ ہے، عمرو بن معدیکرب یہ خاک دامن مین لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیون سے کہا کہ ان کے ملک پر قبضہ کے لئے یہ فال نیک ہے، رستم کے بعد ان لوگون نے یزدگرد کے پاس جاکر اسلام پیش کیا، اس نے جوش غضب میں کہا اگر سفیرون کا قتل کرنا ناروا نہ ہوتا تو تم مین سے کوئی گردن سلامت نہ لیجا سکتا، اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انھین کیون آنے دیا،[۱]

رستم کو مسلمانون کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اس لئے وہ جنگ سے بچنے کے لئے حیلے ڈھونڈھتا تھا، چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا، اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر کوشش کی اور سعد بن وقاص کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لئے دوبارہ آدمی بھیجین، انھون نے مغیرہؓ بن شعبہ کو چند آدمیون کے ساتھ بھیجا، رستم نے انھین مرعوب کرنے کے لئے بڑے ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا، مغیرہ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ کی نہ تھی، نیام کے بجائے اوپر

۱؎ طبری ص ۲۲۳۹ و ۲۲۳۰، ۲؎ بلاذری ۲۶۶

چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے، اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی، آخر میں رستم نے انہیں طمع دلائی کہ "غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشاں حالی کی وجہ سے جنگ کے لئے نکلے ہو ہم تم کو اتنا دینے کے لئے تیار ہیں کہ تمہارا پیٹ بھر جائے اور تمہاری جو خواہشیں ہوں انھیں پوری کرنے کے لئے تیار ہیں" مغیرہؓ نے جواب دیا کہ "ٹھیک ہم بھوکے تھے لیکن خدا نے ہم میں ایک پیمبر مبعوث کیا، جس کے اتباع سے ہماری بدبختی خوش بختی سے بدل گئی، اس نے ہم کو اپنے دین کے معاندین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے، اس لئے ہم تمکو خدائے واحد کی پرستش اور نبی صلعم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اگر اسے قبول کرتے ہو تو بہتر ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی" یہ سن کر رستم جوش غضب سے بھر گیا اور کہا آفتاب و ماہتاب کی قسم کل طلوع صبح سے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دونگا، مغیرہؓ یہ سنکر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے لوٹ آئے[1]

قادسیہ کی جنگ اس گفتگو کے بعد ہی دونوں کو تیاری کا حکم دیدیا اور راتوں رات ایرانی فوجیں مرتب ہوگئیں، صبح ہوتے ہوتے قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا سمندر موجزن تھا،

مسلمان پہلے سے تیار تھے، محرم سنہ ۱۴ھ میں فریقین صف آرا ہوئے، عین اس موقع پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عرق النسار کا دورہ ہوا، اور وہ نقل و حرکت سے مجبور ہوگئے اس لئے اپنی جگہ خالدؓ بن عرفطہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا ٹھہر گئے، اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھکر احکام بھیجتے رہتے تھے، بعد نماز ظہر جنگ کا آغاز ہوا، اور رات کی تاریکی تک نہایت گھمسان

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۶۶،

جنگ ہوتی رہی، یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا اور یوم ارمات کے نام سے مشہور ہے،

دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا، اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان جنگ ہوئی، عین لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور اسکے ساتھ ممتاز بہادروں کے لئے تحائف آئے، سفرائے میدانِ جنگ میں اعلان کیا کہ "امیرالمومنین نے ان بہادروں کے لئے تحائف بھیجے ہیں جو اپنے کو اس کا مستحق ثابت کریں" اس امتیار کے حصول کے لئے مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں، اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی، رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے، اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی، اس کے بڑے بڑے ممتاز اور نامور افسر مارے گئے، دو ہزار مسلمان شہید ہوئے، اور جنگ دوسرے دن کے لئے ملتوی ہو گئی، اس جنگ کا نام یوم اغوات ہے،

رات گذرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا، یہ دونوں گذشتہ معرکوں سے زیادہ خوفناک تھا، اس جنگ میں مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ نقصان رساں کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں، انھیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے رہے، مسلمانوں نے گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر اس کا جواب پیدا کیا، لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رخ کردیتی تھی صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی، یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے لے لیکر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کی آنکھیں بیکار کر دیں، قعقاع نے ستان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی، وہ جھرجھری لے کر بھاگا، اسے دیکھ اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی، اس کے بعد مسلمانوں کو کھلکر قوت آزمائی کا موقع ملا اور انھوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا، اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ تلواروں کی کھچا کھچ، نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ

کے سوا اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا، رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی، دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا، رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کر رہا تھا لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگا، راستہ میں ایک ندی تھی اس میں کود کر نکل جانا چاہا، مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب میں تھا ندی سے نکال کر قتل کر دیا، اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا، اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، گو اس کے بعد عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا لیکن ایرانیوں کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی،

اس عظیم الشان فتح کے بعد سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ سنایا، جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی حضرت عمرؓ کو نہایت بے چینی کے ساتھ خبر کا انتظار رہتا تھا اور آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینہ کے باہر نکل جاتے تھے، اس لئے سعد بن ابی وقاصؓ کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا، اس سے حالات پوچھے وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا، اس لئے وہ سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے، اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے یہاں اسکو معلوم ہوا کہ امیر المومنین یہی ہیں، اس وقت وہ بہت سراسیمہ ہوا، آپ نے فرمایا کچھ ہرج نہیں تم حالات بیان کرتے جاؤ، ربانی حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے سعد بن ابی وقاصؓ کا خط انھیں سنایا اور حسب ذیل تقریر کی، مسلمانو میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں، میں خود خدا کا غلام ہوں، البتہ خلافت کا بار گراں میرے اوپر ڈالا گیا ہے، اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکتا کہ تم تسکین سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لئے عین سعادت ہے اور اگر میں خواہش کروں کہ تم لوگ میرے دروازے پر حاضری

دیا کرو تو میری بدبختی ہے، اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہوگی اور غم زیادہ[1]،

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیوں نے بابل میں اجتماع کیا تھا، اس لئے قادسیہ میں دو مہینہ قیام کے بعد سعدؓ بن ابی وقاص بابل روانہ ہو گئے، لیکن قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی اس لئے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور وہ ان کو شکست دے کر بابل، کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے، بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملہ سے روکنے کے لئے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں، اس لئے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا، سعدؓ بن ابی وقاص نے خدا کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا، انھیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی، اور نہایت اطمینان کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پار پہنچ گئی، ایرانی دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے اور متحیر تھے، جب مسلمان کنارہ پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی "دیوان آمدند" "دیوان آمدند" کہہ کر بھاگ نکلے، ایک افسر خرزاد نے معمولی سی مزاحمت کی لیکن مسلمانوں نے اسے مغلوب کر لیا، یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعدؓ بن وقاص صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے، جمعہ کا دن قریب تھا، ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین عراق میں پڑھا گیا، مدائن کے خزانہ میں صدیوں کی دولت اور زر و جواہر کے علاوہ سلاطین عجم کے نادرۂ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں، یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت

---

[1] طبری ۲۳۶۸، [2] ایضاً ۲۴۳۹ و ۲۴۴۱،

عمرؓ کے پاس مدینہ بھجوا دیے ان نوادر میں نوشیرواں کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا، حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص محلم کو پہنایا گیا، جس وقت اس نے اسے پہنا جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں، اور انقلاب دہر کا عجیب عبرتناک منظر سامنے آگیا، فرش بہار سلاطین عجم کا نہایت تاریخی فرش تھا، اس پر وہ بہار کے موسم میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے، اس میں اس عہد کی ساری صناعیاں صرف کر دی گئی تھیں، بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے، سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے، لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزان آگئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا،

حلولار کا معرکہ | مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیوں نے حلولار کو مرکز بنایا اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گوکھرو بچھوا دیئے، اس لئے سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق ہاشم بن عتبہ اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ حلولار بھیجا، انھوں نے اس کا محاصرہ کر لیا، لیکن اولاً حلولار خود نہایت مستحکم شہر تھا، دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا، اس لئے کئی مہینے لگ گئے، لیکن ہاشم نے عہد کر لیا تھا کہ بغیر فتح کئے ہوئے نہ ٹلیں گے، بالآخر کئی خونریز لڑائیوں کے بعد قعقاع کی شجاعت سے حلولار فتح ہو گیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا،

حلوان پر قبضہ | یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑ کر رے بھاگ گیا، اس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع یہاں پہنچے اور خسرو شنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا اور عام منادی کرا دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کرینگے ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا، اس اعلان پر بہت سے امرا دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے،

حلوان عراق کا آخری مقام تھا، اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہوجاتی ہے،

جزیرہ عراق کے زیرنگیں ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہوجاتا کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ آور ہوسکتے اور نہ ہم ان پر" مگر عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کرسکتے تھے اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا، پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا، لیکن عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلہ میں آگئی اور اہل جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی تکریت میں نہایت زبردست اجتماع کیا، سعد بن ابی وقاص کو ایران پر فوجکشی کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے خیالات معلوم تھے اس لئے انھوں نے ان کو حالات لکھ بھیجے، ان حالات میں حضرت عمرؓ کیلئے بھی بجز مقابلہ کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اس لئے آپ نے عبداللہ بن معتم کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا،

تکریت پر قبضہ اس حکم پر وہ ۱۶ھ میں پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور محاصرہ کرکے چالیس دن تک برابر حملے کرتے رہے، لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے، اس لئے کامیابی نہ ہوتی تھی، عبداللہ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ وپیام کرکے انھیں ملا لیا، اسکے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہوگئے، اور ایرانی دو پاٹوں کے درمیان پڑ کر پس گئے اور تکریت پر قبضہ ہوگیا، اس کے بعد چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی پھر ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ نے پھر عیاض بن غنم کو مامور کیا، انھوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمیساط، سروج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کرکے جزیرہ کا پورا علاقہ زیرنگیں کرلیا،

خوزستان عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے یہاں ایک اسلامی شہر بصرہ

آباد ہو چکا تھا، اس کا سرحدی علاقہ خوزستان اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، اس لئے
بصرہ کی حفاظت کے لئے خوزستان پر قبضہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی
مغیرہ بن شعبہ نے اہواز پر حملہ کرکے یہاں کے والی ہرمز کو مطیع بنایا، لیکن چند دنوں کے بعد
پھر باغی ہوگیا، اس وقت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے والی تھے، انھوں نے ہرمز کو شکست دیکر
اہواز پر مستقل قبضہ کرلیا،

اہواز کے بعد سوس فتح کیا، سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا، اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ
سالانہ پر صلح کرلی، ابوموسیٰ کی فتوحات کو دیکھ کر امیر ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت میں حاضر
درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کردیجائے تو میں عربوں کو آگے
بڑھنے سے روک دوں گا، یزدگرد نے منظور کرلی اور اسکو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ
دے کر ایک فوج بھی اس کے ساتھ کردی، پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور اس کے جنگی
استحکامات درست کرکے ایک عظیم الشان فوج جمع کرلی،

ابوموسیٰ کو اس کی تیاریوں کی خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع
دے کر مزید مدد مانگی، آپ نے فوراً عمار بن یاسرؓ والی کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجیں لے کر
ابوموسیٰؓ کی مدد کو روانہ ہوجائیں، جریر بن عبداللہ بجلیؓ بھی تھوڑی سی فوجیں لے کر آگئے، ابوموسیٰ
ان دونوں کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے، ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انھیں روکا،
بہت سے مسلمان کام آئے لیکن آخر میں وہ پسپا ہوکر قلعہ بند ہوگیا، ابوموسیٰ نے قلعہ کا محاصرہ
کرلیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی، اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ
مل گیا، اس کے ذریعہ سے ایک مسلمان خفیہ راستہ سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا اور تھوڑے
سے مسلمانوں کو لیکر تہ خانہ کے ذریعہ سے شہر میں داخل ہوگیا اور شہر پناہ کے دروازے کھولدیئے

مسلمان ماہر منتظر تھے شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے، ہرمزان نے قلعہ میں پناہ لی اور ابوموسیٰ
کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر نکل آؤں گا کہ مجھے عمرؓ کے پاس بھجوا دیا جائے، ابوموسیٰ نے منظور
کرلیا اور ہرمزان مدینہ پہنچکر مسلمان ہوگیا، حضرت عمرؓ نے دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کیا، شوستر
کے بعد جندیسابور فتح ہوا اور خوزستان کا پورا علاقہ زیرنگین ہوگیا،

عراق عجم پر فوجکشی اور نہاوند کا معرکہ	یزدگرد اس وقت مرو میں تھا، یہیں اسے خبر ملی کہ خوزستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور اس کا قوت بازو ہرمزان بھی گرفتار ہوگیا، اتنک ایرانی

سمجھتے تھے کہ عربوں کا سیلاب سرحد پر آکر رک جائے گا لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو
نظر آیا کہ یہ بے پناہ سیلاب سارے ایران کو بہالیجائے گا، اس لئے انھوں نے یزدگرد کو آمادہ
کیا، اس نے ایران کے چھوٹے چھوٹے ماتحت فرمانرداروں کو لکھا، وہ سب اپنی اپنی فوجیں
لے کر پہنچ گئے اور ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوگئی[1]

یزدگرد نے ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا، اور
ایران کا تاریخی علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کردیا، کوفہ کے گورنر
حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، آپ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت
عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ آپ خود اہل حرم کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلئے، لیکن حضرت علیؓ نے مخالفت
کی، انھوں نے کہا اگر آپ خود نکلئے گا تو اندرون عرب بغاوت بپا ہوجائے گی، آپ تمام
ممالک محروسہ کی ایک ایک تہائی فوج کو ایک مرکز پر جمع ہونے کا حکم دیجئے، اس مشورہ
پر آپ نے تیس ہزار فوجین جمع کر کے نعمان بن مقرن کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا، انھوں نے
نہاوند پہنچکر چند میل ادھر منزل کی، مردان شاہ پہلے سے موجود تھا، اس نے پہلے صلح کی
کوشش کی اور گفتگو کے لئے مسلمان سفراء بلا بھیجے، نعمان نے مغیرہ بن شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا،

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳-۲ ۵ اصابہ ج ۳ ص ۱،

مرداں شاہ نہایت ٹھاٹھ سے سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، درباری حبیب وراست تلواریں اور ہیرے لگائے کھڑے تھے جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی مغیرہ نے کوئی توجہ نہ کی اور ایک شان بے پرواہی کے ساتھ گھستے ہوئے چلے گئے راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا مغیرہ نے کہا سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی، مرداں شاہ نے کہا کہ اہل عرب دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت فاقہ مست اور نجس و ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو، ہماری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل و خوار ہو کہ ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ ہونا نہیں چاہتے اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپتی نظر آئیں گی" مغیرہ نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا "تمہارا خیال صحیح ہے بیشک ہم ایک زمانہ میں ایسے ہی تھے، لیکن ہمارے رسول نے ہماری کایا پلیٹ دی، اس نے ہم سے دنیا میں نصرت و فتح اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا اور اس وقت سے برابر فتح و نصرت ہمارے ہمرکاب ہے، اس لئے اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جا سکتے جب تک تمہارے ملک پر قبضہ نہ کر لیں یا ہماری لاشیں نہ تڑپیں۔"[1]

غرض مرداں شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی اور ان کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کے سوا ایسی جنگ نہ ہوئی تھی، فریقین نہایت ثبات و پامردی سے لڑے ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں نعمان بن مقرن زخمی ہو کر گرے زخم مہلک تھا لیکن انھوں نے منع کر دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو، چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم نے علم سنبھال لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور و شور کے ساتھ جنگ جاری رہی،

[1] طبری ج ۵ ص ۲۶۲۷

رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کرکے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ آسکے، عرب اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں،

اختتام جنگ کے بعد معقل، نعمان بن مقرن کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے کچھ کچھ جان باقی تھی، اس حالت میں بھی زبان سے نکلا "مسلمانوں کا کیا انجام ہوا" جواب "خدا نے فتح دی" فرمایا الحمد للہ عمرؓ کو اطلاع دو، یہ مژدہ سنکر جان جان آفریں کے سپرد کی،

حضرت عمرؓ کو مہینوں سے بے قراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا، عین اس حالت میں قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لئے ہوئے پہنچا، فتح کا مژدہ سنکر آپ کو بڑی مسرت ہوئی لیکن جب نعمان کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھکر رونے لگے اور جواہرات فروخت کرکے فوج میں تقسیم کرا دیئے،[1]

ایران پر عام لشکر کشی

حضرت عمرؓ سرزمین ایران کی طرف بڑھنا چاہتے تھے لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے، چنانچہ وہ برابر فوجیں جمع کر رہے تھے، مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے، یزدگرد مرو میں بیٹھا ہوا آئے دن فتنے اٹھاتا رہتا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ کو بڑا تردد تھا اور آپ ان بار بار کی بغاوتوں کو مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے چند مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے اس کا اظہار بھی کیا کہ معلوم ہوتا ہے مسلمان ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں، اس لئے وہ باغی ہو جاتے ہیں" ان لوگوں نے اس کی تردید کی، احنف بن قیس نے کہا امیر المومنین اس کی اصل وجہ یہ ہے

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۱۲،

کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک بڑھنے سے روک دیا ہے اور جس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے، جب تک وہ باقی رہیگا اس وقت تک وہ برابر غدر کرتے رہیں گے، اس لئے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے، ان کا بادشاہ ان کو بھڑکاتا رہتا ہے، جب تک ہم کو اندرون ملک فوجکشی کر کے ان کے بادشاہ کے استیصال کی اجازت نہ ملیگی، اس وقت تک یہ صورت قائم رہیگی جب تک وہ بادشاہ سے مایوس نہ ہوجائیں گے اس وقت تک خاموشی سے نہ بیٹھیں گے حضرت عمرؓ نے احنف کی دانشمندانہ رائے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوجکشی کا ارادہ کرلیا تھا[1]

اس کے کچھ دنوں کے بعد ۱۹ھ میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا انھوں نے بھی یہی کہا "جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے اس وقت تک یہ فتنہ وفساد ختم نہ ہوگا" اس مشورہ کے بعد آپ نے ایران پر عام فوجکشی کا فیصلہ کیا اور ایران کے مختلف حصوں پر کیلئے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کئے، احنف بن قیس کے حصوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا خراسان کی مہم جہاں یزدگرد مقیم تھا سپرد ہوئی، اردشیر اور سابور کا علم مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا عثمان بن ابی العاص کو فسا کا، ساریہ بن زہیم کنانی کو کرمان کا سہیل بن عدی کو سیستان کا عاصم بن عمرو کو مکران کا حکم بن عمیر کو اور آذربیجان کا عتبہ بن فرقد کو عطا ہوا، یہ لوگ ۲۱ھ میں اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہوئے، ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسروں کو مامور کیا،

اصفہان اس سلسلہ میں سب سے اوّل عبداللہ بن عبداللہ نے ۲۱ھ میں اصفہان پر فوجکشی کی یہاں کا رئیس اسپیدان سواد اصفہان میں فوجیں لئے موجود تھا، مقدمۃ الجیش کی کمان آپ پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھوں میں تھی، عبداللہ کے پہنچنے کے ساتھ دونوں میں

---

[1] ابن اثیر ج ص ۱۳، ۲

ایک خونریز معرکہ ہوا، شہریار نے مبارز طلبی کی عبداللہ مقابلہ میں آئے، شہریار مارا گیا اس کے قتل ہوتے ہی جنگ کا خاتمہ ہوگیا اور اسپیدان نے صلح کر لی،

ہمدان کی بغاوت | نعیم بن مقرن ہمدان فتح کر چکے تھے ۲۲ھ میں یہاں بغاوت ہوئی، نعیم نے بغاوت فرو کرکے خاص شہر ہمدان کا محاصرہ کیا، اہل ہمدان نے صلح کر لی، لیکن اس کے بعد ہی دیلم رے اور آذربیجان کے روساء، ابوالفرخان اور اسفندیار اپنی اپنی فوجیں لے کر اہل ہمدان کی مدد کو پہنچ گئے، نعیم کو خبر ہوئی تو مقابلہ کے لئے نکلے، وادی رود میں نہایت خونریز جنگ ہوئی ایرانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی،

اسی سنہ میں براء بن عازب نے قزوین اور زنجان فتح کئے،

رے وغیرہ کی فتح | وادی رود کے معرکہ کے بعد نعیم بن مقرن رے پہنچے، یہاں کے حاکم سیاوش نے جو بہرام چوبین کا پوتا تھا، طبرستان، قومس اور جرجان کے امراء سے مدد طلب کی یہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچے،

رے کا ایک رئیس زینبی جو سیاوش سے کسی بات پر برہم تھا، نعیم سے مل گیا اور حسن تدبیر سے رے پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دیا، یہاں قریب قریب مدائن کے برابر مال غنیمت ملا، اس خدمت کے صلہ میں نعیم نے زینبی کو رے کی حکومت عطا کی اور یہیں سے اپنے بھائی سوید کو بھیجکر قومس پر قبضہ کرایا،

طبرستان | قومس کے بعد ہی طبرستان کی سرحد شروع ہو جاتی ہے، اس لئے اب طبرستان کا نمبر تھا لیکن مسلمانوں کی پیشقدمی سے پہلے ہی سرحدی علاقہ کے باشندوں نے خود پیشقدمی کرکے صلح کر لی، لیکن اندرونی علاقہ اس صلح میں شامل نہ تھا، اس لئے نعیم اندرون ملک جرجان کی طرف بڑھے اور بسطام بھیجکر جرجان کے حاکم زرنان سے نامہ و پیام کیا، اس نے جزیہ قبول کرکے صلح کر لی، اس

مصالحت کی خبر سن کر صوبہ طبرستان کے رئیس اصبہبذ نے بھی اطاعت قبول کر لی اور ۲۲ھ میں
طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہو گیا،

آذربیجان | اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو آذربیجان کی مہم پر مامور کیا تھا، بکیر بن
عبداللہ ان کے شریک تھے، یہ دونوں ۲۲ھ میں آذربیجان کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ بڑھے
کوہستان جرمیدان میں آذربیجان کے حاکم اسفندیار کا جو وادی رود کی مہم سے ناکام واپس
آرہا تھا بکیر بن عبداللہ کا سامنا ہوا، اسفندیار چونکہ شکست خوردہ آرہا تھا، اس لئے بکیر نے اسے
دوبارہ آسانی سے شکست دے کر گرفتار کر لیا، اس کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی، اس لئے بکیر
سے پوچھا کیا چاہتے ہو صلح یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا صلح، اسفندیار نے کہا اگر صلح چاہتے ہو تو
مجھے اپنے پاس روکے رکھو، بکیر نے روک لیا، اس درمیان میں عتبہ بن فرقد نے بھی اپنی سمت
فتح کر لی اور بکیر حضرت عمرؓ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لئے چلے گئے، ان کے جانے
کے بعد اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کی طرف سے بڑھا لیکن عتبہ نے شکست دیدی، اس کے شکست
کھانے کے بعد اسفندیار نے جو عتبہ کے پاس تھا کہا کہ اب جنگ ختم ہو گئی اور عتبہ سے مصالحت
کر لی، اس طرح آذربیجان کا پورا علاقہ صلح مطیع ہو گیا یہ طبری کا بیان ہے، بلاذری کے بیان کے مطابق
آذربیجان کو حذیفہ نے فتح کیا تھا،

آرمینیہ | آذربیجان کے بعد آرمینیہ کا علاقہ تھا، اس پر شام کی فوجکشی کے سلسلہ میں ۱۸ھ میں حملہ ہوا،
تھا لیکن فتح نہ ہوا، دوبارہ آذربیجان کے ساتھ ساتھ سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمٰن نے پھر فوجکشی کی چنانچہ
اس وقت آرمینیہ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی، اور بکیر بن عبداللہ آذربیجان سے اسی مہم کے لئے گئے
تھے، عبدالرحمٰن اس وقت باب میں خیمہ زن تھے، آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہربراز آرمینیوں کو نہایت
ذلیل سمجھتا تھا، چنانچہ وہ عبدالرحمٰن کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ مخلوط النسل ارمنی کتون کا کوئی

حسب نسب نہیں ہے اور کوئی سمجھدار عالی نسب، عالی نسبوں کے مقابلہ میں کمینوں کی مدد نہیں کر سکتا، اس لئے مجھ کو آرمینیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، میرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کر چکے، اس لئے میں بھی تمہارا مطیع اور مددگار ہوں، لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور اپنے دشمنوں (ارمنی) کے مقابلہ میں کمزور نہ کرو، اس کی درخواست سن کر عبدالرحمٰن نے اس کو سراقہ کے پاس بھجوا دیا، اس نے سراقہ سے بھی یہی کہا، انھوں نے کہا کہ جزیہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے اور شہریار کی درخواست منظور کر کے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، انھوں نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲)

باب سے فراغت کے بعد سراقہ نے بکیر بن عبداللہ کو موقان اور حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ کو کوہستان لان کی طرف روانہ کیا، بکیر نے موقان والوں کو مطیع بنایا، عبدالرحمٰن بن ربیعہ مملکت خزر کی طرف بڑھے اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقام بیضا تک بڑھتے چلے گئے،

فارس فارس پر حملہ کے درمیان میں دریا پڑتا تھا، اور حضرت عمرؓ مسلمانوں کو دریا کے خطرات میں ڈالنا نہ چاہتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہو جاتا کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آ سکتے لیکن ایک اولوالعزم جانباز علاء بن حضرمی والی بحرین نے ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا تھا لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا، اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور جو بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت قلق ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کیلئے فوجیں بھجوائیں، انھوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقیماندہ مسلمانوں کو بچایا،

اس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی تو ساریہ بن زنیم کنانی ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے، اہل فارس اس وقت توج میں جمع تھے، لیکن مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے

اور حکومت ان کے لئے متعین کر دی گئی تھی، سیدھے اسی رخ پر بڑھتے چلے گئے، اس لئے اہل فارس بھی توج سے منتشر ہو گئے، ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع ابن مسعود، سابور اور اردشیر خرہ کی طرف بڑھے اور توج میں فارسیوں کا مقابلہ ہوا، مسلمانوں نے شکست دے کر توج کو فتح کر لیا، دوسری طرف عثمان بن ابی العاص اصطخر کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندوں نے مقام جور میں مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی، عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کر لیا، اصطخر کے بعد کازرون، نوبندگان، شیراز، ارجان، سینیز اور جناب وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر قبضہ ہو گیا،

حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت میں یزدگرد کے اشارہ سے فارس میں بغاوت ہو گئی اور بہت سے مفتوحہ مقامات نکل گئے، لیکن حکم بن ابی العاص نے فارس کے مرزبان شہرک کو قتل کر کے بغاوت کو قابو میں کیا،

فارس کے بعض مقامات فسا اور دارابجرد وغیرہ رہ گئے تھے، ساریہ بن زنیم نے سنہ آخر میں ان پر فوج کشی کی، ان کے مقابلہ کے لئے ایرانیوں اور کردوں کا ٹڈی دل امڈ آیا ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کچھ نہ تھی، لیکن ساریہ کی ہمت و شجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کیا اور فسا اور دارابجرد پر قبضہ ہو گیا،

کرمان کرمان کی مہم سہیل بن عدی کے متعلق تھی، فارس کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا چنانچہ سنہ ۲۳ھ میں سہیل بن عمرو نے کرمان پر چڑھائی کی، اہل کرمان قفص وغیرہ کی امداد لے کر مدافعت کے لئے نکلے، سرحد ہی کے پاس فریقین کا مقابلہ ہوا اور معمولی جنگ کے بعد کرمانیوں نے شکست کھائی، یہاں کا مرزبان مارا گیا، اس کے قتل ہونے سے کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیرجان وغیرہ پر قبضہ ہو گیا،

سیستان کرماں کے بعد عاصم بن عمرو نے سیستان پر حملہ کیا، اہل سیستان روکنے کے لئے بڑھے مسلمانوں نے شکست دی اور تعاقب کرتے ہوئے دور تک بڑھتے چلے گئے زرنج پہنچکر اس کا محاصرہ کرکے دریا کا سد کھول دیا، سارے سیستان میں سیلاب آگیا، اہل سیستان نے مجبور ہوکر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دیجائے، مسلمانوں نے منظور کر لیا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی گذر جاتے تھے کہ چھو نہ جائیں[1]،

مکران | سیستان ایران کی آخری حد ہے، اسکے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، اس لئے ایران کی سرحد کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کے حدود کی طرف بڑھا چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے، یہاں کا فرمانروا راسل سندھ کے حکمراں کی مدد لے کر مقابلہ میں آیا دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ایک خونریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی، اس شکست میں مکرانیوں کی بڑی تعداد کام آئی،

حکم نے صحار عبدی کو نامہ فتح اور مال غنیمت دے کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، آپ نے اس سے مکران کا حال پوچھا انھوں نے ان الفاظ میں یہاں کی رائیوں کا نقشہ کھینچا، ارض سهلها جبل وماؤها وشل وتمرها دقل، وعدوها بطل وخيرها قليل وشرها طويل، و الكثير بها قليل، حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام صحار نے عرض کیا واقعی حالات عرض کر رہا ہوں، یہ سنکر آپ نے حکم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیشقدمی روک دیجائے، چنانچہ مشرق میں فاروقی فتوحات کی آخری سرحد یہی ہے لیکن بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ دیبل تک فوجیں پہنچ گئی تھیں، اگر یہ صحیح ہے تو حالات فاروقی ہی میں ہندوستان میں اسلام کا علم پہنچ گیا تھا،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷،

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ

ان فتوحات کے دوران میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، خراسان کی مہم احنف بن قیس سے جنھوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا متعلق ہوئی تھی، چنانچہ انھوں نے سنہ ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی تھی لیکن چونکہ خراسان کی فتح فرمانروائے ایران کا دم واپسین تھی، اس لئے ہم نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب سمجھا،

خراسان پر فوجکشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں تھا، مقدس آگ ساتھ تھی، یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا، اس لئے احنف سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد اس کے مستقر مرو شاہجہان کا رخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا، مرو شاہجہان کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد، مروالرود چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی، احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مروالرود پہنچ گئے، یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا، احنف بھی تعاقب میں پہنچے، یزدگرد شکست کھا کر دریا پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے،

یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیرنگیں ہو گیا، احنف نے مروالرود واپس ہو کر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا، آپ سنکر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا،

یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا، اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ

خراسان آیا احنف اس وقت مروالرود مین تھے، یہیں دونون کا مقابلہ ہوا کچھ دنون فریقین
مین صبح وشام جھڑپ ہوتی رہی، ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج
کے آگے آگے طبل ودمامہ بجاتے ہوئے نکلے احنف نے یکے بادیگرے تینون کو قتل کردیا،
خاقان نے اس سے فال بدلی، اس کو مسلمانون کی قوت کا بھی اندازہ ہوگیا تھا، اس لئے یہ خیال
کرکے کہ مسلمانون سے لڑنے مین اس کا کوئی فائدہ نہین ہے دوسروں کے لئے لڑکر انھین
اپنا دشمن بنانا مناسب نہ ہوگا فوج کو کوچ کا حکم دیدیا،
اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہوکر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی
دولت لیکر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا، ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انھون
نے روکا کہ "چینیوں کا کوئی دین ومذہب نہین ہے، معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کرین گے، ان سے
بہتر مسلمان ہین کہ وہ دین ومذہب رکھتے ہین، عہد کے پابند ہیں" اس لئے چین جانے
سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانون سے صلح کرلیجائے، لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لیجانے
پر مصر ہوا، ایرانیون نے جب دیکھا کہ ملک کی کل دولت نکلی جارہی ہے تو زبردستی چھین
لی، اور یزدگرد ناکام ونامراد ترکستان چلاگیا،
یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیون نے احنف کے پاس جاکر ان سے
صلح کرکے کل خزانہ حوالہ کردیا، مسلمانون نے بھی اس کے صلہ مین ان کے ساتھ ایسا برتاؤ
کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور مسلمانون سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت
اور فارغ البالی نصیب ہوئی وہ اکاسرہ کے زمانہ مین بھی میسر نہ آئی تھی، (طبری ص ۲۶۸۹)
اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمرؓ کو دوسرا خط لکھا، آپ اسے لے کر مسجد
مین آئے اور مسلمانون کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر مؤثر تقریر کی،

"آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی، اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لئے وارث بنایا ہے کہ تمکو آزمائے، اس لئے تم اپنی حالت نہ بدلو ورنہ خدا بھی تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دیگا مجھ کو اس امت کے لئے خود اس کے اندر سے خوف ہے۔"

شام کی فتوحات

اوپر عہد صدیقی میں گذر چکا ہے کہ دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا اسلئے اس کی فتح عہد فاروقی میں عمل میں آئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوران محاصرہ میں دمشق کے بطریق کے گھر بچہ پیدا ہوا، اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پئیں، اور ایسے بدمست ہوکر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ رہی، خالد بن ولید راتوں کو سوتے نہ تھے، بلکہ گھوم پھر کر خبریں لیا کرتے تھے اس لئے انہیں اس کی اطلاع ہوگئی[1]، وہ کمند لگا کر مع چند جانبازوں کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کرکے پھاٹک کھول دیئے، مسلمان باہر منتظر تھے وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہوگئے، اہل شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گئے، ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا وہ سیدھے ابو عبیدہ کے پاس جو دوسری سمت متعین تھے پہنچے، اور ان سے صلح کی درخواست کی، انہیں اس صورت حال کا علم نہ تھا، اس لئے صلح قبول کرلی اور شہر کی ایک سمت سے خالد بن ولید فاتحانہ داخل ہوئے، اور دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ، لیکن ابو عبیدہ چونکہ مصالحت کرچکے تھے اس لئے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا یہ فتح ۱۴ھ میں ہوئی،

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۱۵، [2] یہ طبری کا بیان ہے بلاذری کا بیان ہے کہ کوئی تہوار تھا اور ایک بطریق نے اگر خالدؓ کو اطلاع دی تھی،

اردن کی فتح دمشق تمام شام کا مرکزی شہر تھا، اس کے نکل جانے کا رومیوں کو بڑا صدمہ تھا، اور انھوں نے مسلمانوں کو روکنے کے لئے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں لیکن پھر مسلمانوں کے استقلال کو دیکھ کر انھوں نے مصالحت کی کوشش کی لیکن مفاہمت نہ ہو سکی اور ذی قعدہ ۱۴ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، کئی خونریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہو گیا، کل رعایا ذمی قرار دی گئی عہد نامہ میں رعایا کی پوری املاک زمین مکان، گرجے اور دوسری عبادتگاہیں محفوظ کر دی گئیں

حمص وغیرہ کی فتح دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لئے ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچکر اس کا محاصرہ کر لیا، یہاں حکومت کی کوئی فوج نہ تھی، شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنوں تک مدافعت کرتی رہی لیکن مسلمانوں نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا، اس لئے شہر والوں نے مایوس ہو کر آخر میں صلح کر لی، حمص کے محاصرہ کے دوران میں ابو عبیدہ نے، حماۃ، شیزر اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لئے، حمص کی تسخیر کے بعد یہاں عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر ابو عبیدہ لاذقیہ روانہ ہو گئے، یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا، ابو عبیدہ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا، لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچ گیا کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے اس لئے رک جانا پڑا،

ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد اور ان کا جوش و خروش دمشق اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا، انھوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے اور کوئی طاقت انھیں روکنے والی نہیں، ان کی

فریاد پر ہرقل نے چند معمر اور صائب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ عرب تم سے تعداد اسلحہ اور سروسامان ہر چیز میں کم ہیں پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے" اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا، ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے مقابلہ میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، وعدہ کی پابندی نہیں کرتے، دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا ہے اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہیں[1]"

مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور ان کے مقابلہ میں رومیوں کی درماندگی دیکھکر قیصر شام چھوڑ کر قسطنطنیہ نکل جانا چاہتا تھا، لیکن جوق در جوق بے کس رومیوں کی فریاد سنکر اسے غیرت آگئی، اور وہ پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا، اور تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے لئے فرامین جاری کر دیئے، رومی پہلے سے جذبۂ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے، قیصر کے فرمان نے اور آگ لگا دی، اور انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان اُمنڈ آیا،

مسلمانوں کی تیاریاں رومیوں کی یہ پرجوش تیاریاں دیکھ کر ابو عبیدہ نے افسران فوج سے مشورہ کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، آخر میں یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کیجائیں چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا، چونکہ اس وقت مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس لئے جزیہ کی رقم جو درحقیقت حفاظت کا معاوضہ تھی انہیں واپس

---

[1] طبری ص

کردی گئی[1] اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے،

دمشق میں اجتماع کے بعد ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو ان جدید حالات کی اطلاع بھجوائی رومیوں کی تیاریوں کا حال سنکر اہل مدینہ میں بھی جوش پیدا ہو گیا، اور ہر شخص سر بکف میدان جہاد میں جانے کے لئے آمادہ ہو گیا، حضرت عمرؓ نے تھوڑی سی مزید امدادی سپاہ تمام روانہ کر دی،

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ

اردن کے علاقہ میں یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کیلئے نہایت موزوں اور مناسب تھا، اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی، اس لئے ابو عبیدہ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسی میدان کا انتخاب کیا اور کل فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیں، قریب ہی مقام دیر الجبل میں رومیوں کا ٹڈی دل آکر خیمہ زن ہوا، ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی، سپاہیوں کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے وہ مقدس راہب تک جنھوں نے کبھی حجرۂ عبادت سے باہر قدم نہ نکالا تھا خانقاہوں سے نکلکر عام سپاہیوں کیساتھ ہو گئے تھے، مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی لیکن سب منتخب بہادر تھے، ان میں ایکسو بدری اور ایک ہزار عام صحابہ تھے، رجب ۱۵ھ میں پہلا مقابلہ ہوا، اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور جنگ آیندہ کے لئے ملتوی ہو گئی، التوائے جنگ کے بعد رومیوں نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کیلئے سفیر طلب کیا، ابو عبیدہ نے خالد بن ولید کو بھیجا لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور دوبارہ رومی بڑے جوش و خروش کے ساتھ میدان میں آئے، آگے آگے مقدس پادری ہاتھوں میں صلیبیں لئے ہوے یسوع مسیح کا نام لے لے کر جوش دلا رہے تھے، تیس ہزار رومیوں نے پیروں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ میدان سے منھ موڑنے کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے یہ جوش و خروش دیکھ کر خالد بن ولید نے از سر نو فوجوں کو مرتب کیا اور اس کو جدید طریقہ سے چھتیس حصوں پر تقسیم کر کے صف آرائی کی، مسلمانوں کے صف آرا ہوتے ہی رومیوں نے نہایت

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف،

جوش کے ساتھ حملہ کر دیا مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا اور ایسی خونریز اور گھمسان
جنگ کے ہوئی کہ میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے درمیان میں بعض بعض
موقعوں پر مسلمانوں کا بازو کمزور پڑ گیا لیکن بالآخر میدان انھیں کے ہاتھ میں رہا، رومیوں
نے نہایت فاش شکست کھائی، باختلاف روایت ان کی ایک لاکھ یا ستر ہزار سپاہ کام
آئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا، اس شکست نے رومیوں کی قوت بالکل
توڑ دی، چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو
الوداع کہکر قسطنطنیہ چلا گیا۔[1]

یرموک کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو مژدہ فتح بھیجا، آپ کئی
دن سے انتظار میں سوئے نہ تھے، فتح کی خبر سنکر سجدہ میں گر پڑے، یرموک کے معرکہ نے
رومیوں کی قوت پاش پاش کر دی تھی اس لئے مسلمانوں نے، لوقا، حومہ، سرمین، توزی،
قورس، تل عزاز اور دلوک، وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لئے، حلب
قنسرین اور پایہ تخت انطاکیہ کے رومیوں نے کچھ مزاحمت کی لیکن کوئی بڑی قوت ان کی
مددگار نہ تھی، اس لئے انھوں نے بھی معمولی مزاحمت کے بعد جلد اطاعت قبول کر لی،

بیت المقدس کی فتح اوپر گذر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم عمرو بن العاص کے متعلق تھی، انھوں نے
نابلس، لد، عمواس، اور بیت جبرین وغیرہ فلسطینی علاقے آسانی سے فتح کر لئے فلسطین بلکہ سارے
شام کا مرکزی شہر بیت المقدس باقی رہ گیا تھا، درمیان میں یرموک وغیرہ کی مہم پیش آجانے
کی وجہ سے وہ بیت المقدس کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے، یرموک کے بعد جب رومیوں کی
جانب سے ایک حد تک اطمینان ہو گیا اس وقت عمرو بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ

---

[1] طبری اور بلاذری وغیرہ میں یرموک کی جنگ کی تفصیلات نہایت طویل ہیں ہم نے محض ضروری خلاصہ لکھا ہے،

کیا، عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا اس دوران میں ابو عبیدہ بھی پہنچ گئے، عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی لیکن ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی، اس لیے آخر میں صلح کے لیے تیار ہو گئے، در یہ شرط پیش کی کہ امیرالمومنین خود آکر صلح کا معاہدہ لکھیں، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی آپ نے منظور فرمایا اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب [16] میں بیت المقدس روانہ ہوئے تمام مسلمان افسروں کو اطلاع دیدی گئی تھی، مقام جابیہ میں انھوں نے آپ کا استقبال کیا، ان کے بدن پر دیبا و حریر کی پر تکلف قبائیں تھیں، حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ آگیا اور کنکریاں مار کر فرمایا، تم نے اتنی جلد عجمی عادتیں اختیار کر لیں، ان لوگوں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں" فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آگئے تھے، چنانچہ یہیں معاہدہ لکھا گیا اور اس پر تمام معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے،

یہ عہدنامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفہ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا، اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا طرز عمل دوسرے مذاہب اور ان کی عبادتگاہوں کے ساتھ کیسا تھا، اس لئے بعینہٖ اسکا ترجمہ نقل کیا ہے،

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیرالمومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے کہ نہ اُن کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارہ میں ان پر جبر کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ

یہودی نہ رہنے پائیں گے، ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکالدیں، ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہے جب تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پر پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا میں ہی سکونت اختیار کرنا چاہے اس کے لئے بھی امن ہے، اس کو ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لیکر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں تاآنکہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں، اس تحریر پر خدا، رسول، خلفا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں، اس پر خالد بن ولید عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہیں، ۱۵ھ میں یہ معاہدہ لکھا گیا،[۱]

کسی مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں، جان و مال اور مذہب اس معاہدہ میں یہ تینوں چیزیں محفوظ قرار دیگئیں، یہودیوں کا بیت المقدس سے اخراج عیسائیوں کی رعایت سے تھا کہ وہ ان کے قومی اور مذہبی دشمن تھے، یونانی گو مسلمانوں کے حریف مقابل تھے، لیکن بیت المقدس میں ان کے قیام کی صورت میں ان کے ساتھ بھی اہل ایلیا کی طرح مراعات کی گئیں اور نکل جانے کی صورت میں بھی جان مال اور عبادتگاہیں محفوظ قرار دی گئیں، ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے ساتھ اس سے زیادہ منصفانہ سلوک اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہوئے ابو عبیدہؓ وغیرہ

---

[۱] طبری ص ۲۴۰۲،

افسرانِ فوج نے شہر کے باہر نکل کر استقبال کیا فاتح بیت المقدس کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانون کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اس لباس مین دیکھ کر کیا کہین گے اس لئے انھون نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک پیش کی، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا "خدا نے جو ہمکو عزت دی ہی وہ اسلام کی عزت ہی، اور وہی ہمارے لئے بس ہے اور اسی لباس میں بیت المقدس مین داخل ہوئے، سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں جاکر سجدہ ادا کیا، پھر عیسائیوں کے گرجے کی سیر کیلئے گئے، نماز کا وقت آگیا تھا، عیسائیون نے نماز پڑھنے کی اجازت دی، مگر آپ نے اس احتیاط سے کہ آیندہ مسلمان اس حجت پر گرجا کو مسجد نہ بنالیں باہر نکل کر نماز ادا کی، (فتوح البلدان ص ۱۴۷)

بیت المقدس میں کئی دن حضرت عمرؓ کا قیام رہا، ایک دن حضرت بلالؓ نے شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیان کھاتے ہین، اور عام مسلمانون کو معمولی کھانا بھی نصیب نہین، حضرت عمرؓ نے افسرون کی طرف مستفسرانہ نگاہون سے دیکھا، انھون نے عرض کیا کہ یہان سب چیزین نہایت ارزان ہین، حجاز مین جس قیمت مین روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہان اسی قیمت پر پرند کا گوشت ملتا ہے، اس جواب پر آپ انھین منع تو نہ کرسکے لیکن تنخواہ کے علاوہ سپاہیون کی خوراک بھی مقرر کردی،

ایک دن آپنے حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی درخواست کی، انھون نے فرمایا مین نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ کہونگا، لیکن آج اور صرف آج آپ کی خواہش پوری کرونگا، بلالؓ جب اذان دینے لگے تو صحابہؓ کی نگاہون کے سامنے عہد نبوی کا سمان پھر گیا، سب کی آنکھین بے اختیار اشکبار ہوگئین، حضرت معاذ بن جبلؓ روتے روتے بیتاب ہوگئے، حضرت عمرؓ کو ہچکی لگ گئی،

حضرت عمرؓ بیت المقدس سے واپسی مین مفتوحہ علاقون کا دورہ کرکے سرحدون کی

حفاظت کا انتظام کرتے ہوئے مدینہ واپس تشریف لے گئے

حمص کی بغاوت جزیرہ (مسوپوٹیمیا) جو عراق کا حصہ ہے اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا، اس کی اور شام کی سرحد ملی ہوئی ہے، اس لئے شام کی فتح کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے ملک کے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا، انھوں نے عیسائیوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قیصر روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانوں کے مقابلہ میں دوبارہ اٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں یہ سہارا پاکر قیصر نے امدادی فوجیں روانہ کردیں، دونوں نے مل کر ۱۷ھ میں حمص واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں،

خالد بن ولید کی معزولی شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت خالد کی معزولی کا ہے، عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی خالد کو معزول کردیا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے، چنانچہ جو مورخین اسے ۱۳ھ میں بیان کرتے ہیں وہ بھی ۱۷ھ کے واقعات میں بھی اسے نقل کرتے ہیں، چنانچہ ابن اثیر نے ۱۳ھ میں بھی لکھا ہے، اور ۱۷ھ میں ان کی معزولی کا عنوان الگ قائم کیا ہے۔[۱] (ابن اثیر ج ۲ ص ۷)

یہ واقعہ اس حیثیت سے تو اہم ہی ہے کہ جس جانباز بہادر کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کردیا، حضرت عمرؓ نے عین محاذ جنگ میں اسے معزول کردیا، اس کے علاوہ اور مختلف حیثیتوں سے نہایت سبق آموز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپروائی برتتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب و کتاب نہیں بھیجتے تھے، حضرت عمرؓ کو اسی زمانہ سے ان کی یہ روش ناپسند تھی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی یہی روش قائم رہی، آپ نے انکو

تاکید کی کہ وہ آیندہ سے اس کا خیال رکھین، خالدؓ نے جواب دیا کہ مین ابوبکرؓ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہون، اب اس کے خلاف نہیں کرسکتا، حضرت عمرؓ نے دوبارہ لکھا کہ تم سپہ سالار اسی شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو لیکن اس وقت سے بھی خالد اپنی ضد پر قائم رہے، اس پر بھی حضرت عمرؓ نے معزول نہین کیا بلکہ حضرت ابوعبیدہؓ کے ماتحت کردیا، اس کے بعد ۱۷ھ مین انھون نے ایک شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم دے ڈالی، حضرت عمرؓ نے ان سے بازپرس کی اور ابوعبیدہ کو لکھا کہ اگر خالد نے یہ رقم اپنی جیب ہی سے دی ہے تو اسراف کیا اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی دونون حالتون مین وہ معزولی کے قابل ہین،

جو قاصد یہ حکم لیکر گیا تھا اس نے خالد سے پوچھا کہ یہ رقم تم نے کہان سے دی ہی، اس وقت بھی خالد نے کوئی جواب نہ دیا، اس لئے قاصد نے بھرے مجمع مین نشان معزولی کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتارلی، اور انکی سرتابی کی سزا مین انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی، اس واقعہ سے خالد کی حق پسندی اور حضرت عمرؓ کے دبدبہ دونوں کا اندازہ ہوتا ہی کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع مین معزول کیا جاتا ہی لیکن وہ دم نہین مارتا معزولی کے بعد خالدؓ نے مدینہ واپس آکر حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی داخل کردی، حضرت عمرؓ نے فرمایا خالدؓ، "واللہ تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور مین تمہاری عزت کرتا ہون اور عمال کو لکھ بھیجا کہ مین نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ ان کے کارنامون کی وجہ سے لوگ فتنے مین مبتلا ہو رہے تھے، اس لئے مین نے ان کو معزول کردیا تاکہ لوگون کو یہ معلوم ہو جائے کہ "جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے"[۱]

طاعون عمواس ۱۸ھ مین شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا، اس مین بہت سے مسلمان ضائع

---

[۱] اصابہ تذکرہ خالد بن ولید ج ۲ الیضاً ص ۲۵۲۸،

ہوئے بڑے بڑے نامور بزرگ اس وبا کا شکار ہوگئے حضرت عمرؓ کو بڑا تردد پیدا ہوا آپ
خود انتظام کے لئے شام روانہ ہوئے لیکن شام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جارہا
ہے، اس لئے صحابہ کے مشورہ سے لوٹ آئے، حضرت ابوعبیدہؓ کو بھی پاس بلا بھیجا، انھوں نے
جواب دیا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہوگا، میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ حضرت عمرؓ
یہ خط پڑھ کر بہت روئے اور ابوعبیدہؓ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات
سے ہٹا دو، اس حکم پر انھوں نے فوجیں جابیہ میں جہاں کی آب و ہوا مشہور تھی منتقل کردیں،

ابوعبیدہؓ پر وبا کا اندرونی اثر ہوچکا تھا اس لئے جابیہ آنے کے بعد اس میں مبتلا ہوکر
انتقال کرگئے، انتقال سے پہلے معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین بنا گئے، وبا کا زور بڑھتا جاتا تھا عمرو بن
العاص نے مشورہ دیا کہ اس بلا سے نکل جانا چاہیے حضرت معاذؓ میں بھی مذہب کا نشہ تیز تھا
انھوں نے تقریر کی کہ "یہ بلا نہیں بلکہ خدا کی رحمت ہے، اس میں بڑے بڑے صلحاء نے انتقال
کیا ہے، یہ تقریر کرکے گھر واپس ہوئے تو جوان بیٹے کو بیمار پایا وہ دیکھتے دیکھتے اٹھ گیا لیکن معاذؓ
کے استقلال میں اب بھی فرق نہ آیا، بالآخر انھوں نے بھی اسی بیماری میں جان دی اور عمرو بن
العاص کو اپنا قائم مقام بنا گئے، انھوں نے فوراً فوجوں کو پہاڑی مقامات میں بھیج دیا،

اس وبا میں پچیس ہزار مسلمان ضائع ہوئے، ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم
ہوگئے، اس لئے حضرت عمرؓ نے انتظام کے لئے دوبارہ شام کا سفر کیا، اور اکثر اضلاع کا دورہ
کرکے مناسب انتظامات کئے، فوجوں میں روپیہ تقسیم کیا متوفی مسلمانوں کے ورثہ کو ان کا
ترکہ دلایا، فوج میں جو جگہیں خالی ہوگئی تھیں ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے سرحدی مقامات
میں جاکر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، ان انتظامات سے فراغت کے بعد مدینہ واپس آئے ابھی
ایک مصیبت سے نجات ملی تھی کہ عرب میں قحط ٹوٹ پڑا، حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے

انتظامات کرکے ہزاروں مسلمانوں کو بھوکوں مرنے سے بچالیا،

قیساریہ کی فتح طاعون عمواس سے پہلے ہی قریب قریب پورا شام تسخیر ہو چکا تھا، ایک قیساریہ جو اس زمانہ میں نہایت آباد اور پررونق شہر تھا، باقی رہ گیا تھا، اس پر کئی مرتبہ فوجکشی ہوئی مگر فتح نہ ہو سکا، بالآخر امیر معاویہ نے ۱۹ھ میں اسے فتح کیا، قیساریہ کی فتح کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہو گیا،

مصر کی فتوحات شام کے زیر نگین ہونے کے بعد اس کے ہم سرحد ملک مصر پر فوجکشی ہوئی، اس کی فتح کا سہرا تمامتر حضرت عمرو بن العاصؓ کے سر ہے، ظہور اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ میں اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے، اسی زمانہ سے مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی، اس کے علاوہ مصر پر فوجکشی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کی ماتحت تھی، اور رومیوں کا اس پر پورا اثر تھا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعہ شام میں یا کم از کم اس کے سرحدی علاقوں میں شورش بپا کرا سکتے تھے، اس لئے شام کی حفاظت کے لئے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ سے مصر پر فوجکشی کی اجازت مانگی، آپ نے احتیاط کے خیال سے انکار کر دیا، لیکن پھر عمرو بن العاص کے پیہم اصرار پر رضامند ہو گئے اور چار ہزار سپاہ ساتھ کر دی،

حضرت عمرؓ سے اجازت لینے کے بعد عمرو بن العاص نے ۲۱ھ میں مصر پر فوجکشی کی، اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے، یہاں کی رومی فوجوں نے روکا، عمرو بن العاصؓ نے انہیں شکست دی اور آگے بڑھ کر بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے،

فسطاط کا محاصرہ اور فتح فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد تھا، لیکن یہاں حکومت مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا، جس میں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں، عمرو بن العاصؓ نے ان کا

محاصرہ کر لیا، قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی، اس لئے عمرو بن العاص نے دارالخلافہ سے مزید امدادی فوجیں مانگ بھیجیں، حضرت عمرؓ نے حضرت زبیرؓ بن عوام اور چند صحابہ کو دس ہزار فوجیں دے کر بھیجا، عمرو بن العاص نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا، کامل سات مہینہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی، آخر میں حضرت زبیرؓ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے بعض اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچ کر ان لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے، بدحواس ہو کر قلعہ سے بھاگ نکلے، حضرت زبیرؓ نے قلعہ میں اتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج داخل ہو گئی، یہ صورت دیکھ کر مقوقس فرمانروائے مصر نے صلح کر لی، مقوقس قیصر روم کے ماتحت تھا، قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی تو اس نے مقوقس کو لکھ بھیجا کہ اگر تم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی جو تم نے صلح کر لی اور اسی وقت ایک لشکر گران قسطنطنیہ سے اسکندریہ روانہ کیا،

اسکندریہ کی تسخیر مقوقس صلح پر قائم رہا، اس لئے اب گویا مسلمانوں کا مقابلہ رومیوں سے تھا، رومی فوجیں اسکندریہ میں تھیں اس لئے ۲۱ھ میں عمرو بن العاص نے فسطاط کی فتح کے بعد اسکندریہ کا رخ کیا، راستہ میں جابجا رومیوں اور ان کے ساتھ قبطیوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے، مقام کریون میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا، مسلمانوں نے نہایت فاش شکست دی، اس کے بعد پھر کسی نے راستہ میں روکنے کی جرأت نہ کی، اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، مقوقس فرمانروائے مصر بذات خود لڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن قیصر روم کے خوف سے نہ علانیہ گذشتہ صلح پر قائم رہ سکتا تھا اور نہ مزید صلح کر سکتا تھا، اس لئے وہ بظاہر مقابلہ میں ڈٹا رہا، لیکن خفیہ عمرو بن العاص سے طے کر لیا

کہ "وہ اور اس کی قوم اس جنگ میں دل سے شریک نہیں ہے، اس لئے قبطیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے" چنانچہ قبطی خفیہ مسلمانوں کی مدد بھی کرتے تھے، (مقریزی ج اول ص ۲۶۳)

عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا، مگر کامیابی نہ ہوئی، حضرت عمرؓ کو بڑی تشویش تھی انھوں نے عمرو بن العاص کو خط لکھا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گئے ہو ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی، میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کر دو" اس خط پر عمرو بن العاص نے فوج کے سامنے جہاد پر وعظ کہہ کر اسے گرمایا اور عبادہ بن صامتؓ کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں اسکندریہ فتح ہو گیا، اسی وقت عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوا دی،

متفرق فتوحات اسکندریہ فتح کرنے کے بعد عمرو بن العاص فسطاط واپس آئے، اب مصر میں کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا، لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے مقاموں میں رومی پھیلے ہوئے تھے، فسطاط واپس ہونے کے بعد عمرو بن العاص نے خارجہ بن حذافہ عدوی اور عمیر بن وہب جمحی کو ان اضلاع پر مامور کیا، خارجہ نے، فیوم، اشمونین، اخمیم، سراوات وغیرہ سعید مصر کے علاقوں کو مطیع بنایا اور عمیر نے، تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، وقہلہ، شطا وغیرہ اور عقبہ بن عامر جہنی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا اور چند دنوں میں پورا مصر زیر نگیں ہو گیا،

حضرت عمرؓ پر حملہ اور آپ کی شہادت سنہ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ پیش آیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے پارسی غلام ابولولو نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت بھاری ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اسے کم کرانے کی درخواست کی، آپ نے پوچھا کتنا محصول لیتے ہیں، ابولولو نے کہا دو درہم روزانہ، پوچھا تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا، آہنگری، نجاری اور نقاشی، فرمایا ان تینوں

کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے، اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا، دوسرے دن فجر کی
نماز کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا، جیسے ہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی ابو لولو نے دفعۃً
بڑھ کر مسلسل چھ وار کئے، حضرت عمرؓ زخمی ہو کر گر پڑے آپ کی جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن
عوف نے نماز تمام کرائی، کچھ لوگ ابو لولو کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھے، اس نے انہیں
بھی زخمی کیا، مگر آخر میں پکڑا گیا، گرفتار ہوتے ہی اس نے خودکشی کرلی، نماز تمام ہونے کے
بعد حضرت عمرؓ اٹھا کر لائے گئے، پوچھا میرا قاتل کون تھا، لوگوں نے عرض کیا فیروز، فرمایا
الحمد للہ کہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے،

زخم نہایت کاری تھا بچنے کی کوئی امید نہ تھی، آپ کو آقائے نامدارؐ کی قربت میں
مدفون ہونے کی بڑی تمنا تھی، اس لئے ان پر صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو حضرت عائشہؓ
کے پاس حجرۂ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا، حضرت عائشہؓ
نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی، لیکن عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دونگی، عبداللہ
واپس آئے، آپ نے پوچھا کیا جواب لائے، عرض کی جو آپ چاہتے تھے، فرمایا سب سے
بڑی آرزو یہی تھی، (مستدرک حاکم ج ۳ فضائل عمرؓ)

جانشین | جب صحابہ نے دیکھا کہ آفتاب خلافت عنقریب روپوش ہوا چاہتا ہے، تو جا
نامزد کرنے کے لئے درخواست کی، آپ کے لئے یہ مسئلہ ہمیشہ سب سے اہم تھا، اور اکثر آپ
زندگی میں اس پر غور کیا کرتے تھے، لیکن کسی پر نظر جمتی تھی، اپنے معیار سے سب میں کچھ
نہ کچھ کمی پاتے تھے، بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا نام پیش کیا، فرمایا
جس کو بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ خلافت کا بار کیسے سنبھال سکتا ہے[1]، الا آخر

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۴،

لوگوں کے اصرار پر حضرت علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف چھ آدمیوں کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں، اور جنھیں رسول اللہ صلعم نے جنت کی بشارت دی تھی نامزد کر کے فرمایا کہ ان میں جس پر کثرتِ رائے ہو جائے، اسے امیر بنانا اور تاکید کر دی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے، اور حضرت صہیبؓ کو حکم دیا کہ میرے دفن سے فراغت کے بعد چھوؤں آدمیوں کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جب تک ان میں سے کسی کا انتخاب نہ ہو جائے، اس وقت تک نہ کھولنا، عبداللہ (آپ کے صاحبزادہ) مشورہ میں شریک رہیں گے، لیکن امارت سے انھیں کوئی تعلق نہ ہوگا، کثرتِ رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا، (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۴۵ و تاریخ الخلفاء)

آخری وصیتیں | نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین، انصار، اعراب، اہل عرب اور ذمیوں کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور ان میں سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی کہ ذمیوں سے جو اقرار ہے اسے پورا کیا جائے، ان کے دشمنوں سے لڑا جائے، اور ان کی طاقت سے زیادہ انکو تکلیف نہ دی جائے، (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۴۶)

قومی امور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے، اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا قرض ادا کرنا، اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا، اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش سے، قریش کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا، (بخاری)

وفات | ان وصیتوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شنبہ کے دن، اس دنیا کو خیرباد کہا، وصیت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدارؐ کے پہلو

میں سپرد خاک کئے گئے انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی، مدت خلافت ساڑھے تیرہ سال

اولاد | وفات کے بعد حسب ذیل اولادیں یادگار چھوڑیں، عبداللہؓ، عاصمؓ، عبدالرحمنؓ،
زید، مجیر، ان میں تینؓ اول الذکر اولادیں زیادہ نامور ہوئیں، اولاد اناث میں ام المومنین
حفصہؓ اور رقیہؓ تھیں، آخر عمر میں خاندان نبوت سے شرف انتساب حاصل کرنے کے لئے
حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے چالیس ہزار مہر پر عقد کیا تھا،

-------- ٭٭٭ --------

فاروقی کارنامے

فتوحات کی کثرت، محاصل کی فراوانی، انتظامات کی خوبی، جور وظلم کی بیخ کنی، عدل و انصاف، اور امن و امان کے قیام ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف و کمالات کے لحاظ سے جو کسی حکومت یا فرمانروا کے لئے طغرائے امتیاز ہو سکتے ہیں، دنیا کا کوئی حکمران فاروق اعظمؓ کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا،

فتوحات پر تبصرہ آپ کے دس سالہ دور حکومت میں ایران و روم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اڑ گئے، اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے حدود تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا، اور اس احتیاط کے ساتھ کہ ان ساری فتوحات میں ظلم و جور کا ایک واقعہ بھی نہیں پیش آیا،

فاروقی فتوحات کے مقابلہ میں چنگیزی اور تیموری فتوحات کو پیش کرنا اور یہ کہہ کر اسلامی فتوحات کی اہمیت گھٹانا کہ اس زمانہ میں ایران و روم کی سلطنتیں کمزور ہو چکی تھیں، کس قدر غلط ہے،

بلاشبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے ایک عالم کو زیر نگین کر ڈالا، لیکن وہ صرف جہانگیر تھے، جہاندار نہ تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کے ساتھ ایران و روم فتح ہوئے، اس احتیاط کے ساتھ دنیا کا کوئی حکمران زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کر سکتا، چنگیز و تیمور وغیرہ طوفان کی طرح ایک عالم پر چھا گئے، لیکن جب یہ طوفان

تھا تو انسانی لاشوں کے انبار اور تباہ شدہ کھنڈروں کے علاوہ اور کوئی شے نظر نہ آتی تھی وہ جن جن ملکوں سے گذرے انھیں ویرانہ بنا دیا، اس کے برخلاف عہد فاروقی میں خون ناحق کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا، ملکوں کا تباہ کرنا تو بڑی بات ہے، ہری بھری کھیتیوں اور شاداب درختوں تک کو نہ کاٹتے تھے، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت تھی، پھر مسلمانوں نے جس ملک میں قدم رکھا اپنے عدل و انصاف اور حسن اخلاق سے اس ملک کے باشندوں کو ایسا گرویدہ بنالیا کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں ان کے معاون و مددگار بن گئے، انھوں نے نہ صرف قوموں کے دل و دماغ کو مسخر کرلیا، بلکہ بعض حالتوں میں مفتوح قوموں نے ان کا مذہب بھی قبول کرلیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے وہ سب کے سب مسلمان ہیں اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں،

یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ ظہور اسلام کے وقت روم اور ایران کی سلطنتوں کی پرانی قوت اور وہ عظمت و شان باقی نہ رہ گئی تھی اور قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال ختم ہو چکا تھا، لیکن اس انحطاط سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی سلطنتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں، لیکن کیا وہ عرب جیسی بے سروسامان قوم کی ٹکر بھی برداشت نہ کر سکتی تھیں، وہ کسی حالت میں بھی ہی رومی اور عجمی بہرحال عربوں سے فائق تھے، فنون جنگ کی واقفیت، رسد کی فراوانی، آلات جنگ کا تنوع، کسی چیز میں عرب ان کے پاسنگ نہ تھے، ان کے پاس معمولی آلات اور تکمیل پری تک کا سامان نہ تھا، ایسی حالت میں عربوں سے ٹکرا کران کا پرزے اڑ جانا حیرت انگیز واقعہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان میں ایسا جوش، عزم، استقلال ہمت، حوصلہ مندی، دلیری، اخلاق، حمیت، عدل و انصاف، دیانت و راست بازی پیدا کردی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس میں ایسی جلا دے دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی

حضرت عمرؓ کا حقیقی کارنامہ

حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے عہد کی فتوحات نہیں، بلکہ یہ ہے، کہ انھوں نے مذہبی بنیادوں پر ایسے آئین حکومت وضع کر دیئے اور ایسا جمہوری اور عادلانہ نظام قائم کر دیا جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا، اور جس سے بڑھ کر عادلانہ اور جمہوری نظام اس دور ترقی میں بھی نہیں پیش کیا جا سکتا، آیندہ سطور میں اسی نظام کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائیگا،

جمہوریت

اسلام کا نظام جمہوری ہے، حضرت عمرؓ نے اسی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کا نظام قائم کیا، اس نظام میں کوئی اہم کام بغیر اہل الرائے صحابہ کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا[1] خاص خاص حالات میں عامۂ مسلمین کا مشورہ بھی ضروری ہوتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے لاخلافۃ الا عن مشورۃ[2]،

حضرت عمرؓ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بند کی رکھی تھی، چنانچہ اسکو متعدد مواقع پر واضح کیا ہے، ایک موقعہ پر فرمایا ہے کہ "تمھارے مال میں سے مجھ کو صرف اسی قدر حق ہے، جس قدر ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے، اگر میں دولت مند ہونگا تو کچھ نہ لونگا، اور اگر حاجتمند ہونگا تو صرف کھانے کے بقدر لے لونگا، میرے اوپر تمھارے متعدد حقوق ہیں، جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیئے، ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بیجا طور سے جمع کیا جائے اور نہ بیجا طور سے صرف ہونے پائے، دوسرے یہ کہ میں تمھارے روزینہ بڑھا دوں، سرحدوں کی حفاظت کروں اور تم کو خطروں میں نہ ڈالوں[3]" ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ "میں تم کو مجبور کرونگا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے، اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ، میری حیثیت تمھاری جماعت میں صرف ایک فرد کی ہے میں نہیں چاہتا

---

[1] طبری ص ۲۵۷۴، [2] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۹، [3] کتاب الخراج ص ۶۷،

کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو" اس سے زیادہ جمہوریت کے کیا اجزا ہیں،
روزانہ کے پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لئے اہل الرائے صحابہ کی مجلس شوریٰ تھی، اس کے علاوہ مہمات امور کے لئے ممتاز مہاجرین و انصار کی خاص مجلس ہوتی تھی، ہر مسلمان کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا، معمولی معمولی مسلمان برسر عام حضرت عمرؓ کو ٹوک دیتے تھے،

حضرت عمرؓ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا، اس وقت کوئی بڑا نظام حکومت نہ تھا۔ آپ نے دس سالہ عہد حکومت میں نہایت وسیع نظام قائم کر دیا، تمام مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین مشرق میں خراساں، آذربیجان اور فارس کے تین صوبے علیحدہ تھے، ہر صوبہ میں حاکم اعلیٰ میر منشی، دفتر فوج کا میر منشی، کلکٹر، افسر پولیس، خزانچی اور قاضی ہوتے تھے، بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا، لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری بھی حاکم عام سے ہی متعلق ہوتی تھی، اضلاع میں صرف کلکٹر، افسر خزانہ اور قاضی ہوتے تھے،

عہدہ داروں کا انتخاب دوسرا مرحلہ عمال کے انتخاب کا ہے، حضرت عمرؓ اس میں بڑی احتیاط برتتے تھے، اس معاملہ میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی کہ جس کام کیلئے جس کو منتخب کر لیتے تھے دوسرا اس کے لئے نہ مل سکتا تھا، اسی لئے جو شعبہ جس سے متعلق ہوتا تھا اسے وہ درجۂ کمال تک پہنچا دیتا تھا، اس جوہر شناسی کے باوجود اہم عہدہ داروں کا انتخاب بھی مشورہ سے کرتے تھے،

عمال کے اختیارات و رائض اور انکا محاسبہ انتخاب سے بھی زیادہ دشوار مسئلہ عمال لوگوں کے اختیارات اور ان کے احتساب کا ہے، اس باب میں حضرت عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ ہر عامل کے

تقرر کے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے تھے، جس میں اس کے اختیارات کی تصریح ہوتی تھی، جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا تھا، وہاں یہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا[1] کہ وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے، ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا تھا کہ "وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنیگا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائیگا، دروازہ پر دربان نہ رکھیگا، اہل حاجت کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھیگا[2]" عمال کی روانگی کے وقت انکے سامان کی ایک فہرست محفوظ کر دیجاتی تھی، واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال و اسباب نکلتا تھا، اس سے مواخذہ کیجاتی تھی، اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا[3]،

تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ میں حاضری کا حکم تھا، ان کی موجودگی میں اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو پیش کرے[4]، چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے، حضرت عمرؓ فوراً اس کا تدارک فرماتے تھے، حج کے موقع پر تمام ملک کے مسلمان جمع ہوتے تھے، اس لئے شکایات معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا، اگر کوئی عامل ملاوجہ کسی پر کوئی زیادتی کرتا تھا، تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں سزا دیتے تھے، جس کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، کبھی کبھی عمال کی شکایت پر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرتے تھے، عمال کو ترفع شان، اور رعب وغرور پیدا کرنے والی چیزوں سے روکتے تھے، جس عامل کے بارہ میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں بار نہیں پاتے اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے، عیاض بن غنم عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمل کا کرتہ پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں حضرت سعد بن ابی وقاص عامل کوفہ سے محل جلوایا، جس میں ڈیوڑھی تھی، حضرت عمرؓ

---

[1] طبری ص ۲۷۴۴ و اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن یمان [2] کتاب الخراج ص ۶۶ [3] فتوح البلدان ص ۲۱۹ [4] طبری ۲۶۸

کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی اور بہت سے عاملوں کو اس قسم کی سزائیں دیں، عمال کی اخلاقی نگہداشت کا بھی خاص اہتمام تھا،

صیغۂ عدالت | شروع میں بعض ابتدائی انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کچھ دنوں تک انتظامی اور عدالتی صیغے ایک رہے، لیکن جب پورا انتظام قائم ہوگیا تو قضا کا محکمہ مستقل کر دیا، تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، قاضی مقرر کئے اور قضا کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا جس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے،

اما بعد۔ قضا ایک ضروری فرض ہے، لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو، تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور معزز آدمی کو رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے، صلح جائز ہے، مگر وہ صلح جس سے حرام، حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے، کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو، جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کر دو، اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کرو، ان اشخاص کے سوا جن کو سزا میں درے لگائے گئے ہوں، یا جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہو ...

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ

مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، اگر قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو

ؔ۱ یہ فرمان طبقات الفقہاء بیہقی، اور ماوردی بہت سی کتابوں میں ہے،

توحدیث کی طرف رجوع کرو، اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے، اور نہ اجتہاد سے کام لو[1]

قضاۃ کی خدمت بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس لئے حضرت عمرؓ قضاۃ کے انتخاب مین بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس کے لئے انہی بزرگوں کا انتخاب کرتے تھے جن کا علم تقویٰ وجاہت اور قوت فیصلہ مسلم تھی، چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابتؓ تھے، کوفہ کے عبداللہ بن مسعودؓ اور قاضی شریح دوسرے مقامون کے جمیل بن المعمر، ابومریم حنفی، سلمان بن ربیعہ باہلی، عبدالرحمن ابن ربیعہ، عمران بن حصین اور ابوقرہ کندی وغیرہ وہ بزرگ ہین جن کی علمی حالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے ہوسکتا ہے، کبھی کبھی مزید احتیاط کے خیال سے، امتحان بھی لے لیتے تھے،

رشوت کے انسداد کے لئے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچسو درہم تھی[2]،

یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولتمند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہیں ہوسکتا اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز شخص فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب داب سے متاثر نہ ہوگا[3]،

ان احتیاطون کے ساتھ قضاوت کے اصل مقصد یعنی عدل و انصاف مین مساوات کیلئے عملی کوششیں کیں، قضاۃ کو عدل و مساوات کا سبق دینے کے لئے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت مین جاتے تھے،

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعبؓ سے کچھ نزاع ہوگئی، ابیؓ نے زید بن ثابتؓ کے یہان مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ مدعی علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے، زیدؓ نے تعظیم کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق ابیؓ کے ساتھ بیٹھ گئے، زیدؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا، اور

---

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴، [2] فتح القدیر [3] اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع،

حضرت عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا، ابیؓ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابت نے آپ کے رتبہ کا پاس کر کے ابیؓ سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو، حضرت اس ترجیح پر آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا جب تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصب قضا کے قابل نہیں ہو سکتے،

آپ کے ایوان عدالت میں ادنیٰ و اعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے، ان میں سے کوئی بھی تاوان کی سزا سے نہ بچ سکتا تھا، ارکان حکومت کو علی الاعلان سزا دیتے تھے، ایک مرتبہ عہدہ داران حکومت کو حج کے موقع پر طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ جس کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے لگائے ہیں فرمایا "اٹھ کر بدلہ لو" عمرو بن العاص بھی موجود تھے، انھیں بر سر عام عمالان حکومت کی توہین ناگوار ہوئی، حضرت عمرؓ سے کہا "امیر المومنین اس طرز عمل سے تمام عمال بددل ہو جائیں گے" فرمایا "لیکن میں ایسا ضرور کرونگا" اور مستغیث کو حکم دیا کہ اپنا کام کر، آخر عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ دو سو دینار لے کر اپنے دعویٰ سے باز آجائے[1]،

اپنے بیٹے ابو شحمہ کو شراب پینے کے جرم میں اسی کوڑے مارے جس کے صدمہ سے وہ قضا کر گئے[2] قدامہ بن مظعون کو جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے، اسی جرم میں اسی کوڑے لگوائے تھے[3]، اس قبیل کے ایک دو نہیں سیکڑوں واقعات ہیں لیکن ان کا استقصار مقصود نہیں ہے،

پولیس | ایک متمدن حکومت کے لئے پولیس کا شعبہ نہایت ضروری ہے کہ قیام امن کا مدار اسی پر ہے، حضرت عمرؓ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا، پولیس کو احداث کہتے تھے، قیام امن کے علاوہ

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۶، [2] معارف ابن قتیبہ، [3] ابن سعد تذکرہ قدامہ بن مظعون،

پولیس کے متعلق احتساب کی خدمت بھی تھی،

جیل خانے عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا رواج نہ تھا، غالباً اسی کی تلافی کے لئے جرائم کی سخت سزائیں مقرر تھیں، حضرت عمرؓ نے جیل خانے قائم کئے، مکہ میں صفوان ابن امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنایا[1] اس کے علاوہ اضلاع میں بھی جیل خانوں کے نام ملتے ہیں، چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا[2] جیل خانہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے بعض غیر منصوص سزاؤں میں تبدیلیاں کیں، مثلاً عادی شرابیوں پر حد جاری کرنے کے بجائے قید کی سزا مقرر کی،

صیغہ محاصل خراج و محاصل کے نظم و نسق سے بھی عرب ناآشنا تھے، حضرت عمرؓ نے اس کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا، لیکن چونکہ عرب اس سے ناواقف تھے اس لئے ابتدا میں اسکی مخالفت ہوئی، چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے عراق کے بندوبست کی طرف توجہ کی تو امرائے فوج نے اس کی مخالفت کی، ان کی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقے، فاتحین کو بطور جاگیر کے دیدیئے جائیں، حضرت عمرؓ اسے حکومت کی ملک قرار دینا چاہتے تھے، اس لئے اس مسئلہ پر بڑا اختلاف رہا اور بڑے بحث و مباحثہ کے بعد بالآخر کثرت رائے سے حضرت عمرؓ ہی کی تجویز پر فیصلہ ہوا، اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیمائش کرا کے زمینوں کا بندوبست کرایا، اس بندوبست میں زمینداری اور تعلقداری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا زمینیں ان کے مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں اور ان کی حیثیت اور پیداوار کے اقسام کے لحاظ سے مختلف شرح مالگذاری تشخیص کر دی گئی، اس کی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی، شاہی خاندان کی جاگیروں، آتشکدوں کے

---

[1] مقریزی ج ۲ ص ۱۸۷، [2] فتوح البلدان ص ۲۸۳،

اوقاف لاوارثوں کی زمینوں اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دیا گیا، مالگذاری کی تشخیص میں ذمیوں کی رضامندی کا لحاظ رکھا گیا اور زمینوں پر اتنی مالگذاری تشخیص کی گئی کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجایش باقی رہے محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ اس میں ظلم و زیادتی کا کوئی حصہ نہیں ہے،

اس احتیاط اور نرمی کے باوجود عراق کے خراج میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا، اور اسکی مقدار آٹھ کروڑ سے بڑھ کر دس کروڑ بیس ہزار درہم ہو گئی[۱]

عراق کے علاوہ اور کسی ملک میں کوئی نیا بندوبست نہیں کیا گیا، بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام علی حالہ قائم رکھا گیا، مثلاً مصر میں رومیوں کا مقرر کردہ نظام قائم رکھا، لیکن رومی حکومت خراج کی مقررہ مقدار کے علاوہ اپنی فوج کے لئے جو رسد لیتی تھی، اسے موقوف کر دیا،

مصر کی پیداوار کا دارومدار نیل پر ہے اس کے مدوجزر کے تناسب سے پیداوار میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، اور چونکہ یہ مدوجزر ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا، اس لئے مصر کی پیداوار کا کوئی دائمی تخمینہ بھی نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے مصر کے محاصل کی کوئی عام اور دائمی شرح معین نہ تھی ہر سال کی پیداوار کا کاشتکاروں اور زمینداروں کے مشورہ سے اندازہ لگا کر ایک مجموعی رقم تشخیص کر دی جاتی تھی، اور وہ پرتے سے تمام مواضعات پر پھیلا دی جاتی تھی نقدی مالگذاری کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ سے زیادہ نہ تھی اور یہ شرح استمراری تھی یعنی اس میں کبھی اضافہ نہیں ہو سکتا تھا، شام میں قدیم یونانی بندوبست قائم رکھا، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے اول

---

[۱] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف اور فتوح البلدان بلاذری وغیرہ میں عراق کے بندوبست کے حالات نہایت مفصل ہیں، ہم نے صرف ضروری باتیں لکھی ہیں،

بہت سی اصلاحیں کیں، مصر و شام وغیرہ میں جاگیرداری کا قدیم سسٹم جاری تھا اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ خالصہ شاہی ارکانِ دولت اور افسران فوج کی جاگیر میں تقسیم تھا، ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں بہت کم حصہ تھا اور جس قدر تھا اس کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی، حضرت عمرؓ نے یہ طریقہ توڑ دیا اور زمینیں ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں دیدیں، اور ان کو مسلمانوں کے قبضہ سے بچانے کے لئے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہیں کرسکتا، مدتوں یہ قانون جاری رہا، عباسی دور میں لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو امام مالک اور نافع بن یزید وغیرہ ائمہ مذہب نے اس پر اعتراض کیا[1] اس کے علاوہ ان ممالک کے آباد شدہ عربوں کے لئے زراعت کا پیشہ قانوناً ممنوع کردیا، ایک عرب نے ایک مرتبہ مصر میں زراعت کرلی تو حضرت عمرؓ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا، اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو[2]

زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لئے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا، وہ اس کی ملک ہو جائیگی، لیکن زمین لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا، اس قانون سے افتادہ زمینیں بہت جلد آباد ہوگئیں،

محکمہ آب پاشی زراعت کی سیرابی کے لئے نہریں جاری کیں، بند باندھے، تالاب بنانے پانی کی تقسیم کے لئے دہانے بنانے، نہروں کی شاخیں نکالنے اور اس قسم کے کاموں کیلئے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا، مقریزی کا بیان ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے اس کام میں لگے رہتے تھے[3] نہروں کے حالات آیندہ آئیں گے،

اور مختلف قسم کی آمدیاں خراج کے علاوہ آمدنی کے اور ذرائع حسب ذیل تھے، زکوٰۃ، عشور،

---

[1] مقریزی ج اول ص ۲۹۵، [2] حسن المحاضرہ ص ۹۳، [3] مقریزی ج ا ص ۷۶،

جزیہ اور مالِ غنیمت، زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی، عشور تجارتی ٹیکس تھا، پہلے یہ ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا، لیکن جو مسلمان غیر ممالک میں تجارتی سامان لے کر جاتے تھے، ان سے وہاں کی حکومتیں دس فیصدی ٹیکس لیتی تھیں، اس لئے حضرت عمرؓ نے بھی بیرونی تاجروں کے سامان تجارت پر اسی قدر ٹیکس مقرر کر دیا، پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیوں اور مسلمانوں سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا، ذمیوں کے لئے پانچ فیصدی تھا اور مسلمانوں کے لئے ڈھائی فی صدی، حضرت عمرؓ کا عہد فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں نہایت ممتاز ہے، اس لئے اس زمانہ میں غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوئی، جزیہ کی تفصیل آئندہ آئے گی،

بیت المال حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں بیت المال قائم ہو گیا تھا، اس کے لئے انھوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی، لیکن اس کے آباد ہونے کی نوبت نہیں آئی، حضرت عمرؓ نے دارالخلافہ اور تمام صوبوں اور مرکزی مقامات پر بیت المال قائم کئے، اور ان کے لئے وسیع عمارتیں بنوائیں، اور ان پر نہایت لائق اور دیانتدار افسر مقرر کئے، دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن ارقمؓ تھے، کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اصفہان کے خالد بن حرث، کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی[1]

بیت المال کے مداخل و مخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی، یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی تھی وہ صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیجی جاتی تھی، حضرت عمرؓ اس کے متعلق عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے، چنانچہ مصر کے والی عمرو بن العاصؓ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ "خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو

---

[1] طبری حالات آبادی کوفہ،

کچھ بچ جائے اس کو میرے پاس بھیجدو[2]

صیغۂ فوج | حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا، حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ

میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم صیغہ فوج قائم کیا اور قریش وانصار

کے نام درج رجسٹر کرا کے باختلاف مدارج ان کی تنخواہیں مقرر کیں جن کی مقدار دو سو میں

درہم سالانہ سے لیکر پانچہزار سالانہ تک تھی[1]

تنخواہ داروں کی بیوی اور ان کے بچوں کو بھی وظائف ملتے تھے جن لوگوں کی

جتنی تنخواہ مقرر ہوتی تھی، ان کے غلاموں کو بھی اسی قدر ملتی تھی، ان میں دو قسم کے لوگ

تھے، ایک وہ جو ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول رہتے تھے، یہ گویا باقاعدہ فوج تھی، دوسرے

جو اپنے گھروں پر رہتے تھے اور ضرورت کے اوقات میں طلب کئے جاتے تھے، انہیں

ہم آجکل کی اصطلاح میں رضا کار کہہ سکتے ہیں لیکن تنخواہیں دونوں کو ملتی تھیں،

سارے ممالک محروسہ میں فوجی مرکز قائم کئے جنہیں جند کہتے تھے، چنانچہ مدینہ، کوفہ،

بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن وغیرہ بڑے بڑے فوجی مرکز تھے، بلکہ کوفہ،

بصرہ اور فسطاط تو فوجی ضرورت ہی کے لئے آباد کئے گئے تھے، ان مرکزوں میں صیغۂ فوج

کے حسب ذیل انتظامات تھے،

(۱) فوجوں کے لئے چھاؤنیاں تھیں اور بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں چار چار ہزار

گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت فوراً سوار

دستہ تیار ہو جائے[3]

(۲) ہر اصطبل کے متعلق چراگاہیں تھیں، مدینہ کی چراگاہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے

---

[1] کنز العمال [2] کتاب الخراج اور فتوح البلدان وغیرہ میں اس کا پورا نقشہ دیا ہے [3] طبری ص ۲۵۰۴،

اپنے اہتمام میں رکھا تھا[1]، عمدہ نسل کے گھوڑوں کی پرورش کا خاص اہتمام تھا،

(۳) فوج کے متعلق جملہ کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتے تھے،

(۴) رسد کے گودام یہیں تھے، فوج کا سامان رسد جمع کیا جاتا تھا، اور یہیں سے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا،

ان مرکزی مقامات کے علاوہ تمام ممالک محروسہ میں جہاں جہاں ضرورت تھی بکثرت چھاؤنیاں قائم کیں خوزستان کے علاقہ میں جگہ جگہ چھاؤنیاں تھیں[2]، عجم میں ایرانی حکومت کی جو پرانی چھاؤنیاں تھیں، ان سب کو از سر نو ان کو تعمیر کرایا[3]، جو نیا مقام فتح ہو جاتا تھا، وہاں بقدر ضرورت فوج متعین کر دی جاتی تھی[4]،

سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کی حفاظت کا مستقل اور باضابطہ انتظام کیا، اس صیغہ کے افسر اعلیٰ عبداللہ بن قیس تھے[5]، ضروری مقامات میں جابجا قلعے بنوائے،

فوجی بھرتی کو اتنی وسعت دی کہ مہاجرین وانصار سے بڑھتے بڑھتے سارے عرب کو محیط ہو گیا، تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی، اور اس میں ہر سال تیس ہزار فوج کا اضافہ ہوتا تھا[6]،

فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لئے کھلے ہوئے تھے، اس میں عجمی، رومی، یہودی اور ہندوستانی سب شامل تھے، جن کا ذکر فتوحات کے حالات میں ملتا ہے،

سپاہیوں کی تنخواہ کم سے کم دو سو سالانہ سے تین سو تک تھی، اور افسروں کی سات ہزار سے دس ہزار تک، فوجیوں کے بچوں کے لئے علحدہ وظیفے مقرر تھے، ہر سپاہی کو تنخواہ کے

---

[1] چراگاہوں کے تفصیلی حالات خلاصۃ الوفا میں ہیں [2] طبری ص ۲۶۵ [3] فتوح البلدان ص ۳۲۵،

[4] ایضاً ص ۱۲۰ و ۱۵۱، [5] طبری ص ۲۵۲۲، [6] کنز العمال ج ۲ ص ۳۳۱،

علاوہ مہینہ میں خوراک کے لئے ایک من غلہ بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ ملتا تھا،

ابتدا میں رسد کا انتظام ضرورت کے وقت ہوتا تھا، پھر اس کا مستقل محکمہ قائم کیا جسکا نام اہراء تھا[1] مفتوحہ ممالک سے پہلے غلہ کی صورت میں پھر نقد کی صورت میں رسد لیئے ایک مقررہ رقم لی جاتی تھی،

فوج کی صحت و تندرستی اور آرام و آسایش کا خاص اہتمام تھا، ۱۷ھ میں مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے جب فوج کی تندرستی پر خراب اثر پڑا تو حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجیں موسم بہار میں سرسبز و شاداب مقام پر چلی جایا کریں[2]،

چھاؤنی کے انتخاب میں آب و ہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا، بارکین وسیع تعمیر کیجاتی تھیں اور ان کے لئے کھلے میدان چھوڑ دیئے جاتے تھے، گرم ملکون پر سردیوں اور سرد ملکون پر گرمیوں میں فوجکشی ہوتی تھی، فوجون کے لیئے شہسواری، تیر اندازی، تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ضروری تھی، ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا آرام کے لئے ملتا تھا، ہر چہار مہینہ میں رخصت ملتی تھی،

فوج کا اسٹاف افسر خزانہ، محاسب، قاضی، مترجم اور طبیب و جراح پر مشتمل تھا، سفر مینا یعنی راستہ صاف کرنے سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قومون سے لیا جاتا تھا، چنانچہ مصر میں یہ خدمت قبطیوں نے انجام دی تھی[3]،

خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا، ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے تھے جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچاتے رہتے تھے[4]، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی

---

[1] طبری ص ۲۵۲۶، [2] ایضاً ص ۲۴۸۶، [3] مقریزی ج ۱ ص ۱۶۳، [4] طبری ص ۲۲۰۸،

فوجیں جس حصّہ میں بھی ہوتی تھیں لیکن ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں رہتی تھی، اور ان کے بغیر ان کا ایک قدم نہ اٹھ سکتا تھا،

صیغہ تعلیم و اشاعتِ اسلام

حضرت عمرؓ نے تعلیم کو بڑی ترقی دی، لیکن یہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی، اس لئے اسے صیغۂ مذہبی کے تحت میں لکھا جاتا ہے، اس صیغہ کا سب سے بڑا کام اسلام کی اشاعت تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی لیکن جبر سے نہیں بلکہ اسکے محاسن کی تبلیغ کے ذریعہ سے، حضرت عمرؓ جبر سے اسلام منوانے کے بالکل خلاف تھے، ایک مرتبہ جب ان کے غلام نے تبلیغِ اسلام کے بعد اس کے قبول کرنے سے انکار کیا تو انھوں نے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن کہہ کر چھوڑ دیا[1]،

حضرت عمرؓ نے تبلیغ اسلام کی مختلف شکلیں اختیار کیں،

جب کسی ملک پر فوجکشی ہوتی تھی تو افسر فوج کو تاکید تھی کہ وہ پہلے اسلام پیش کرے، چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ فاتحِ ایران کو جو خط لکھا تھا اس میں تھا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلام پیش کرو،

تبلیغ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر مذاہب والوں کے سامنے اسلام کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جائے، جسے دیکھ کر وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جائیں، حضرت عمرؓ کا اس سلسلہ میں اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تعلیم و ارشاد اور احتساب سے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تصویر بنا دیا تھا جسے دیکھ کر غیر قومیں خود بخود اسلام کی طرف کھنچتی تھیں، شام کی فتوحات میں رومیوں کا سفیر جارج اسی اثر سے مسلمان ہوا[2]، مصر کی حکومت کا ایک نہایت معزز رئیس شطا مسلمانوں کے حالات ہی سنکر اسلام کا گرویدہ ہو گیا، اور دو ہزار آدمیوں

---

[1] کنز العمال ج ۵ ص ۴۹، [2] بلاذری فتوحات شام،

کے ساتھ اسلام قبول کیا[۱] دمشق کی فتح کے بعد یہاں کا لستیپ خالد بن ولید کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا[۲]

اس کے علاوہ فاروقی عہد میں اور مختلف اسباب کی بنا پر بکثرت غیر قومیں مسلمان ہوئیں، افسوس ہے کہ مسلمان مورخین نے کہیں ایک جگہ اشاعت اسلام کے حالات نہیں لکھے ہیں، صرف ضمناً جا بجا اس کا تذکرہ ملتا ہے،

حلولا کی فتح کے بعد یہاں کے بڑے بڑے امرا اور روسا نے بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا[۳] قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایران کا شاہی رسالہ جس کی تعداد چار ہزار تھی مسلمان ہوگیا[۴] یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر سیاہ کئی سو بہادروں کے ساتھ مسلمان ہوگیا[۵] اسکے اسلام سے سیابجہ، زط، اور اندغار کی قومیں جو ایرانی فوج میں بھرتی تھیں، مسلمان ہوگئیں مصر کے قصبہ بلہیت کے کل باشندے مسلمان ہوگئے[۶] دمیاط کی فتح کے بعد بقارہ اور وارادہ سے لے کر عسقلان تک پورے علاقے میں اسلام پھیل گیا[۷] شہر فسطاط میں جو حضرت عمرؓ کے عہد میں آباد ہوا، مسلمانوں کے کئی محلے تھے، غرض حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی جس کے تفصیل کا یہ موقع نہیں،

تعلیم قرآن | مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے حضرت عمرؓ نے اس کی حفاظت تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا، عہد صدیقی میں آپ ہی کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی، اپنے زمانہ میں انھوں نے تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کئے، اور ان کے لئے تنخواہ دار معلم مقرر کئے[۸] ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی،

۱؎ مقریزی ص ۲۲۶، ۲؎ معجم البلدان ذکر قنطرہ سنان، ۳؎ فتوح البلدان ص ۲۶۵، ۴؎ ایضاً ۵؎ ایضاً ص ۲۸۰، ۶؎ مقریزی ج اول ص ۱۶۲، ۷؎ ایضاً ص ۱۸۰، ۸؎ سیرۃ العمرین،

حفاظ قرآن صحابہ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لئے بھیجا چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابو درداء شام بھیجے گئے[1] انھوں نے حمص فلسطین اور شام میں درس جاری کیا،

بدوؤں کے لئے قرآن کی تعلیم ایک گونہ جبری تھی ایک معلم ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ اس کام پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لے جسکو قرآن کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دے[2]

سورۂ بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور کا جنمیں احکام ہیں یاد کرنا ضروری قرار دیا[3]،

قرآن پاک کے صحیح پڑھنے اور پڑھانے کے لئے اعراب اور ادب وعربیت کی تعلیم کی تاکید کی[4] جو لوگ لغت کے عالم نہ ہوں انھیں قرآن کی تعلیم دینے کی ممانعت کردی قرآن کے طلبہ کے وظائف مقرر کئے[5] ان تدبیروں سے ہزاروں حفاظ قرآن پیدا ہو گئے

حدیث کی خدمت کلام اللہ کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے، چنانچہ اس کی تلاش، حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا، حفاظ حدیث صحابہ کو حدیث کی تعلیم دینے کیلئے مختلف مقامات پر بھیجا حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ، معقل بن یسار، عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابو درداء کو شام بھیجا اور امیر معاویہ والیِ شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دوسروں کی احادیث قبول نہ کیجائیں[6]

مسائل اور احکام کی حدیثوں کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے، آپ کے فرامین میں بکثرت احادیث ملتی ہیں،

---

۱ کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱، ۲ اغانی ج ۱۶ ص ۵۰، ۳ کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۴، ۴ ایضاً ص ۲۲۸
۵ ایضاً ص ۲۱۷، ۶ ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۶،

آپ کے زمانہ میں آئے دن نئے نئے مسائل پیش آتے تھے چنانچہ جب اس قسم کی نئی صورت پیش آتی تھی تو آپ صحابہ سے دریافت فرماتے تھے کہ اس کے متعلق انھیں کوئی حدیث نبوی معلوم ہے اس طریقہ سے احادیث کا معتدبہ حصہ جمع ہو گیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عادل ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائص بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں اور ایک صحابی سے بھی اسی طرح غلطی کا ہونا ممکن ہے جس طرح ایک عام انسان سے، اسی لئے اشاعت حدیث کے ساتھ ساتھ وہ روایات کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے، اور بغیر شہادت کے کسی کی روایت قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک حدیث بیان کی حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا، ابوموسیٰؓ نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کو شہادت میں پیش کیا، اس وقت حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ کو چھوڑا[1]، اسی طریقہ سے سقط کے مسئلہ میں مغیرہ بن شعبہ نے ایک حدیث بیان کی، حضرت عمرؓ نے مسلمہؓ کی شہادت سے اسے تسلیم کیا[2]، اور اس قبیل کے متعدد واقعات ہیں،

لوگوں کو کثرت روایت سے روکتے تھے چنانچہ قرظہ بن کعب کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور سے ہدایت کی کہ تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے، تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف نہ لگا دینا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابودرداءؓ انصاری اور ابومسعود انصاری کو روایت حدیث سے روک دیا تھا آپ کی اس شدت احتیاط کو دیکھ کر حضرت ابوہریرہؓ نے حدیثیں روایت کرنا بند یا کم کر دیا تھا[3]،

ایک بڑی نکتہ سنجی آپ نے یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے لحاظ سے ان کے مراتب

---

[1] مسلم باب الاستیذان، [2] ابوداؤد باب دیۃ الجنین، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶،

کو ملحوظ رکھا چنانچہ آپ نے اُن ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جن کا تعلق عبادات، معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نظام سے تھا، باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے زمانہ میں گو حدیثیں کم روایت ہوئیں لیکن جس قدر ہیں وہ آمیزش سے بالکل پاک ہیں،

فقہ کی خدمت — عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے خصوصاً فاروقی عہد میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے اس لئے اس زمانہ میں علم فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فقہ کی تکمیل حضرت عمرؓ ہی کے ہاتھوں ہوئی،

آپ خود لوگوں کو فقہی مسائل بتاتے تھے، خطبوں اور تقریروں میں بیان کرتے تھے فقہی مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے، اضلاع کے حکام اور افسروں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے، یہ احکام آج بھی تاریخوں میں موجود ہیں، اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ ان کے تقرر میں تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے آپ فرماتے تھے کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں[1]۔

عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لئے تمام ممالک محروسہ میں مستقل فقہا اور معلم مقرر کئے، صرف بصرہ میں دس صاحبوں کو اس کام کے لئے بھیجا تھا[2]، اس جزئی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں، غرض فاروقی عہد میں مذہبی تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا،

تعمیر مساجد — مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ میں بکثرت مسجدیں تعمیر کرائیں، شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے[3]، کوفہ میں ہر ہر قبیلہ کی مسجد علحدہ علحدہ تعمیر کرائی،

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۷، [2] اسد الغابہ ترجمہ عبد اللہ بن مغفل [3] مقریزی ج ۲ ص ۲۴۶،

روضۃ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں، پھر ان کیلئے تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کئے۔[1]

حرم کی توسیع

حرم محترم کی عمارت تنگ تھی، ۱۷ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا اور اس کے گرد دیوار کھچوا کر عام آبادی سے ممتاز کیا۔[2] کعبہ پر بطع کا جو ایک معمولی کپڑا ہے اغلاف چڑھا کرتا تھا آپ نے قباطی کا غلاف چڑھایا،

مسجد نبوی کی توسیع

مسجد نبوی کی توسیع کی، ازواجِ مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل جتنے مکانات تھے سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا، پہلے مسجد کا طول سو گز تھا، اس تعمیر میں بیس کا اضافہ ہوا، مسجد کے گوشہ میں علیحدہ ایک چبوترہ بنوا دیا کہ جن لوگوں کو بات چیت کرنا ہو یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں آکر باتیں کریں۔[3]

رفاہ عام کے کام

حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ رفاہ عام کے بہت سے کام ہوئے۔ زراعت کی سیرابی کے علاوہ رعایا کی ضروریات کے لیے متعدد نہریں کھدوائیں، ان میں سے بعض یہ ہیں،

نہر ابو موسیٰ بصرہ میں پانی کی بڑی قلت تھی، شہر سے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی، اس سے گھر گھر پانی افراط ہو گیا،[4]

نہر معقل دوسری نہر معقلؓ کے اہتمام میں تیار ہوئی،

نہر سعد یہ نہر اہل انبار کی درخواست پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھدائی تھی، لیکن درمیان میں پہاڑ حائل ہو جانے کی وجہ سے ناتمام رہ گئی اور حجاج بن یوسف کے زمانہ

[1] سیرۃ العمرین، [2] احکام السلطانیہ ص ۱۵۴، [3] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۲ و ۱۳۳، [4] فتوح البلدان ص ۳۵۶ و ۳۵۷

میں پوری ہوئی

نہر امیر المومنین۔ سب سے بڑی نہر نہر امیر المومنین تھی، سنہ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اور حضرت عمرؓ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا، اس وقت حضرت عمرؓ نے ۹۹ میل لمبی نہر کھدا کر نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا، اور مصر کے جہازات براہ راست مدینہ کے بندرگاہ جار تک آنے لگے، اس سے مصر کی تجارت کو بھی بڑا فروغ ہوا[1]

۲۔ بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کی سہولت کے لئے مسافر خانے تعمیر کرائے، تاریخوں میں کوفہ اور مدینہ کے مسافر خانوں کے نام ملتے ہیں،

۳۔ سڑک اور پلوں کی تعمیر کا یہ انتظام تھا کہ مفتوحہ قوموں کے معاہدہ میں ان کی تعمیر کی شرط ہوتی تھی، چنانچہ شام کے صلحنامے میں یہ شرط داخل تھی[2] مصر میں قبطیوں نے فوجوں کے گذرنے کے لئے راستے صاف کئے تھے،

۴۔ مکہ اور مدینہ مرکز اسلام تھے لیکن ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے سنہ ۱۷ھ میں مکہ سے مدینہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تیار ہوئے[3]

عدل و مساوات اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ حکومت کا انتظامی ڈھانچہ تھا، اس کی اصلاحی روح رعایا کے ساتھ عدل و مساوات اور اس کی صلاح و فلاح کی فکر ہے، اس لحاظ سے بھی حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں مشکل سے کسی فرمانروا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے، آپ کے ایوان عدالت میں شاہ و گدا ادنیٰ و اعلیٰ خویش و بیگانہ، اور مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے،

غیر قوموں کے حقوق اور انکے ساتھ طرز عمل کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے

۱؎ اس نہر کے تفصیلی حالات حسن المحاضرہ اور مقریزی میں ہیں ۲؎ طبری ص ۲۴۰۵ ۳؎ ایضاً ص ۲۵۲۹،

بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے اور ان کو اس حکومت مین کیا حقوق حاصل ہین؟ اس معیار سے فاروقی عہد عدل و مساوات کا نمونہ تھا،

عرب کی ہمسایہ دو حکومتین تھیں، روم اور فارس یہی دونون حکومتین فاروقی عہد مین اسلام کے زیر نگین ہوئیں، ان دونون حکومتوں کا طرز عمل اپنی ہم قوم رعایا کے ساتھ غلامون سے بدتر تھا، دوسری ماتحت اقوام کا کیا ذکر، لیکن جب یہی قومیں اسلام کے زیر نگین ہوئیں تو دفعتہً ان کی حالت بدل گئی، اور انھین ہر طرح کے جائز حقوق اور جائز آزادی عطا کی گئی،

کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہین، جان مال اور مذہب ان کے سوا اور جتنے حقوق ہیں وہ سب انہی کے تحت مین آتے ہیں، حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ قومون کے ان تینوں بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا، بیت المقدس کے عیسائیون کو ازروے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ یہ تھے،

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی، یہ امان جان مال، گرجا صلیب تندرست بیمار اور انکے تمام اہل مذہب کے لئے ہے نہ ان کے گرجا مین سکونت اختیار کیجائے گی نہ وہ ڈھاے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جاے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کیجائیگی مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جاے گا،[1]

یہ حقوق صرف ایلیا والون کے ساتھ مخصوص نہ تھے، بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے جو اُن کے عہدنامون مین موجود ہیں، اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہین، کہ "ان کی جان مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے، اس مین سے کسی شے مین کوئی تغیر نہ کیا جائیگا"

[1] طبری فتح بیت المقدس، [2] طبری ص ۲۶۵۰،

آذربیجان کے معاہدہ میں ہے "جان مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے"[1] موقان کے معاہدہ کے الفاظ بھی یہی ہیں سب معاہدوں کا نقل کرنا طول عمل ہے، صرف چند سطور نمونتاً لکھدیئے گئے۔

حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً عمال کو ان معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ فاتح شام کو لکھا،

"مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پوری کرو"[2]

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا، تو حضرت عمرؓ اس سے قصاص لیتے تھے، ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا، حضرت عمرؓ نے قاتل کو مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دیا، انھوں نے اسے قتل کر دیا[3]،

ذمیوں کی املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو حضرت عمرؓ اس کا معاوضہ دلاتے تھے، ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی، حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا[4]،

اوپر گذر چکا ہے کہ مالگذاری کی تشخیص میں ذمیوں سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا، اس کے بعد بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ کہیں جمع زیادہ تو نہیں تشخیص ہوگئی ہے[5]، اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے نہ وصول کی جائے، چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہاں کے دس آدمیوں کو طلب کر کے ان سے قسم لیتے تھے کہ "مالگذاری کی تحصیل میں سختی تو نہیں کی گئی ہے"[6]،

---

[1] طبری ص ۲۶۶۲ [2] کتاب الخراج ص ۸۲ [3] الدرایۃ فی تخریج الہدایہ [4] کتاب الخراج ص ۶۸ [5] ایضاً ص ۲۱ [6] ایضاً

جزیہ کی بحث

اس سلسلہ مین ذمیوں سے جزیہ ایک ٹیکس ایسا ضرور لیا جاتا تھا جو مسلمانوں سے نہ لیا جاتا تھا، لیکن یہ ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ تھا، ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ تھے، اور مسلمان اس کے لئے مجبور تھے، اس لئے مسلمانوں سے اس کے لینے کی کوئی وجہ نہ تھی، کہ وہ مال کے بجائے جان دینے پر مجبور تھے، اکثر معاہدون مین اس کی تصریح ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ٹیکس تھا، چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے الفاظ یہ ہین -

ہمارے ذمہ اس شرط پر تمھاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا، اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو اس کے بدلہ مین جزیہ معاف کر دیا جائیگا" [1]

آذربیجان کی فتح مین یہ معاہدہ لکھا گیا،

"جو لوگ کسی سال فوج میں کام کرینگے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہ لیا جائیگا" (طبری ص ۲۶۶۲)

چنانچہ جب کبھی ذمیون نے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا

ایران کی فتوحات کے سلسلہ مین جب اس قسم کے مواقع پیش آئے تو حضرت عمرؓ نے افسران فوج کو لکھ بھیجا کہ جن ذمی سواروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو، اور ان کا جزیہ چھوڑ دو [2]

یرموک کے معرکہ کے سلسلہ مین جب مسلمان ذمیون کی حفاظت سے معذور ہو گئے تو کل وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی، حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار افواج شام اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے سب واپس کر دیا جائے [3]

غرض جزیہ خالص حفاظتی ٹیکس تھا اور فوجی مصارف ہی مین صرف کیا جاتا تھا مسلمان

[1] طبری ص ۲۶۵۵ [2] طبری ۲۴۹۷، [3] فتوح البلدان ص ۱۳۷ و کتاب الخراج ص ۸۱

بھی بعض ایسے ٹیکس دیتے تھے جو ذمیوں کو دینے پڑتے تھے، زکوٰۃ کی مقدار جزیہ سے کہیں زیادہ ہوتی تھی،

پھر جزیہ کی وصولی میں سختی نہ برتی جاتی تھی جہاں کہیں حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوجاتا تھا آپ سختی سے روکتے تھے،

شام کے سفر میں کسی مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کیجارہی ہے، سبب پوچھا معلوم ہوا، کہ جزیہ نہیں ادا کیا گیا ہے، پوچھا کیوں، معلوم ہوا ناداری کی وجہ سے، فرمایا چھوڑ دو، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں خدا انھیں قیامت میں عذاب دیگا[1]

نادار، بیکس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی، حیرہ کے فتح کے معاہدہ میں اس کی تصریح ہے کہ

اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہوجائے، یا کوئی آفت آئے یا دولتمندی کے بعد غریب ہوجائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں، تو اس کا جزیہ موقوف کردیا جائے گا اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا[2]"

یہ معاہدہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ہوا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل رہا بلکہ آپ نے اس کو قرآنی استدلال سے اور زیادہ موکد کردیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضعیف شخص کو بھیک مانگتے دیکھا پوچھا بھیک کیوں مانگتا ہے اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو اس کے ادا کرنے کا مقدور نہیں، یہ سنکر آپ اسے اپنے گھر لے گئے

---

[1] کتاب الخراج، [2] ایضاً ص ۸۵،

اور کچھ نقد دے کر داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے کلام اللہ کی آیۃ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ میں فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں، واللہ یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں[1]،

آپ کو ذمیوں کا اتنا خیال تھا کہ اپنے آخری زمانہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور سے تھا کہ

"میں ان لوگوں کے حق میں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دیجائے[2]،

کسی غیر قوم کے ساتھ دنیا کی کسی حکومت کا اس سے بہتر طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے؟

رعایا کی خبر گیری

رعایا کی خبر گیری کا اتنا اہتمام تھا کہ آج اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوتے ہیں، باوجودیکہ آپ کو مہمات امور سے سابقہ رہتا تھا، لیکن رعایا کے چھوٹے چھوٹے حالات سے بھی غفلت نہ ہونے پاتی تھی،

آپ نے کبھی کوئی حاجب و دربان نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو آپ کے پاس پہنچنے میں دقت نہ ہو، روزانہ ہر نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے کہ جس کو جو کچھ کہنا سننا ہو آزادی سے کہہ سکے، چنانچہ اہل حاجت اپنی ضروریات بیان کرتے تھے، اگر کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جاتے[3]

باہر سے جو وفود آتے ان سے ایک ایک جزوی حالات پوچھتے، حج کے موسم میں

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۶، [2] یہ وصیت حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے[3] کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۰،

جب ممالک محروسہ کے ہر حصہ کے آدمی آتے تھے، تمام حکام کو طلب کرتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس کو جس عامل کے خلاف شکایت ہو بیان کرے،

مدینہ اور اس کے اطراف میں خود گھوم پھر کر حالات کا پتہ چلاتے تھے۔ اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں،

ایک مرتبہ ایک قافلہ آیا اور مدینہ کے باہر اترا آپ اسکی خبر گیری اور حفاظت کیلئے تشریف لے گئے، پہرہ دے رہے تھے کہ ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی، پاس جا کر اسکی ماں کو تاکید کی کہ بچہ کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذرے تو پھر بچہ کو روتا پایا، ماں کو ڈانٹا کہ تو بڑی بے رحم ہے۔ اس نے کہا تم کو اصل واقعہ کی خبر نہیں ہے خواہ مخواہ مجھے دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑیں اس وقت تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، اس لئے میں اس کا دودھ چھڑاتی ہوں، اس پر وہ روتا ہے، یہ سنکر حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور فرمایا، ہائے عمر تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی دن منادی کرادی کہ جس دن سے بچہ پیدا ہو اسی دن سے وظیفہ مقرر کیا جائے،

ایک مرتبہ شب کو گشت کرتے ہوئے تین میل مدینہ سے باہر نکل گئے، دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر تحقیق کی تو عورت نے بتایا کہ کئی وقتوں سے بچے فاقے سے ہیں، ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی چڑھادی ہے۔ یہ سن کر آپ اسی وقت مدینہ واپس آئے اور بیت المال سے آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لیں، اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر لاددو، اسلم نے عرض کیا میں لئے چلتا ہوں فرمایا، قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض کل سامان خود لاد کر عورت

کے پاس لے گئے، اور جب تک عورت نے پکا کر بچوں کو کھلا نہ لیا خود بیٹھے رہے، عورت اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی اور کہا امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر، سفر میں جاتے تو ایک ایک مقام پر ٹھہر کر حالات دریافت کرتے، شام کے سفر میں ایک ایک ضلع میں قیام کرکے لوگوں کی شکایتیں سنیں اور دادرسی کی، اسی سفر کی واپسی کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر ایک خیمہ نظر آیا قریب گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے، اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے، مجھ کو اس کے یہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا، آپ نے فرمایا اتنی دور کا حال عمر کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے، بڑھیا نے جواب دیا اگر حال نہیں معلوم تو خلافت کیوں کرتا ہے یہ سُن کر آپ رو پڑے،

رعایا کی تکلیف پر خواب و خور حرام ہو جاتا تھا، ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو آپ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا گوشت گھی مچھلی تمام لذائذ ترک کر دیئے، نہایت خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ "خدایا میری شامت اعمال کے بدلہ میں امت محمدی کو تباہ کر" آپ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں آپ کو جتنی فکر و پریشانی تھی اس سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے[1]

قحط کے اثرات کو روکنے کے لئے بیت المال کا کل نقد و جنس صرف کر دیا، اور تمام افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ بھیجا جائے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے شام سے ہزار اونٹ اور عمرو بن العاص نے مصر سے بیس جہاز غلہ بھیجا، ایک ایک جہاز میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا، اس کے ملاحظہ کے لئے خود بندرگاہ جار تشریف لے گئے، اور زید بن ثابت کو قحط زدوں کا نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا، انھوں نے بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار کئے، ہر شخص کو

---

[1] یہ تمام واقعات کنز العمال ج ۶ حالات عمر میں ہیں،

حضرت عمرؓ کی دستخط شدہ ایک چک دی گئی جس کے مطابق غلہ ملتا تھا۔[1] اس کے علاوہ مدینہ میں ایک عام لنگرخانہ قائم کیا جس میں بیس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے،

یہ تو قحط کے زمانہ کا انتظام تھا عام حالات میں بھی حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ رعایا کا کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے، چنانچہ ملک میں جس قدر معذور ومجبور اور ازکار رفتہ آدمی تھے، بلا قید ملت ومذہب بیت المال سے سب کے روزینے مقرر تھے غیر مسلم معذورں کے وظائف اور خبرگیری کا حال اوپر گذر چکا ہے،

لقطہ یعنی ان لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام بھی بیت المال سے تھا جن کی مائیں انھیں راستوں پر پھینک جاتی تھیں ایسے بچوں کے لئے ابتدا میں سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے، پھر ان کی عمر بڑھنے کے ساتھ ہر سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی،[2] جو یتیم صاحب مال وجائداد ہوتے تھے، ان کے مال کی حفاظت اور اسے تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بڑھانے کا انتظام تھا، غرض عہد فاروقی میں کوئی لاوارث، محتاج معذور اور ازکار رفتہ بھوکا نہ رہنے پاتا تھا، یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں مل سکتی،

مساوات اس دور کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام بیجا امتیازات کو مٹا کر شاہ وگدا اور بلند وپست کو ایک سطح پر کر دیا تھا، اس کا عملی نمونہ خود ان کی ذات تھی امیر المومنین اور عام رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا، عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور عام رعایا کے درمیان کوئی امتیاز نہ پیدا کریں، ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں اس کا لحاظ رکھتے تھے، عمرو بن العاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا، آپ کو اطلاع

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۷، [2] ایضاً ص ۱۷۱،

ہوئی تو لکھ بھیجا کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر[1]

ایک دفعہ کچھ لوگ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب سے ملنے گئے، جب وہ اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ ہو گئے، اتفاق سے اسی وقت حضرت عمرؓ ادھر آ نکلے، یہ امتیازی شان دیکھ کر ابی کو کوڑا لگایا، انھوں نے حیرت سے پوچھا خیر تو ہے؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے[2]

شام کا ایک نامور فرمانروا جبلہ بن الایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا، طواف میں اسکی چادر کا کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے پڑ گیا، جبلہ نے اسے تھپڑ مارا، اس شخص نے برابر کا جواب دیا، جبلہ نے آکر حضرت عمرؓ سے شکایت کی آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ نے پندار امارت میں کہا ہم وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا، جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پروا نہ کی،

غلاموں کو ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا، ان کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے، اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے، خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں عار ہے" غلاموں کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیقات کرتے رہتے تھے، ایک عامل کو صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی[3]، غلاموں کے وظائف ان کے آقاؤں کے برابر مقرر کئے، اس قبیل کے دو چار نہیں سیکڑوں واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں،

---

[1] کنز العمال [2] مسند دارمی ص ۷۱، ابن سعد تذکرۂ عمرؓ [3] طبری ص ۲۷۷۵

اس مساوات نے مسلمانوں میں حریت اور آزادی کی وہ روح پھونک دی تھی کہ

حضرت عمرؓ کو بر سرِ عام ٹوک دیتے تھے، جس کے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں،

بیت المال کی حفاظت | مسلمانوں کی امانت یعنی بیت المال کی حفاظت کا اتنا اہتمام

تھا کہ آج شاید اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے، بیت المال کا ایک حبہ بے محل

صرف نہ ہونے پاتا تھا، اس کی ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفسِ نفیس فرماتے تھے

اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیہ کے رجسٹر پر چڑھاتے تھے

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا، حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے

عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیس آپ سے ملنے کے لئے آئے دیکھا تو حضرت عمرؓ

دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں، احنف کو دیکھ کر فرمایا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو،

بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، تم جانتے ہو، ایک اونٹ میں کتنے غریبوں

کا حق ہے، ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام

کو حکم دیدیجئے وہ ڈھونڈھ لائے گا، فرمایا "اے عبد اعبد منی" یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام

ہو سکتا ہے[1]،

بیت المال میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے چلے آرہے تھے لیکن اس میں آپ کا

حصہ صرف بقدر کفاف روزینہ تھا، اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لئے

حرام سمجھتے تھے،

ایک مرتبہ بیمار پڑے لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا

بہت معمولی سی چیز تھی، لیکن بغیر مسلمانوں سے اجازت لئے ہوئے، اسے لیا طبیعت نے

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۴،

گوارا نہ کیا، مسجد نبوی میں جا کر مسلمانوں سے کہا اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں[1]،

ایک دفعہ مال غنیمت آیا، آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آکر عرض کیا امیر المومنین میرا حق مجھ کو دیجئے میں ذوی القربیٰ میں ہوں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا جان پدر تیرا حق میرے ذاتی مال میں ہے، یہ تو غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئیں[2]،

آپکو اپنے مرحوم بھائی زید کی بچی سے والہانہ محبت تھی، ایک دن اُسے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر دیدی، آپ اُسے آزردہ نہ کرنا چاہتے تھے اسلئے پیار کر کے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈالدی،

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ تعلقات ہوگئے تھے، طرفین میں خط و کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ آپ کی اہلیہ ام کلثوم نے قیصر کی ملکہ کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں، اس نے جواب میں شیشیوں میں جواہرات بھر کر بھیجے حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپنے بیوی سے ملا کر فرمایا گو عطر تمہارا تھا لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا وہ سرکاری تھا، اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کئے گئے تھے، یہ کہکر جواہرات بیت المال میں داخل کرا دیئے اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دیدیا[3]،

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا، انھوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا ہے، حضرت عمرؓ کے ایک بچہ کو دیدیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپنے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا، اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا تم کو مدینہ میں آل عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۹۸ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵ [3] ایضاً ص ۳۴۸ [4] ایضاً ص ۳۵۶،

دل تمام امت محمدی کا مطالبہ میری گردن پر ہے[۱]،

ایک مرتبہ ایک فربہ اونٹ بازار میں بکتے ہوئے دیکھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا ہے، ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے انھوں نے کہا میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیجدیا تھا اب فربہ ہو گیا ہے اس لئے بیچتا ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لئے تم اتنے ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا اور زائد قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی[۲]۔

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی، حضرت عبدالرحمن بن عوف سے قرض مانگا، انھوں نے کہا آپ امیرالمومنین ہیں، بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں آپ نے فرمایا میں بیت المال سے نہیں لوں گا، کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو تم لوگ میرے ورثہ سے مطالبہ نہ کروگے اور یہ بار میرے سر جائے گا، اس لئے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو[۳]، اس قبیل کے بکثرت واقعات ہیں،

فضل وکمال | حضرت عمرؓ نہایت ذہین طباع، بالغ نظر، مدبر اور صائب الرائے تھے، جاہلی اور اسلامی دونوں علوم میں آپ کو یکساں کمال حاصل تھا، فصاحت وبلاغت، انشا وخطابت، شاعری وانسابی سپہگری اور بہادری وغیرہ ان تمام اوصاف وکمالات میں جو عرب میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، آپ کو وافر حصہ ملا تھا، آپ کی بہت سی تقریریں اور تحریریں کتابوں میں محفوظ ہیں، جن سے آپ کی فصاحت وبلاغت کا اندازہ ہوتا ہے، شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، خود بھی شعر کہتے تھے، مگر بہت کم

[۱] کنزالعمال ج ۶ ص ۳۵۰، [۲] ایضاً [۳] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۹۹

ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپکے اشعار نقل کئے ہیں لیکن ناقد اور سخن سنج بڑے اعلیٰ درجہ کے تھے۔

ابن رشیق کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ کے شعر کے سب سے بڑے نقاد اور ادا شناس تھے[۱]۔ مشہور ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ عمر اپنے عہد کے سب سے بڑے سخن سنج تھے[۲]، عرب کے تمام بڑے بڑے شعراء کا کلام حفظ تھا اور اس پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے، امراؤالقیس، نابغہ اور زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے، ان کی سخن سنجی کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں، اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آپنے عرب کی شاعری کی بڑی اصلاح کی، عربی شعراء اشعار میں علانیہ عورتوں کے نام لیکر اپنی عشق ومحبت کی داستانیں بیان کرتے تھے، کسی شریف آدمی کی ہجو کہ دینا معمولی بات تھی حضرت عمرؓ نے ان دونوں باتوں کی ممانعت کردی،

آپکے والد خطاب قریش کے بڑے مشہور نساب تھے، یہ فن آپنے انہی سے سیکھا تھا، چنانچہ نسب کے متعلق تمام معلومات اپنے والد ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے[۳]، لکھنے پڑھنے کا ذوق آپ کو ابتدا سے تھا، اور آپ اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب قریش میں صرف سترہ آدمی لکھے پڑھے تھے[۴]، مسند دارمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی، ایک مرتبہ آپ آنحضرت صلعم کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے گئے اور پڑھنا شروع کیا، یہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلعم کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا[۵]،

---

[۱] کتاب العمدہ ص ۱۳ [۲] کتاب البیان والتبیین ج ا ص ۹۷، [۳] ایضاح ا ص ۱۱۷، [۴] بلاذری ص ۴۷۱، [۵] مسند دارمی ص ۶۲،

باست لطاعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں، اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا، متعدد امور میں وحی الٰہی نے آپ کی رائے کی تائید کی، اسیران بدر کے ساتھ طرز عمل ازواج مطہرات کے پردہ، شراب کی حرمت، اور مقام ابراہیم کو مصلّٰی بنانے میں قرآن نے آپ کی رائے کی تائید کی[1]،

ذہانت اور طباعی نے حضرت عمرؓ کو نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج بنا دیا تھا، آپ کی نگاہ احکام شریعت کے ایسے باریک نکتوں تک پہنچتی تھی، جہاں عام صحابہؓ کی نظر مشکل سے پہنچ سکتی تھی، علم اسرار دین کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی،

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں بڑا فکر و تدبر کرتے تھے، جو پیچیدہ مسائل حل نہ ہوتے انھیں رسول اللہ صلعم سے پوچھتے، کلالہ کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ آپؐ نے تنگ آکر فرمایا کہ اس بارہ میں سورہ نساء کی آخری آیت کافی ہے[2]،

اس غور و فکر اور تلاش و جستجو نے آپ میں کلام اللہ کی تفسیر و تاویل اور آیات قرآنی سے استنباط احکام اور استدلال کا فطری ملکہ پیدا کر دیا تھا، حدیثوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے بعض اوپر گذر چکی ہیں،

اگرچہ آپ کا شمار کثیر الروایۃ صحابہ میں نہیں ہے، آپ کی مرفوع روایات کی تعداد کل سترہ ہے، لیکن حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، قلت روایت کا سبب آپ کی شدت احتیاط تھی، کلام رسول کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کے لئے آپ کے شدت اہتمام کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں، ورنہ نفس علم حدیث میں وہ کسی بڑے

---

[1] یہ واقعات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں، [2] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵

بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے، اپنے زمانہ میں انھوں نے جتنے احکام صادر کئے وہ سب حدیث ہی کی سند پر تھے، البتہ احتیاط کی بنا پر ان کو رسول اللہ صلعم کی جانب منسوب نہین کیا، احادیث نبوی کی جو خدمت انھوں نے کی اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے

فقہ مین آپ کا مقام بہت بلند تھا، بلکہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود جو اساطین فقہ مین ہین آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے، آپ کے زمانہ مین ہزارون نئے مسائل پیش آئے آپ نے انھین اپنی قوت اجتہاد سے حل کیا، آپ کے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جس مین ایک ہزار مہات مسائل ہین[1]،

اصول فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے، آپ نے تنہا جزئیات کی تدوین نہین کی، بلکہ تفریع و استنباط مسائل کے اصول وضوابط بنا کر آیندہ آنے والون کے لئے اجتہاد و فکر کی ایک وسیع شاہراہ قائم کر گئے، غرض اپنی فطری ذہانت اور دینی بصیرت سے فقہ کے تمام متعلقات کو ایک مستقل فن بنا دیا،

سیرۃ الفاروق | عمرؓ فاروق اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے،

خشیت الٰہی | تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے، خدا کا خوف آپ کے رگ وپے مین ساری تھا، اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے، فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے، تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان مین ہی ہون[2]،

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا کاش مین بھی جس و خاشاک ہوتا، کاش مین

[1] اعلام الموقعین، [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵،

پیدا ہی نہ کیا جاتا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی[1]

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھا کیوں ابوموسیٰ اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام، ہجرت اور رسول اللہ صلعم کی رفاقت کے طفیل میں برابر سرابر چھوٹ جائیں نہ عذاب ملے نہ ثواب ابوموسیٰ نے کہا میں تو اس پر راضی نہیں ہوں، ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں اس کے صلہ کی امید رکھتے ہیں، فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخدہ چھوٹ جاؤں[2]،

آیاتِ قرآنی سے تاثر | نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے، جن میں قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا، انھیں پڑھ کر زار زار روتے تھے حدیث کی کتابوں میں ابواب الصلوٰۃ کے تحت میں اس کے بہت سے واقعات ہیں،

حبِ رسول | ذات نبوی سے والہانہ شیفتگی تھی، جان مال اولاد ہر محبوب چیز آنحضرت صلعم پر سے فدا تھی، جب آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند دنوں کے لئے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، تو حضرت عمرؓ کاشانۂ نبوی پر حاضر ہوئے لیکن بار بار اذن طلب کرنے پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو پکار کر عرض کیا، خدا کی قسم میں حفصہ (ام المومنین حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں، اگر رسول اللہ حکم دیں تو اس کا سر قلم کر دوں[3]،

آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت غلبۂ محبت میں آپ پر جو وارفتگی طاری ہوگئی تھی، اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے آپ کے وصال کے بعد جب عہد مبارک یاد آجاتا تو روتے روتے بے تاب ہو جاتے تھے، شام کے سفر میں جب حضرت بلال نے

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵۔ [2] بخاری باب ایام الجاہلیۃ [3] فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱،

مسجد اقصیٰ میں اذاں دی تو حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔[1]

وصال نبوی کے بعد گو عرب کی سرزمین میں سونے چاندی کی گنگا بہنے لگی تھی لیکن حضرت عمرؓ آنحضرت صلعم کی پرعسرت زندگی کی یاد میں اچھا کھانا نہ کھاتے تھے،

متعلقین رسالت کا لحاظ

جناب رسالت مآب کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے، جب صحابہ کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المومنین کے آپ مقدم رکھے جائیں، لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرت صلعم کے ساتھ تعلق کے قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کئے، چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم پھر ان میں بھی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا، اس کے بعد بنی امیہ بنی عبد شمس، بنی نوفل بن عبد العزیٰ اپنے قبیلہ بنی عدی کو پایۂ اخیر پر رکھا، تنخواہوں کی تعداد میں بھی اس ترتیب کا لحاظ رکھا، سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ کی تھیں، اگرچہ حضرت حسنین علیہما السلام ان میں نہ تھے، لیکن آنحضرت صلعم کی ذریت کے تعلق سے انکی تنخواہیں بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں، رسول اللہ صلعم کی ازواج مطہرات کے وظیفے بارہ بارہ ہزار مقرر کئے، آنحضرت صلعم کے غلام حضرت زید کے صاحبزادے اسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ سے جو بدری صحابی تھے زیادہ مقرر کی، عبد اللہ نے عذر کیا تو فرمایا رسول اللہ صلعم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔[2]

پابندی سنت

آنحضرت صلعم کی ذات سے اس تعلق کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کسی کام میں سنت نبوی سے تجاوز نہ کرتے تھے، عبادات و معاملات کا ذکر نہیں، روزانہ کی زندگی

---

[1] فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس، [2] کتاب الخراج ص ۲۴ و ۲۵

میں اتباع سنت کا اہتمام تھا، ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ کھانا کھایا، معمولی کھانے کے بعد جب عمدہ قسم کے کھانے لائے گئے، تو ہاتھ کھینچ لیا، اور فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے، اگر تم رسول اللہ صلعم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادہ مستقیم سے ہٹا دے گا"۔

وسعت کے باوجود اتباع سنت کے خیال سے بڑی تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے، اس لئے آپکو نرم کپڑوں اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا، جان پدر تم رسول اللہ صلعم کی عسرت کی زندگی بھول گئیں، خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلونگا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو، عمال کو پابندی سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے۔

زہد وقناعت | آپ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب زہد وقناعت اور سادگی و تواضع ہے آپ کا زہد اکابر صحابہ میں مسلم تھا، حضرت طلحہؓ فرماتے تھے کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطاب پر فضیلت حاصل ہے، لیکن زہد وقناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے، حکومت کے تخت جلال پر بیٹھ کر جس زہد وقناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی،

آپ کی زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قیصر وکسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے خالد اور امیر معاویہ سے بازپرس ہو رہی ہے، فاتح ایران ومصر کے نام فرامین جاری ہو رہے ہیں، دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا ہوا کرتہ ہے، سر پر پھٹا ہوا عمامہ، پاؤں میں بوسیدہ چپل، اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لئے کاندھے پر مشک ہے، یا کسی وقت مسجد کے گوشہ میں کام سے تھک کر فرش

خاک پر بیٹھ گئے ہیں،[1]

سادگی سفر میں خیمہ و خرگاہ کا اہتمام نہیں، جہاں منزل ہوئی درخت کے سایہ میں پڑ رہے،[2] آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگوں کو جن کی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈھتی تھیں، آپ کو پہچاننے میں دقت ہوتی تھی،

شام کے سفر میں جب آپ بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کو ایسی معمولی حالت میں دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا، آپ نے فرمایا "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے"!!

احتساب نفس جب کبھی دل میں عجب و غرور کا شائبہ پیدا ہوتا تھا، تو فوراً اس کا تدارک کرتے تھے، ایک دن خطبہ دیا اور صرف یہ فرمایا "صاحبو! میں ایک زمانہ میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کے لئے پانی بھر دیا کرتا اور وہ اس کے بدلہ میں چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر میں بسر کرتا تھا" یہ کہکر منبر سے اتر آئے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کونسی بات تھی، آپ نے خود ہی جواب دیدیا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آگیا تھا یہ اسکی دوا تھی،[3]

مزاج مزاج فطرۃً تیز و تند واقع ہوا تھا، اسلام سے پہلے تو قہر مجسم تھے، اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی، بات بات پر تلوار بے نیام ہو جاتی تھی، لیکن خلافت کا بار پڑنے کے بعد بہت نرم ہو گئے تھے، پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا تھا، درحقیقت ان کی درشتی بھی ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی، وہ حق کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے، انکی تندمزاجی کے جتنے واقعات ہیں وہ سب حمایت حق کے ہیں، ورنہ اپنی ذات کے لئے

---

[1] بخاری باب الزہد، [2] ابن سعد ج ۳ ق اص ۲۰۴، [3] ایضاً ص ۲۰۳

وہ نہایت متحمل اور بردبار تھے، معاملات ملکی مین لوگ اختلاف کرتے تھے معمولی معمولی باتون پر ٹوکتے تھے لیکن آپکی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ "میرا دل خدا کے بارہ مین نرم ہوجاتا ہے تو چھاک سے بھی زیادہ نرم ہوجاتا ہے، اور سخت ہوجاتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوجاتا ہے"۔

ذریعۂ معاش | حضرت عمرؓ کا اصل ذریعۂ معاش تجارت تھا، اسلام کے قبل سے ان کا یہ مشغلہ تھا اور اسلام کے بعد بھی قائم رہا، خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت صلعم نے ان کو ایک قطعہ اراضی ثمغ نامی مرحمت فرمایا تھا، اسی نام کی ایک اور زمین ایک یہودی سے لی تھی، لیکن یہ دونون زمینین انھون نے کارخیر کے لئے وقف کردی تھین،

خلافت کے بعد بقدر کفاف وظیفہ مقرر ہوا، پھر کبار صحابہ کے وظائف کے ساتھ انکا بھی پانچ ہزار مقرر ہوا،

غذا و لباس | لیکن زندگی کے کسی دور مین آپ کی سادگی میں فرق نہ آیا، آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپکے گذارہ کے لئے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا اس کی تعداد دو درہم روزانہ تھی، اسے بھی اس شرط سے قبول کیا تھا کہ جب مالی حالت درست ہوجائیگی تو نہ لین گے، فرماتے تھے کہ مسلمانون کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال مین متولی کا ہوتا ہے[1]،

آپ کے لباس مین صرف چند جوڑے موٹے کپڑے ہوتے تھے، ان میں بھی پیوند پر پیوند لگے ہوتے تھے[2]، ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے اس بارہ مین گفتگو کی تو فرمایا کہ مسلمانون کے مال مین سے اس سے زیادہ تصرف نہیں کرسکتا،

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۱۹۸ [2] اصابہ ص ۳۳۷،

اس ہی کپڑوں میں سر عام نکلتے تھے حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے میں نے شمار کیا تو ان کے تہ بند میں بارہ پیوند تھے[۱] کبھی کبھی صرف ایک ہی جوڑا رہ جاتا تھا، اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے[۲]

غذا میں عموماً موٹے بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا، کبھی کبھی گوشت اور اچھی چیز بھی کھا لیتے تھے، کھانے کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کا کھانا دوسرے لوگ بمشکل کھا سکتے تھے، ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے ان کے حلق سے نہ اترتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، عتبہ نے عرض کیا امیر المومنین اگر آپ اپنے کھانے پینے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کے مال میں کچھ کمی نہ ہو جائے گی، فرمایا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو[۳]

اولیات حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو نئی باتیں ایجاد کیں، مورخین انھیں اولیات سے تعبیر کرتے ہیں، ان کی فہرست یہ ہے (۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے (۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا (۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں، (۷) دفتر مال قائم کیا (۸) پیمائش کا طریقہ جاری کیا (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) نہریں کھدوائیں (۱۱) شہر آباد کرائے (۱۲) ممالک محروسہ کو صوبوں میں تقسیم کیا (۱۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی، (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا (۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی (۱۶) جیل خانہ قائم کیا (۱۷) درہ کا استعمال کیا (۱۸) راتوں کو گشت کر کے

---

[۱] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۴، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً ۳۴۴،

رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا، (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا، (۲۰) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو عرب میں نہ تھی، (۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے، (۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے چوکیاں اور سرائیں بنوائیں (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کیے، (۲۵) قاعدہ بنایا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے (۲۶) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے (۲۷) مکاتیب قائم کیے (۲۸) معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کیے، (۲۹) حضرت ابوبکرؓ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی، (۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا، (۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا، (۳۳) فجر کی اذان میں الصّلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا (۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی، (۳۵) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں بائن قرار دیا، (۳۶) شراب کی حد اسّی کوڑے مقرر کی (۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی، (۳۸) بنی تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کے بجائے زکوٰۃ مقرر کی (۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا، (۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا (۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا (۴۲) اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں (۴۳) مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا، (۴۴) ہجو کہنے والے کے لئے تعزیر کی سزا مقرر کی، (۴۵) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔[1]

---

[1] یہ اولیات طبری اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں مذکور ہیں،

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

سنہ ۲۴ھ مطابق سنہ ۶۴۵ء

تا سنہ ۳۵ھ مطابق سنہ ۶۵۵ء

ترجمہ عثمان

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ غنی خلیفہ ہوئے، آپ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی دو صاحبزادیوں کی شادی ہوئی تھی اس لئے آپ "ذوالنورین" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، حضرت عثمانؓ قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تھے، پانچویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلعم سے مل جاتا ہے، بنی امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز و مقتدر چلا آتا تھا، قریش کے خاندانوں میں بنی ہاشم کے سوا کوئی اس کا مقابل نہ تھا، قریش کا مشہور عہدہ عقاب یعنی فوجی نشان کی علمداری اسی خاندان میں تھی، حضرت عثمانؓ کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے بڑے دبدبہ و شکوہ کے رئیس تھے،

حضرت عثمانؓ ہجرت نبویؐ کے سینتالیس (۴۷) سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، معاش کا ذریعہ تجارت تھا اور اس میں اپنی دیانت اور راستبازی سے اتنی ترقی حاصل کر لی تھی کہ قریش کے دولتمند ترین لوگوں میں شمار تھا، اپنی ثروت کی وجہ سے "غنی" کے لقب سے پکارے جاتے تھے،

آپ کا چونتیسواں سال تھا کہ اسلام کا ظہور ہوا، حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عثمانؓ کے نہایت گہرے تعلقات و روابط تھے، صدیق اکبر کی تبلیغ نے انھیں اسلام کی طرف مائل کر لیا اور وہ آنحضرت صلعم کے دستِ حق پرست پر مشرف با سلام ہو گئے[1] آنحضرت صلعم نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا،

حضرت عثمان کا خاندان یعنی بنی امیہ اسلام اور مسلمانوں کے نہایت سخت دشمن تھے ان کا غصہ غریب مسلمانوں پر بہت ٹوٹا کرتا تھا، خود حضرت عثمانؓ کے چچا حکم اسلام کے بڑے دشمنوں میں تھے، انھوں نے اسلام کے جرم میں بھتیجے کو باندھ کر مارا تمام اعزہ نے منہ موڑ لیا، کچھ دن تک حضرت عثمان ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے، پھر اذن ہجرت کے بعد اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ کو لیکر حبشہ چلے گئے، اور ہجرت اولیٰ میں اولیت کا شرف حاصل کیا، چند سال کے بعد قریش کے اسلام کی غلط خبر پاکر مکہ واپس آئے، ان کے اور ساتھی تو پھر حبشہ لوٹ گئے، مگر یہ مکہ میں مقیم ہو گئے، پھر چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے،

رومہ کی خریداری | حضرت عثمانؓ نہایت دولتمند تھے ان کی دولت سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا، مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا، وہ بھی ایک یہودی کی ملک میں تھا، اس نے اس کو ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا غریب مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا،

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمانؓ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے، بدر میں حضرت رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے آنحضرت صلعم نے روک دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر اور غنیمت دونوں کا حصہ ملیگا، احد میں بھی شریک تھے، رسول اللہ کی

[1] اصابہ ج ۴ تذکرہ سعدی بنت کریز، [2] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۷، [3] استیعاب ج ۲ ص ۴۸۰، [4] کنز، مناقب عثمان،

صلعم کی خبرِ شہادت سنے ایسا حضور فتنہ کردیا کہ قدم نہ جم سکے حضرت عثمانؓ کو اس کا سخت قلق تھا جب وحی الٰہی نے ان صحابہ کو جن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے بری قرار دیا، اس وقت آپ کو اطمینان ہوا، غزوۂ ذات الرقاع مین مدینہ پر آنحضرت صلعم کی نیابت کا شرف حاصل ہوا، غزوۂ حدیبیہ میں بھی ہمرکاب تھے، چنانچہ سفارت کی خدمت آپ ہی کے سپرد ہوئی تھی، اور آپ ہی کی خبرِ شہادت پر بیعتِ رضواں ہوئی تھی جسکے حالات عہد رسالت میں گذر چکے ہین، یہ حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑا اعزاز ہے جو کسی صحابی کو حاصل نہ ہوا، غزوۂ تبوک کے زمانہ مین عرب میں سخت قحط سالی تھی، عین ان حالات مین غزوۂ تبوک پیش آیا، تمام صاحب مقدرت صحابہ نے جنگی اخراجات کیلئے روپیہ دیا، حضرت عثمانؓ نے آدھی یا تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لئے، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامانِ رسد کے پیش کئے حضرت عثمانؓ کی اس خدمت کا آنحضرت صلعم پر اتنا اثر ہوا کہ آپ ان کی دی ہوئی اشرفیون کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہین پہنچا سکتا،[1] غرض عثمانؓ غنی کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام کے لئے وقف تھی،

خلافت اور فتوحات،

عہد صدیقی اور عہد فاروقی مین مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور اپنے مفید مشورون سے اسلام اور مسلمانون کو فائدہ پہنچاتے تھے، ان کے خدماتِ اسلامی اور سبقت فی الاسلام کی بنا پر حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت ان چھ آدمیون مین جنھین آپ نے اپنے بعد خلافت

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۲ و ترمذی مناقب عثمان،

کے لئے نامزد کیا تھا، ایک نام آپ کا بھی تھا، حضرت عمرؓ کی تجہیز وتکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقدادؓ نے چھوون آدمیون کو مسور بن مخرمہ کے گھرمین یکجا کیا، اگر کوئی فیصلہ نہ ہوسکا، تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کر دیا جائے، اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کر دے، اس تجویز پر حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام پیش کیا، لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا، اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا، اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا کہ صرف دو نام رہ گئے ہیں، ان دونون مین سے جو شخص کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کیجائے گی، اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر آپ دونون حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دین تو زیادہ مناسب ہے، دونون راضی ہوگئے، ان سے اجازت لینے کے بعد انھون نے مسجد نبویؐ مین مسلمانون کو جمع کرکے ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، آپ کی بیعت کے بعد حضرت علیؓ نے ہاتھ بڑھایا، آپ کے بیعت کرتے ہی ساری خلقت ٹوٹ پڑی، بیعت عام کے بعد محرم ۲۴ھ مین حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے، (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۲ و ۴۳)

ابتدا مین کچھ دنون تک حضرت عثمانؓ نے فاروقی نظام مین کوئی تغیر وتبدل نہین کیا، صرف مغیرہ بن شعبہؓ کو حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ کی ولایت سے معزول کرکے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاصؓ کو مقرر کیا، اور تمام عہدہ داران حکومت اور افسران فوج کے نام فرامین جاری کئے جنمین عمال کو رعایا پروری کی ہدایت، خلیفہ کی ممانعت، مسلمانون اور ذمیون کے حقوق کی حفاظت، افسران فوج کو فوجی نظام کی پابندی، تحصیلدارون کو

واجبی محاصل سے زیادہ وصول کرنے کی ممانعت، امانتداری، یتیمون اور ذمیون کے مال
مین انصاف و دیانت کی تاکید تھی، ان ہدایتون کے علاوہ عوام کے لئے بھی اس فرمان
مین مفید ہدایات تھین،

پہلا مقدمہ حضرت عثمانؓ کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ
حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبیداللہ کے قصاص کا پیش ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت
عمرؓ کے قاتل ابولولو نے تو آپ کو شہید کرنے کے بعد فوراً خودکشی کر لی تھی بعض واقعات
کی بنا پر عبیداللہ بن عمرؓ کو شک تھا کہ ابولولو کے ساتھ دو آدمی اور جفینہ اور ہرمزان
قتل کی سازش مین شریک تھے، انھون نے جوش غضب مین ان کو قتل کر دیا، بیعت
خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا، آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا
حضرت علیؓ نے رائے دی کہ قصاص مین قتل کرنا چاہئے لیکن دوسرے صحابہ نے مخالفت
کی کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہین اور آج ان کے لڑکے کو
تلوار کے حوالہ کیا جائے، اس اختلاف رائے پر آپ نے قصاص کی سزا کو دیت سے
بدل دیا، اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کی[2]

اسکندریہ کی بغاوت مصر کا علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے رومی حکومت کا نہایت اہم حصہ
تھا، اس لئے قیصر کو برابر اس کی واپسی کی فکر لگی ہوئی تھی، اسکندریہ مین رومیون کی بڑی تعداد آباد
تھی، حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ۲۵ھ مین قیصر نے انھین خفیہ بھڑکا کر بغاوت کرا دی
اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑہ مدد کے لئے بھیجا، لیکن عمرو بن العاصؓ نے فوراً پہنچکر رومیون کو
نہایت فاش شکست دی قبطی سابق مصالحت پر قائم تھے، انھون نے اس بغاوت مین حصہ

---

[1] ابن سعد مین یہ پورا فرمان منقول ہی، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹ و ابن سعد ص ۲۵۹

نہ دیا تھا، اس لئے رومیوں نے بھاگتے ہوئے انھیں خوب لوٹا، بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ لوگ عمرو بن العاص کے پاس فریاد لے کر گئے، جہاں تک مل سکا عمرو بن العاص نے ان کا مال واپس کر دیا[1]، اس کے بعد آیندہ بغاوت کے خطرہ سے حفاظت کے لئے شہرپناہ مسمار کرادی،

آرمینیہ اور آذربیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات، اسی سنہ میں آذربیجان اور آرمینیہ کے علاقے صلح توڑ کر باغی ہو گئے، حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا، انھوں نے فوجکشی کر کے آذربیجان کو مطیع بنایا اور سلمان بن ربیعہ باہلی کو آرمینیہ بھیجا، ابھی یہ برسرپیکار تھے کہ معلوم ہوا کہ ایشیائے کوچک میں رومیوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے، یہ اطلاع پاکر یہ ادھر بڑھے اور راستہ میں کئی قلعے فتح کئے دوسری طرف حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کیا، یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کرلی، کچھ تو جزیہ دے کر یہیں رہ گئے، اور کچھ جلا وطن ہو گئے، اسی دوران میں ایشیائے کوچک کے بطریق اعظم نے اسی ہزار فوجیں حبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجیں، حبیب نے انھیں شکست دے کر ہر طرف فوجیں پھیلادیں، اور بہت سے علاقوں کو مطیع اور اران اور گرجستان کے بعض علاقوں کو فتح کیا، اسی سنہ میں امیر معاویہ نے ایشیائے کوچک پر فوجکشی کی اور عموریہ تک بڑھتے چلے گئے اور انطاکیہ اور سرطوس کے درمیان جس قدر قلعے تھے سب میں اسلامی نوآبادیاں قائم کردیں[2]،

اسی سنہ میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر نے افریقہ پر حملہ کے انتظامات کئے،

عمرو بن العاص کی معزولی عمرو بن العاص حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مصر کے والی تھے، اسکا

---

[1] ابن اثیر، ج ۳ ص ۱۰۳ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۲ و ۳۳، و فتوح البلدان بلاذری،

ایک حصہ جو سعید مصر کہلاتا ہے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق تھا، شعبہ خراج میں بھی ابن ابی سرح کے کچھ اختیارات تھے، اس دوعملی کی وجہ سے دونوں میں بنتی نہ تھی، اور حضرت عثمانؓ سے ایک دوسرے کی شکایت کرتے تھے، ابن ابی سرح کو شکایت تھی کہ عمرو بن العاص نے خراج کی رقم گھٹا دی، اور عمرو بن العاص کہتے تھے کہ ابن ابی سرح نے فوجی قوت کمزور کر دی، مصر کے خراج کی کمی کی شکایت حضرت عمرؓ کے زمانہ سے چلی آرہی تھی، حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ سے اس میں اضافہ کا مطالبہ کیا، انھوں نے صاف جواب دیدیا کہ "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی" اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کرکے ابن ابی سرح کو پورے صوبہ کا والی بنا دیا، انھوں نے خراج کی آمدنی میں کافی اضافہ کیا، حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا، دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا، عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا ہاں لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔[1]

طرابلس کی فتح | عبداللہ بن ابی سرح نہایت حوصلہ مند نوجوان تھا، شمالی افریقہ کے خوش سواد علاقے طرابلس الغرب، تونس، مراکش اور الجزائر مصر کے ہم سرحد اور بالکل سامنے تھے، ۲۵ھ ہی سے اس پر عبداللہ کی نگاہیں پڑ رہی تھیں، اور وہ اسی زمانہ میں اسکا جائزہ لینے کے لئے ایک سرسری چکر لگا آیا تھا، ۲۷ھ میں اس نے باقاعدہ شمالی افریقہ پر فوج کشی کی، اس کے طرابلس الغرب کے حدود میں داخل ہونے کے بعد یہاں کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا، دونوں میں عرصہ تک جنگ ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا جب زیادہ عرصہ لگ گیا، تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مدد کے لئے بھیجا، ان کے آنے کے بعد بھی کچھ فیصلہ نہ ہو سکا آخر میں عبداللہ بن زبیرؓ نے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۳ و یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹،

ایک دن فوج کا ایک حصہ ایک مقام پر چھوڑ دیا اور ایک حصہ لیکر مقابلہ میں آئے، دن بھر نہایت شدت کی جنگ ہوتی رہی، آخر میں جب دونوں تھک کر الگ ہو گئے اس وقت وہ فوج جو آرام کر رہی تھی، دفعۃً پیچکر حملہ آور ہو گئی، طرابلسی بالکل چور ہو چکے تھے، اس لیے مزید مقابلہ نہ کر سکے، اور جزیرے پچیس ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی،[1] طرابلس کی فتح کے بعد تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ تمام علاقے آسانی کے ساتھ زیرنگین ہو گئے،

اسپین پر حملہ — شمالی افریقہ کی تسخیر کے بعد بحر روم کا دروازہ کھل گیا چنانچہ ۲۷ھ میں عبد اللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا لیکن اسوقت مستقل فوجکشی کا خیال نہ تھا اس لئے صرف یورپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر لوٹ آیا،

قبرص کی فتح — امیر معاویہ عہد فاروقی سے صوبۂ دمشق کے والی تھے، حضرت عثمان نے انھیں پورے شام کا والی بنا دیا تھا، انھوں نے طرابلس الشام، عموریہ اور ملطیہ وغیرہ فتح کئے قبرص جو ساحل شام کے قریب ہی نہایت زرخیز اور شاداب جزیرہ ہے، فاروقی عہد سے امیر معاویہ کی نظر تھی چنانچہ انھوں نے آپ سے اس پر فوجکشی کی اجازت بھی مانگی تھی لیکن حضرت عمر بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لئے اجازت نہ دی۔ حضرت عثمان نے بھی ابتدا میں احتیاط برتی لیکن جب اسکا یقین ہو گیا کہ بحری جنگ میں کوئی خطرہ نہیں ہے تو اجازت دے دی، مگر یہ شرط کر دی کہ جو شخص بخوشی شرکت کرنا چاہے اسے شریک کیا جائے کسی پر جبر نہ کیا جائے، اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا، یہاں کے باشندے نہایت نرم خو تھے، جنگ و جدال سے گھبراتے تھے، اس لئے انھوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی، اس صلح میں یہ شرط تھی کہ مسلمان ان کی پوری حفاظت کرینگے، اور

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۵،

رومیوں کے مقابلہ کے لئے اہل قبرص مسلمانوں کو اپنے جزیرہ سے گذرنے دینگے اور رومیوں کے حالات کی مسلمانوں کو خبر کرتے رہا کرینگے" کئی سال تک یہ صلح قائم رہی لیکن ۳۲ھ میں اہل قبرص نے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو مدد دی، اس لئے امیر معاویہ نے دوبارہ فوج کشی کرکے قبرص کو اسلامی مقبوضات میں شامل کرلیا اور یہاں مسلمانوں کی نو آبادی قائم کردی[1]،

حضرت ابو موسیٰ اشعری کی معزولی

۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کردیا، اسکی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف چلی آرہی تھی، لیکن صولت فاروقی کیوجہ سے علانیہ مخالفت کی ہمت نہ پڑتی تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس جماعت نے قوت حاصل کرلی، سوئے اتفاق سے اسی زمانہ میں کردوں نے بغاوت کی ابو موسیٰؓ نے جہاد پر وعظ کہا اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے، بہت سے لوگ آمادہ ہوگئے لیکن ابو موسیٰ کی مخالف جماعت نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے، دیکھیں ہمارا امیر کس شان سے چلتا ہے، اگر اس کا قول وفعل مطابق ہے تو ہم بھی پیادہ چلینگے اتفاق سے حضرت ابو موسیٰؓ جس وقت روانہ ہوئے، ان کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا، اور چالیس خچروں پر ان کا سامان بار تھا، ایک شخص نے بڑھ کر باگ روک لی، اور کہا قول وفعل میں یہ اختلاف، اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کی یورش دیکھکر کوڑا مارا، یہ لوگ شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے، اور ان سے ابو موسیٰ کی معزولی کا مطالبہ کیا، ان کے مطالبہ پر حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰ کو معزول کرکے عبد اللہ بن عامر کو والی مقرر کیا[2]،

---

[1] فتوح البلدان فتح قبرص [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۷۳،

ایران کی بغاوت اور فارس پر قبضہ

عہد فاروقی کی فتوحات میں گذر چکا ہے کہ یزدگرد ایران کی فتح کے بعد ترکستان بھاگ گیا تھا، اس وقت سے وہ برابر ایران میں بغاوت کرانے کی سازشیں کرتا رہا، لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور ۲۹ھ میں فارس اور کرمان سے لیکر خراسان تک سارے عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے حضرت عثمانؓ نے فوراً اس کی طرف توجہ کی اور عبید اللہ بن معمر کو فارس کی مہم پر مامور کیا لیکن وہ ناکام ہوکر مارے گئے، ان کے قتل ہونے کے بعد عبد اللہ بن عامر والی بصرہ نے اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بصرہ سے فارس بھیجا، اہل فارس نے پوری قوت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن ابن عامر نے انھیں شکست دے کر فارس پر دوبارہ قبضہ کرلیا،

ولید بن عقبہ کی معزولی

۳۰ھ میں ایک سازش کے ماتحت جس کی تفصیل آیندہ کسی موقع پر آئے گی، ولید بن عقبہ والی کوفہ معزول کردیئے گئے، اور ان کی جگہ سعید بن العاص کا تقرر ہوا،

طبرستان کی فتح

اہل طبرستان نے عہد فاروقی میں صلح کرلی تھی، عجم کی بغاوت کے سلسلہ میں انھوں نے بھی صلح توڑ دی، اس لئے ۳۰ھ میں سعید بن العاص نے طبرستان پر فوجکشی کی، حضرت امام حسنؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ متعدد صحابہ اس مہم میں شریک تھے، سعید بن عامر سیدھے جرجان پہنچے، یہاں کے باشندوں نے دو لاکھ درہم سالانہ پر صلح کرلی، جرجان کے بعد پورے طبرستان کو فتح کیا،

خراسان

سعید کے ساتھ ہی عبد اللہ بن عامر خراسان روانہ ہوئے تھے، راستہ سے انھوں نے مجاشع بن مسعود سلمی کو کرمان اور ربیع بن زیاد کو سجستان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا، اور خود خراسان پہنچے حدود خراسان میں داخل ہوکر سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں، انھوں نے ماخرز، جوین، بیہق وغیرہ فتح کئے اور ابن عامر خواف، اسفرائن اور ارغیان

پر قبضہ کرکے نیشاپور کا محاصرہ کرلیا، ایک مہینہ کے بعد نیشاپور کے مرزبان نے صلح کرلی نیشاپور
پر قبضہ کے بعد خراسان کے اور بڑے بڑے مقامات نسا، سرخس، اور اسپود وغیرہ آسانی
کے ساتھ قبضہ میں آگئے،

یزدگرد اس زمانہ میں بلخ میں تھا، اعانت رد ہونے کے بعد مایوس ہو کر بھاگا مسلمان
عرصہ تک اس کا تعاقب کرتے رہے، مہینوں وہ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا، آخر میں ایک دہقانی
کے ہاتھ سے مارا گیا اس کی موت کے بعد ساسانی خاندان اور اسی کے ساتھ ان کی ریشہ دوانیوں
کا خاتمہ ہو گیا،

طخارستان کی فتح خراسان پر تسلط قائم ہو جانے کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان
بھیجا، انھیں دیکھ کر طالقان جوزجان اور فاریاب وغیرہ قرب وجوار کے سارے علاقوں کے
باشندے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے امنڈ آئے، لیکن احنف نے بڑی خونریز جنگ کے بعد ان سب کو
شکست دی، کچھ شکست خوردہ فوجوں نے طالقان اور جوزجان میں اجتماع کیا، اس لئے
احنف خود طالقان اور فاریاب کی طرف بڑھے، اور اقرع بن حابس کو دوسری سمت جوزجان
بھیجا، انھوں نے جوزجان پہنچکر انھیں شکست دے کر جوزجان پر قبضہ کرلیا، اسی دوران میں
احنف، طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کرکے بلخ کی طرف بڑھے، لیکن جیحوں نہ پار کرسکے،
ماوراء النہر کے بعض امراء نے ان کے پاس آکر اظہار اطاعت کیا اور قیمتی ہدایا پیش کئے،

کرمان اور سجستان پر قبضہ اوپر گذر چکا ہے کہ ابن عامر نے کرمان اور سجستان کی مہیں علی الترتیب مجاشع
ابن مسعود اور ربیع بن زیاد کے متعلق کی تھیں چنانچہ مجاشع نے اسی سنہ میں
کرمان کے شہر سیرجان پر قبضہ کرکے یہاں کی شورش پسند آبادی کو نکالدیا، یہاں سے نکلکر
یہ لوگ قفص میں جمع ہوئے، مجاشع نے قفص جاکر بھی انھیں شکست دی، اور کرمان کے علاقہ پر

قبضہ ہوگیا،

دوسری طرف ربیع بن زیاد سجستان کی طرف بڑھے اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے سجستان کے صدر مقام زرنج پہنچے، یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہوگئے، ربیع نے محاصرہ کرلیا، آخر میں یہاں کے مرزبان نے محاصرہ سے گھبرا کر صلح کرلی، اور مسلمان شہر میں داخل ہوگئے، زرنج پر قبضہ کے بعد ربیع ایک سال تک یہاں مقیم رہے، پھر اپنا ایک نائب چھوڑ کر ابن عامر کے پاس لوٹ گئے، ان کی واپسی کے بعد زرنج کے باشندے ان کے نائب کو نکال کر پھر باغی ہوگئے، اس مرتبہ ابن عامر نے عبدالرحمن بن سمرہ کو بھیجا، انھوں نے پہنچتے ہی زرنج کا محاصرہ کرلیا، مرزبان نے پھر سپر ڈال کر صلح کرلی،

کش اور دوار کی فتوحات

عبدالرحمن بڑے حوصلہ مند تھے سجستان کو قابو میں لانے کے بعد ہندوستان کی سمت فوجیں بڑھا دیں اور رخج سے لے کر دوار کے علاقہ تک قبضہ کرلیا دوار کے باشندے کوہ روز میں جمع ہوئے، عبدالرحمن نے انھیں گھیر لیا، ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے صلح کرلی، اس پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بت نصب تھا، اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، عبدالرحمن نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھیں نکال لیں، پھر مرزبان کو یہ کہہ کر واپس کردیا کہ "مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف یہ دکھانا تھا کہ بت کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے"،

غزنہ کی فتح

اب زابلستان یعنی غزنہ کا علاقہ سامنے تھا، کوہ روز کے بعد عبدالرحمن نے ادھر کا رخ کیا، اور غزنہ سے لیکر کابل تک کا علاقہ فتح کرلیا،

یہ تمام فتوحات ابن عامر کی امارت کے زمانہ میں ہوئی تھیں، ان کی تکمیل کے بعد وہ ان کے شکرانہ میں حج کو روانہ ہوگئے،[1]

[1] یہ تمام حالات طبری اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں،

سواحل شام پر رومیوں کا حملہ

اگرچہ مسلمانوں نے رومیوں کو پیہم شکستیں دے کر ان کی قوت بہت کمزور کردی تھی، لیکن ہاتھوں سے نکلے ہوئے ملک کا غم ان کے دل سے نہ بھولتا تھا، چنانچہ آخری آزمایش کے لئے ۳۱ھ میں قیصر روم نے پانسو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ سواحل شام پر ہجوم کیا، امیر معاویہ اور عبید اللہ بن ابی سرح نے نہایت کامیاب مدافعت کی اور رومیوں کو نہایت فاش شکست دی اور وہ ما حال تباہ قسطنطنیہ لوٹ گئے،

متفرق فتوحات

ان اہم معرکوں اور فتوحات کے علاوہ عہد عثمانی میں اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور فتحیں بھی حاصل ہوئیں، ۳۲ھ میں امیر معاویہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، اور ۳۳ھ میں اناطولیہ کے قلعہ حصن المراۃ پر قبضہ کیا، ۳۴ھ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی، لیکن عبد اللہ نے پوری مستعدی سے فرو کردی، غرض دس سال کے عرصہ میں اسلامی حکومت کے حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر پھاٹک تک وسیع ہوگئے،

انقلاب اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

اس دور کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن وسکون سے گذرے، فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، محاصل وخراج کی زیادتی، وظائف کی کثرت، اور زراعت وتجارت کی ترقی نے ملک کو فارغ البالی اور عیش وتنعم کے سامانوں سے معمور کردیا، اس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم ونتائج بغض وحسد اور رشک ورقابت کا قدم بھی آیا، ان اندرونی تغیرات اور بیرونی اسباب نے مل کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسا انقلاب برپا کیا جس نے نظام خلافت کو درہم برہم کردیا، اس انقلاب کے خارجی اسباب حسب ذیل تھے

(۱) کبار صحابہ جو اسلام کے سچے جاں نثار اور شیدائی تھے، اٹھتے جاتے تھے، اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی تھی، بہت سے بزرگ ضعفِ پیری کی وجہ سے عملی کاموں میں حصہ لینے کے قابل نہ رہ گئے تھے، ان کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی جن میں اپنے اسلاف کے جیسا سچا خلوص و ولولہ تو کجا مال و دولت کی فراوانی نے ان میں رشک و حسد کا مادہ پیدا کر دیا تھا (۲) حضرت عمرؓ بڑے عاقبت اندیش تھے، انھوں نے اپنے عہد میں اکابر قریش کو جنکے دلوں میں خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا، مدینہ کے باہر نہیں نکلنے دیا، حضرت عثمانؓ نے یہ قید اٹھادی، یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو خاندان رسالت کے تعلق سے لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا، بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن گئے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں بھی اپنی جلالتِ شان کا احساس پیدا ہو گیا اور مفتوحہ اقوام نے ان میں خلافت کے جذبات پیدا کر دیئے، (۳) اسلام نے جن اقوام و مذاہب کو مغلوب کیا تھا، ان میں نہایت سخت مخفی انتقامی جذبات موجود تھے، انھوں نے خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے سازش کا نہایت وسیع جال بچھادیا (۴) قریش اپنے خاندانی اعزاز کی وجہ سے اپنے کو عام عربوں سے بلند سمجھتے تھے اور انھیں بڑی بڑی جاگیریں ملی تھیں، ان کے اس غرور و امتیاز کو وہ قومیں جن کی تلواریں ملکوں کے فتح کرنے میں برابر کی شریک تھیں ناپسند کرتی تھیں، (۵) بنی ہاشم خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے، ان میں اور بنی امیہ میں قدیم چشمک تھی جو عہد نبوی میں دب گئی تھی اس کے بعد پھر ابھر آئی (۶) حضرت عثمانؓ بڑے نرم خو اور کنبہ پرور تھے، اپنی جیب خاص سے بنی امیہ کی بڑی مدد کرتے تھے، اسی کنبہ پروری میں اپنے بہت سے امویوں کو جن میں حکومت کی اہلیت نہ تھی، یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا، حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کر دیا تھا، ان کی بے عنوانیوں پر لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع مل گیا، (۷) اپنی فطری نرمی کی وجہ سے

حضرت عثمانؓ معمولی بے عنوانیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے، اس لیے بالآخر یہ کار اموی عمال کی بے عنوانیاں بڑھتی گئیں، اور حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل گیا، اور قریش کے ان نوجوانوں نے جنھیں آپ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا تھا، برملا نکتہ چینی شروع کر دی اور آپ کی کنبہ پروری کو نہایت بدنما شکل میں مشہور کرنا شروع کر دیا، جس کا دوسروں پر نہایت ناگوار اثر پڑا،

ان حالات کی وجہ سے یہودیوں اور مجوسیوں کو جن کی حکومت اور جن کے مذہب کو اسلام نے مٹایا تھا، بدلہ لینے کا موقع مل گیا، چنانچہ اس انقلاب کی اصل بانی یہی دونوں قومیں تھیں،

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی

ان مخالفین میں سب سے بڑا فتنہ انگیز بلکہ دشمن اسلام ایک نومسلم یہودی عبداللہ بن سبا تھا، اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا، اس لئے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے، اور عہد نبوی ہی سے اس کی بیخکنی کے درپے تھے، لیکن عہد فاروقی تک ان کو اس میں کامیابی نہ ہوئی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب نظام خلافت میں وہ استواری باقی نہ رہ گئی اور اموی عمال کی بعض بے عنوانیوں اور دوسرے مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، حضرت عثمانؓ کے خلاف نکتہ چینی شروع ہوئی اس وقت عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا، یہ بڑا ذہین طباع اور سازشی دماغ رکھتا تھا، چونکہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اس نے اسلام کا لباس پہنکر حضرت عثمانؓ بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش شروع کر دی،

بنی امیہ اور بنی ہاشم میں پرانی چشمک چلی آرہی تھی، گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا لیکن وہ دلوں سے مٹی نہ تھی، ابن سبا نے سب سے پہلے اسے ابھارا اور محب اہل بیت کے لباس میں اہل بیت کی حمایت کیساتھ خلفاء خصوصاً بنی امیہ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف پروپگینڈا شروع کر دیا، اور سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے اور ان میں تفریق پیدا کرنے کے لئے ان کے صاف وسادہ عقائد میں خرافات شامل کر دیئے کہ رسول اللہ صلعم حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے، اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، رسول اللہ صلعم کے وصی حضرت علیؓ ہیں، رسول کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں، حضرت عثمانؓ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے وغیرہ ذلک من الخرافات

تفریق کا یہ بیج بونے کے بعد اس نے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے یہ کامیاب طریقے اختیار کئے،

(۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پر فریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا،

(۲) عثمانی عمال کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا،

(۳) حضرت عثمانؓ کی کنبہ پروری کی داستان کو مشہور کرنا،

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا اور ہر جگہ دعاۃ اور خفیہ خط وکتابت کے ذریعہ سے ایسا وسیع اور منظم پروپگینڈا کیا کہ چند ہی دنوں میں سارے ملک کی فضا خراب ہو گئی[1]

اس سازش کی کامیابی کے اسباب

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مختلف اسباب اور مختلف اغراض کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک جماعت پہلے سے موجود تھی، اسے

---

[1] طبری ص ۲۹۴۲،

حضرت عثمانؓ کو نشانہ ملامت بنانے کے لیے ایک بہانہ ملنا چاہیئے تھا، چنانچہ ان جماعتوں میں ابن سبا کی دعوت بہت کامیاب ہوئی،

یہودیوں کے بعد مسلمانوں کے دوسرے دشمن اہل عجم تھے، جن کی حکومت انھوں نے مٹائی تھی، ان کی فطرت میں شاہ پرستی تھی، ابن سبا، اہل بیت کے داعی کے لباس میں تھا، اس لئے سرزمین عجم میں اس کی تحریک کو بڑا فروغ ہوا، گو عجمیوں کا نقطہ نظر اس سے مختلف تھا، ابن سبا کا مقصد مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم کرنا تھا، اور اہل عجم چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت ایسے موروثی قالب میں ڈھل جائے کہ ان کی خدمات یعنی حمایت اہلبیت کے صلہ میں ان کو حکومت میں زیادہ سے زیادہ حقوق حصول ہوجائیں اس لئے عراق وغیرہ میں ابن سبا کی تحریک زیادہ بارآور ہوئی،

ان طبقوں کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب میں اس طرح آگئے کہ بعض نوجوان عثمانی عمال، عہد سعادت کے فیض تربیت سے محروم تھے، اس لئے ان میں صحابہ کرام کے جیسا اخلاص وتدین نہ تھا، پھر حضرت عثمانؓ میں فاروقی صولت نہ تھی جس سے بڑے بڑے مدبرین تھراتے تھے، بلکہ آپ فطرۃً نرم خو، حلیم الطبع اور متحمل تھے، آپ میں عفو ودرگذر کا مادہ زیادہ تھا، اس لئے عثمانی عمال سے بعض بے عنوانیاں سرزد ہوجاتی تھیں، گو علم کے بعد آپ اسکا تدارک کرتے تھے، لیکن مخالفین کو بدنام کرنے کا بہرحال موقع مل جاتا تھا، اس لئے بعض مخلص اور خیر خواہ خلافت مسلمانوں کے دلوں میں بھی کم از کم شکوک پیدا ہوگئے،

ابن سبا نے دعاۃ اور تحریری پروپیگنڈہ کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ میں جاکر خفیہ جماعتیں قائم کیں، سب سے اول ۳۳ھ میں عبداللہ بن عامر والی بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا، انھوں نے اسکو اپنے یہاں سے نکالا، یہاں سے نکل کر وہ کوفہ پہنچا، کوفہ سے بھی نکالا گیا،

تو آخر میں مصر کو اپنا مستقر بنایا[1]،

غرض مذکورۂ اسباب کی بنا پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبا کے پروپیگنڈے کا کچھ نہ کچھ اثر پڑا، خصوصاً عراق جس کی فطرت میں شر و فساد ہے، اس فتنہ کا مرکز بن گیا، چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں علانیہ حضرت عثمانؓ کے مخالف پیدا ہو گئے،

کوفہ میں مخالفت

کوفہ میں انقلاب پسندوں کے سرغنہ اشتر نخعی، جندب بن کعب، ابن ذی الحنکہ، صعصعہ، ابن الکوا، کمیل اور عمیر بن صابی تھے، ان کا کام حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنا تھا، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے، ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آکر سعید بن العاص اور اشرافِ کوفہ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لئے انھیں یہاں سے نکال دیا جائے، آپ نے تمام ان کے خیال سے ان لوگوں کو امیر معاویہ کے پاس شام بھیجدیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کرو، اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیجدو[2]،

حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام

حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہو گئی تھی، لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، سبائیوں کی قوت مضبوط ہونے کے بعد سب سے اول ۳۴ھ میں کوفہ کے ایک انقلابی یزید بن قیس نے اس کی جرأت کی اور سبائیوں کو لے کر حضرت عثمانؓ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لئے مدینہ چلا، لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا، گرفتار ہو جانے کے بعد اس نے کہا میں صرف سعید بن العاص والی کا تبادلہ چاہتا ہوں، اس لئے قعقاع نے اسے چھوڑ دیا، اور یزید نے خط لکھکر کوفہ کے سب سے بڑے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۵ [2] ایضاً ص ۵۳،

سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا، اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں شورش شروع ہوگئی، اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے ایک غلام کو قتل کردیا، سعید نے جب دیکھا کہ مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لئے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انھوں نے خود جاکر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے بجائے ابوموسیٰ اشعری کو چاہتے ہیں، حضرت عثمانؓ امن وامان کے خواہاں تھے، اس لئے سعید کو معزول کرکے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعریؓ کو مقرر کردیا، اور اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے سعید کو معزول کرکے جس کو تم چاہتے تھے، اس کو مقرر کردیا ہے، خدا کی قسم میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا، تمھارے مقابلہ میں صبر سے کام لوں گا، اور تمھاری اصلاح میں پوری کوشش صرف کردوں گا، (ابن اثیر ج ۳ ص ۵۰)

عمال سے حضرت عثمانؓ کا مشورہ

لیکن مفسدین کی اصل غرض تو انقلاب برپا کرنا تھا، پھر کوفہ بصرہ سارے عراق میں یہی حال تھا، اس لئے کوئی اصلاح کارگر نہ ہوسکتی تھی، جب ہر طرف سے اسی قسم کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ، عبداللہ بن سعد، سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاصؓ وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر ان سے موجودہ صورتِ حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا،

عبداللہ بن عامر نے کہا، لوگوں کو جہاد میں لگا دیجئے، اس کی مشغولیت میں ان سب کی توجہ دوسری طرف بٹ جائے گی،

سعید بن العاص نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے، اگر ان کے سرغنہ پکڑ کے قتل کردیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ خود بکھر جائے گا، امیر معاویہؓ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے اپنے صوبہ میں امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا جائے، شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں

عبداللہ بن سعد نے رائے دی کہ یہ سب بندۂ زر ہیں، روپیہ دیکر ان کا منھ بند کردیجئے،

عمرو بن العاص بولے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ بے عدالتی سے کام کرتے ہیں، عدل و انصاف سے کام لیجئے یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے، ورنہ پھر ہمت کرکے جو دل میں آئے کیجئے،

حضرت عثمانؓ نے متعجب ہوکر ان سے پوچھا تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے؟ عمرو خاموش رہے، جب لوگ چلے گئے تو کہا امیرالمومنین میں نے جو کچھ کہا تھا وہ دراصل میرا خیال نہیں ہے آپ کی ذات اس سے بلند ہے یہ میں نے اس مصلحت کی بنا پر کہا تھا کہ مخالفین پس پردہ ہماری گفتگو کی تجسس میں تھے، اس لیے میں نے یہ باتیں کیں تاکہ وہ لوگ مجھے اپنا ہم خیال سمجھکر رازدار بنائیں، اور مجھے آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقع ملے[1]،

حضرت علیؓ کا مشورہ جیسا کہ اوپر معلوم ہوچکا ہے عثمانی عمال کی بعض بے عنوانیوں کی وجہ سے بعض صحابہ کو بھی ان سے شکایات تھیں، لیکن ان کا مقصد صرف عمال کی اصلاح تھا چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف زیادہ شورش بڑھی، تو صحابہ کرامؓ نے اصلاح کے لئے قدم اٹھایا، اور زید بن ثابتؓ انصاری ابو اسید ساعدی، کعب بن مالک اور حسان بن ثابت نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس موجودہ صورت حال پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا، انھوں نے جاکر کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا ہے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں آپ تو کسی چیز سے ناواقف نہیں ہیں، جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں، آپ نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا ہے، آپ کی صحبت اٹھائی ہے، آپ کی باتیں سنی ہیں، رسول اللہ صلعم کے عزیز قریب ہیں، ان کی دامادی کا شرف حاصل ہے، جو ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب کو حاصل نہیں ہے، کسی امر میں انکو

---

[1] طبری ص ۲۹۳۱،

آپ پر تقدم حاصل نہین ہے، اس لئے آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہیں'' اس
خوش آیند طریقہ سے حضرت علیؓ نے اپنے خیالات پیش کئے اور اصلاح حال کے متعلق مفید
مشورے دیئے، حضرت عثمانؓ نے ان کا مناسب جواب دیا اور عام مسلمانون کے سامنے
مسجد مین موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی[1]

تحقیقاتی کمیشن | اس گفتگو کے بعد ۳۵ھ مین اہل مدینہ کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے اکابر
صحابہؓ کا ایک کمیشن مقرر کیا کہ وہ ملک کا دورہ کرکے موجودہ حالات کی تحقیقات کرکے
اپنی رپورٹ پیش کرے، چنانچہ علی الترتیب کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کی تحقیقات محمد بن مسلمہ
اسامہ بن زید، عمار بن یاسر اور عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ہوئی،

ان بزرگون نے یہان کے اکابر اور عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور عمار
بن یاسر کے علاوہ سب نے بالاتفاق یہ بیان دیا کہ ما انکرنا شیئاً ولا انکرہ اعلام
المسلمین ولا عوامھم" یعنی ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ، اور عام مسلمانون نے
کوئی قابل اعتراض بات نہین پائی، حضرت عمار بن یاسر سادہ دل بزرگ تھے، وہ سبائیون
کے دام فریب مین مبتلا ہوگئے، استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منھم عبد اللہ
بن السوداء وخالد بن ملجم وغیرھم، یعنی لوگوں نے (سبائی) مصر مین انھین پھسلا لیا
اور عبداللہ بن السوداء اور خالد بن ملجم وغیرہ ان کے ساتھ ہوگئے،[2]

اعلان عام | حضرت عثمانؓ نے تنہا اس تحقیقات پر بس نہین کیا، بلکہ تمام ممالک محروسہ
مین اعلان عام کردیا کہ "مین ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کامون کا محاسبہ کیا کرونگا
جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے، اس وقت سے مین نے امر بالمعروف

[1] طبری اور ابن اثیر مین اس گفتگو کی پوری تفصیل ہے، طبری ص ۲۹۳۷، ۲۹۳۰، [2] ایضاً ص ۲۹۴۳ و ۲۹۴۴،

اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے، اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات بھیجے جاتے ہین ان کا تدارک کرتا ہون، رعایا کے اسی مال مین میرا اور میرے اہل و عیال کا حق ہے جو اس کے مصارف سے بچ رہے، جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرکے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے، یا صدقہ کردے کہ خدا صدقہ کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

یہ اعلان ایسا مؤثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے، اور حضرت عثمانؓ کے حق مین دعا کی[1]

عمال کی طلبی | اس اعلان کے ساتھ ہی آپنے تمام عمال کو حج کے موقع پر طلب کیا، امیر معاویہ عبداللہ بن عامر وغیرہ تمام بڑے بڑے عمال حاضر ہوے، آپنے ان سے پوچھا یہ شکایتین اور افواہین کیسی سننے مین آتی ہین؟ خدا کی قسم مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی پورے کرنے والے تم ہی لوگ نہ ہو، ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپ خود ان کی افواہون کی تحقیقات کرا چکے ہیں، اور تحقیق کرنے والوں کا بیان بھی آپکے سامنے ہو چکا ہے کہ انکے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہیں پیش کی یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں، ان کی کوئی اصل نہین محض افواہ اور شہرت عام پر مواخذہ کرنا جائز نہین ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے، سعید بن العاص نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والون کو پکڑ کے قتل کردیا جائے، عبداللہ بن سعد نے مشورہ دیا کہ جب آپ لوگون کے حقوق ادا کرتے ہین تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجئے، امیر معاویہؓ نے کہا میرے رقبۂ حکومت مین سب

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴،

امن واماں ہے، وہاں آپکو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی، عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ نرمی
سے زیادہ کام لیتے ہیں لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں، عمر سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں ابو بکر و
عمر کے طریقہ کو اختیار کیجئے، سختی کے موقع پر سختی کیجئے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے

یہ مشورہ سنکر پیکر حلم وعفو نے جواب دیا کہ ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ
ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے، اس امت کے لئے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آکر رہے گا،
اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا، لیکن میں اس کو نرمی سے
بند کرونگا، البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتونگا، اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی
حجت باقی نہ رہ جائے گی، خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کسی قسم کی کوتاہی
نہیں کی، فتنہ کی چکی چلنے والی ہے، اگر عثمان اس حالت میں مرگیا کہ اس نے اس چکی کو
حرکت نہیں دی تو اس کے لئے بشارت ہے، تم لوگ لوگوں میں سکون پیدا کرو، انکے
حقوق پورے کرو، خدا کے حقوق میں کسی قسم کی مداہنت نہ کرو[1]

غرض آپنے فتنہ رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن یہ ناممکن تھا فتنہ شمعِ خلافت کو بجھا کر رہا، اس حادثہ
عظمیٰ کے حالات لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ان اعتراضات
پر ایک نظر ڈال لیجائے، جنکی بنا پر حضرت عثمانؓ کو مورد طعن بنایا جاتا ہے،

مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت

حامیانِ انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمانؓ کے خلاف کئے جاتے تھے وہ یہ ہیں،

(۱) کبار صحابہ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو
مقرر کیا، مثلاً مغیرہ بن شعبہ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ
ابن ارقم اور عمرو بن العاص کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا،

[1] طبری ۱ ص ۲۹۶۱

(۲) بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کیساتھ ناروا سلوک کیا گیا،

(۳) بیت المال کا روپیہ بیجا طور سے صرف کیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمین دین، مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچوان حصہ دیدیا، عبد اللہ بن ابی سرح کو خمس کا پانچوان حصہ عطا کیا، عبد اللہ بن خالد کو پچاس ہزار دیئے،

(۴) نقیع کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیا، اور عام لوگون کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا،

(۵) اموی عمال کی بے عنوانیون کا کوئی تدارک نہین کیا،

(۶) حدود کے اجرا مین تغافل برتا،

(۷) ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے،

(۸) بعض نئی بدعتیں جاری کین مثلاً سنت رسول اور سنت شیخین کے خلاف منیٰ مین دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی،

(۹) فرائض میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا، حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایتون کو قبول نہ کرتے تھے،

(۱۰) حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلعم نے جلا وطن کر دیا تھا دوبارہ مدینہ بلا لیا،

(۱۱) مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی،

یہ وہ اعتراضات ہین جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین کی جانب سے آپ کے اوپر کئے جاتے ہین، لیکن ان مین سے بعض تو بالکل غلط ہین، بعض مین واقعات کو مسخ کر کے بدنما شکل مین پیش کیا گیا ہے، اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہین، ان کی اصل حقیقت یہ ہے۔

(۱) پہلے اعتراض کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ اکابر صحابہ کو معزول کیا، دوسرے یہ کہ انکی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا، لیکن ان میں سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہیں، اگر کسی صحابی کی معزولی کے معقول اسباب ہوں تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہیں، حضرت عمرؓ نے جن کا عدل و تدبر مسلم ہے خالد سیف اللہ کو معزول کر دیا اور مغیرہ بن شعبہ جیسے مدبر کی معزولی کی وصیت کرتے گئے،

حضرت عثمانؓ نے جن صحابہ کو معزول کیا ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی معزولی کے متعلق حضرت عمرؓ کی وصیت تھی[1] ابو موسیٰ اشعری کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ بصرہ کی رعایا ان کے خلاف ہو گئی تھی، اور حضرت عثمانؓ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا[2]، پھر بصرہ سے معزولی کے چند برسوں کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنا دیا[3]، سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی جس کو وہ ادا نہ کر سکے اور مہتمم بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تقاضے پر سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی[4]، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا، جس کی تصریح عزل کے وقت کر دی تھی، پھر ان کی جگہ ایک صحابی ہی حضرت زید بن ثابت کا تقرر کیا[5]، عمرو بن العاص کی معزولی کا سبب اوپر گذر چکا ہے، کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی، حضرت عثمانؓ کے حکم پر بھی عمرو بن العاص نے اضافہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی درانحالیکہ اس کی گنجایش موجود تھی، چنانچہ ان کے جانشین عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے چند دنوں میں بڑھا کر دونا کر دیا[6]

---

[1] طبری ص ۲۸۰۲، [2] ایضاً ص ۲۸۲۸، [3] ایضاً ص ۲۹۳۰، [4] ایضاً ص ۲۸۱۱، [5] ابن اثیر ج ۳ [6] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹،

دوسرا الزام عمرو بن العاص پر یہ تھا کہ انھوں نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں یونان پر بعض ناروا زیادتیاں کی تھیں،

اس اعتراض کا دوسرا ٹکڑا کہ صحابہ کے بجائے اپنے نوجوان اور ناتجربہ کار اعزہ کو مقرر کیا محض ایک بے معنی مغالطہ ہے، عمال کے عزل ونصب کا اصل معیار حکومت وجہانبانی کی صلاحیت ہے، اس اعتبار سے حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کا انتخاب کیا وہ ان عہدوں کے لئے موزوں ترین تھے، ان کی اولو العزمی اور شجاعت نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے، اسپین، چین اور ہندوستان سے ملادیئے، جن کی تفصیلات اوپر فتوحات میں گذر چکی ہیں،

یہ صحیح ہے کہ شرف صحابیت بھی ایک بڑا معیار ہے، لیکن مذہبی اور سیاسی کسی نقطۂ نظر سے بھی عمال کے لئے صحابیت کی شرط ضروری نہیں تھی، پھر حضرت عثمانؓ کے عہد میں اکثر اکابر صحابہ عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے تھے جبکہ ضعف پیری کی وجہ سے وہ کسی بڑی خدمت کی ذمہ داری سے معذور ہو چکے تھے، پھر یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ صحابہ کو معزول کر کے تمامتر نوجوانوں کو مقرر کیا، اس کے برخلاف مثالیں بھی ہیں، مثلاً کوفہ سے سعید بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کیا، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس لئے یہ اعتراض کہ اکابر صحابہ کی جگہ نوجوانوں کا تقرر کیا، کسی حیثیت سے بھی قابلِ توجہ نہیں رہتا،

(۲) اکابر صحابہ سے بدسلوکی کے سلسلہ میں شہرت ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلاوطن کر دیا، حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ سختی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ بند کر دیا،

پہلا واقعہ بالکل غلط ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلا وطن نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود ایک ویرانہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ عام سرمایہ داری کے بھی خلاف تھے، ان کے مشرب میں کل کے لئے کچھ اٹھا رکھنا جائز نہ تھا، وہ شام میں سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہتے پھرتے تھے، اس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا، اس لئے امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کو شام سے بلا لیجئے، حضرت عثمانؓ نے امن عام کے خیال سے اپنے پاس بلا لیا، اور فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیئے، آپ کی کفالت میں کروں گا، لیکن وہ ایک بے نیاز بزرگ تھے، جواب دیا مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے اور خود مکہ کے قریب ایک ویرانہ ربذہ میں سکونت اختیار کر لی[1]۔

حضرت عمارؓ بن یاسر کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی، لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس لئے حضرت عثمانؓ نے انکی فہمایش ضرور کی،

عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ ضرور بند کیا، لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لئے عہد صدیقی کے مصحف کے سوا باقی تمام مصاحف ضائع کرا دیئے تھے، عبداللہ بن مسعودؓ کا علحدہ ایک مصحف تھا، اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ نے ان کا مصحف بھی طلب کیا، لیکن وہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے، اس لئے حضرت عثمانؓ کو سختی سے کام لینا پڑا، درحقیقت تمام امت کو ایک قرآن پر متحد کر دینا حضرت عثمانؓ کی ایسی خدمت ہے جس کے احسان سے امت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ہے،

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق اول ص ۱۶۷،

ابن مسعودؓ کا مصحف خواہ انھیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو لیکن جس مصلحت کی بنا پر حضرت عثمانؓ نے اسے طلب کیا تھا، اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا انکار کرنا قطعاً نامناسب تھا،

(۳) بیت المال میں تصرف کرنے کا الزام بالکل غلط بلکہ مہمل ہے جس فیاض غنی نے اسلام کے عہدِ عسرت میں اس کے مصالح کے لئے اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال پر کیا نگاہ ڈالتا، حضرت عثمانؓ اپنے عہدِ خلافت میں بھی بڑے صاحبِ ثروت تھے انھیں بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج ہی نہ تھی بلکہ خلفاء میں وہی ایک ایسے بزرگ تھے جو اپنے واجبی مصارف کیلئے بھی بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے،

اس شہرت کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ حضرت عثمانؓ بڑے صاحب ثروت تھے، اور ثروت کے ساتھ خدا نے فیاض بھی بنایا تھا، اس لئے وہ اپنے ذاتی روپیہ سے اپنے غریب اعزہ کی مدد کرتے تھے، اسے مخالفین دوسرے رنگ میں مشہور کرتے تھے اس غلط فہمی کو آپ نے خود ایک تقریر میں دور فرمایا تھا وہ تقریر یہ ہے،"

لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں، اور ان کو دیتا لیتا ہوں، لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے، بلکہ میں ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں، جو کچھ میں ان کو دیتا ہوں وہ اپنے ذاتی مال سے، مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کے لئے، میں رسول اللہ صلعم، ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیتا تھا، حالانکہ اس زمانہ میں میں بخیل و حریص تھا، اور اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و

عیال کے سپرد کر دیا ہے، تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید بار نہیں ڈالا ہے کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے، جو آمدنی ہوئی وہاں ہی لوگوں کی ضرورت و فلاح میں صرف ہوئی، میرے پاس صرف خمس آتا ہے، اس میں سے بھی میں کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا، اسے مسلمان جس مصرف میں مناسب سمجھتے ہیں صرف کرتے ہیں، اس میں میرا مشورہ تک نہیں ہوتا، خدا کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا، حتی کہ میں کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہوں[1]۔

بیت المال میں تصرف کے سلسلہ میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ نہایت مسخ شدہ شکل میں، اصلی شکل میں وہ قابل اعتراض نہیں، مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہیں کیا تھا بلکہ اس نے پانچ لاکھ میں خریدا تھا[2]۔

عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ البتہ دیا تھا، لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو آپ نے واپس کرا دیا، اس کی شکل بھی یہ تھی کہ عبداللہؓ بن ابی سرح نے جب طرابلس پر فوجکشی کی تو حضرت عثمانؓ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے وعدہ فرما لیا تھا کہ اگر تم نے یہ مہم سر کی تو تم کو مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا، چنانچہ طرابلس کی فتح کے بعد یہ وعدہ پورا کیا، لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا، انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا، آپ نے فرمایا اگر تم لوگ رضامند ہو تو رہنے دیا جائے ورنہ واپس کر دیا جائے، لوگ راضی نہ ہوئے تو آپ نے اسی وقت عبداللہؓ بن ابی سرح کو واپس کرنے کا حکم لکھ دیا[3]۔

عبداللہؓ بن خالد کو بھی ان کے خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے، لیکن جب

---

[1] طبری ص ۲۹۵۳ [2] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹، [3] طبری ص ۲۸۱۵،

مسلمانوں نے اعتراض کیا تو اسے بھی واپس کرا دیا[1]

(۴) بقیع کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کرنے کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بعض چراگاہیں عہد فاروقی سے بیت المال کے مویشی کے لئے مخصوص تھیں، اس کی تصریح خود حضرت عثمانؓ نے ایک بیان میں فرمائی ہے،

"میں نے بھی چراگاہوں کو مخصوص قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں ۔۔۔ میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہے، حالانکہ خلافت سے پہلے میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا، اور آج دو اونٹوں کے سوا جو حج کے سفر کے لیے رکھ چھوڑے ہیں، میرے پاس ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے"[2]

(۵) یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا تدارک نہیں کیا، اس باب میں آپ کے طرزِ عمل کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، چنانچہ آپ کے علم میں جو بے عنوانی آتی تھی آپ اس کا تدارک فرماتے تھے، چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکایتیں پہنچیں تو آپ نے ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ "میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے تمام عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا، میں نے آغازِ خلافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا نصب العین بنایا ہے، میرے یا میرے عمال کے پاس جو شکایت پہنچتی ہے میں اس کا پورا تدارک کرتا ہوں ۔۔۔ میرے پاس یہ شکایت پہنچی ہے کہ کچھ لوگوں کو مارا جاتا ہے اور گالی دیجاتی ہے اس خفیہ ضرب و شتم پر مجھ کو افسوس ہے جس کو اس قسم کی کوئی شکایت ہو وہ میرے پاس حج کے موقع پر پیش کرے، اور مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق لے یا معاف

---

[1] و [2] ایضاً ص ۲۹۴۹ و ص ۲۹۵۲۔

کر دے کہ حدا معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[1]،

جب کسی عہدہ دار کے خلاف لوگوں کو شکایت ہوئی اور انھوں نے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فوراً معزول کر دیا، چنانچہ اہل کوفہ کی شکایت پر سعید بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری صحابی کو مقرر کیا،

(۶) اجرائے حدود میں تغافل کے دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں،

ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبیداللہ سے ہرمزان اور حفینہ کے قتل کا قصاص لیا گیا، دوسرے ولید بن عقبہ پر شراب خواری کی حد میں تاخیر کی گئی،

پہلے واقعہ کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے سامنے عبیداللہ کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے قصاص لینے کی رائے دی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا اور کہا یہ مناسب نہیں ہے کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے، عمرو بن العاص نے عرض کیا امیر المومنین اگر آپ عبیداللہ کو معاف کر دیںگے تو امید ہے کہ حدا آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا، اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے اس لئے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت سے بدلے دیتا ہوں، اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا فرمائی[2]

ظاہر ہے کہ اس خاص شکل میں سب سے زیادہ دانشمندانہ فیصلہ یہی ہو سکتا تھا جو حضرت عثمانؓ نے کیا، ولید بن عقبہ کی حد میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن غفلت نہیں برتی گئی، اس تاخیر کا سبب یہ تھا کہ پوری شہادت مہیا نہیں ہوئی تھی، شہادت ملنے کے بعد فوراً حد جاری کی گئی[3]

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۶ [3] ایضاً ص ۲۹،

(۷) ساتواں اعتراض کہ آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف ضائع کردئیے نہایت لغو اور مہمل ہے، یہ تو حضرت عثمانؓ کی سب سے بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انھوں نے پوری امت کو ایک قرآن پر متحد کردیا، ورنہ دوسرے اہلِ کتاب کی طرح اس کا بھی حشر ہوتا،

(۸) بدعات میں صرف یہ بدعت بیان کیجاتی ہے کہ منیٰ میں خلافِ سنت دو رکعت نماز پڑھنے کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں، اس کی وجہ خود عثمانؓ نے بیان فرمادی تھی کہ جب میں مکہ پہنچا تو یہاں قیام کی نیت کرلی تھی اور میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کرے اسکو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہئے،[۱]

(۹) نویں الزام کے ثبوت میں کوئی واقعہ نہیں پیش کیا جاتا، آپ نے کسی مسئلہ میں متواتر روایات کو چھوڑ کر روایاتِ شاذہ پر عمل نہیں کیا، ممکن ہے کسی اجتہادی مسئلہ میں، آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو اور یہ کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں ہے،

(۱۰) حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ صلعم نے جلا وطن کردیا تھا، لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے آپ سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی[۲] جسکا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا،

(۱۱) مصریوں کے ساتھ بدعہدی کے واقعہ کی تفصیل آئندہ آئے گی،

ان الزاموں کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں، لیکن وہ لائقِ اعتنا نہیں،

ان الزاموں کی حقیقت ظاہر ہوجانے کے بعد ناظرین کو پھر انقلاب کے حالات

---

[۱] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲، [۲] اصابہ تذکرہ حکم بن العاص،

کی جانب رجوع کرنا چاہیئے، حضرت عثمانؓ کی حج سے واپسی تک کے حالات اوپر لکھے جا چکے ہیں

اکابر صحابہ سے مشورہ اور جوار رسولؐ کو چھوڑنے سے انکار

مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، ان بزرگون نے خیر خواہانہ مشورے دیئے، حضرت عثمانؓ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا اور ان بزرگون نے بھی اظہار طمانیت کیا،

امیر معاویہ مکہ سے ساتھ آئے تھے، شام واپس جاتے وقت انھون نے عرض کیا کہ یہان کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے، آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے، وہان آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے لیکن مین جوار رسول کو نہیں چھوڑ سکتا" امیر معاویہ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کے لئے وہان سے فوجین بھیجدون، فرمایا مین ہمسایگان رسول کو فوج کے مصائب مین مبتلا نہ کرونگا امیر معاویہؓ نے چلتے چلتے پھر کہا کہ مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے، فرمایا حسبی اللہ و نعم الوکیل[1]

غرض امیر معاویہؓ مایوس ہو کر تنہا شام واپس گئے،

مدینہ پر باغیون کی یورش

ادھر حضرت عثمانؓ اصلاح حال کی تدبیرون مین مصروف تھے دوسری طرف کوفہ بصرہ اور مصر کے باغی آپس مین خفیہ خط و کتابت کر کے مدینہ پر یورش طے کر چکے تھے، چنانچہ ۳۴ھ کے آخر مین جبکہ موسم حج کی وجہ سے مدینہ خالی ہو چکا تھا، تینون مقامون کے باغیون نے حج کے بہانہ سے مدینہ کا رخ کیا اور قریب پہنچکر مدینہ سے چند میل باہر ٹھہرے، یہ تینون حضرت عثمانؓ کی معزولی پر تو متفق تھے، لیکن انکے امیدوار

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۰،

جانشین کے بارہ میں ان کی رائیں مختلف تھیں، کوئی حضرت زبیرؓ کو چاہتے تھے، بصری حضرت طلحہؓ کو اور مصری حضرت علیؓ کو، چنانچہ تینوں نے ان بزرگون سے مل کر خلافت قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن ان حضرات نے انھیں ڈانٹ کر واپس کر دیا،

حضرت عثمانؓ پر حملہ اس کے بعد جمعہ کا دن پڑتا تھا، حضرت عثمانؓ حسب معمول نماز کیلئے مسجد تشریف لائے اور نماز کے بعد باغیوں کو فہمائش کی، لیکن اب ان کی سرکشی فہمائش کے حدود سے گذر چکی تھی، انھوں نے پتھر مار مار کر نمازیوں کو مسجد سے نکال دیا، اور حضرت عثمانؓ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ منبر سے گر کر بیہوش ہو گئے، لوگ اٹھا کر گھر لائے، باغیوں کی یہ جسارت دیکھ کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، زیدؓ بن ثابت، ابوہریرہ اور حضرت امام حسینؓ، حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے پہنچے، لیکن آپ نے ان سب کو واپس کر دیا۔[1]

مصریوں کی یورش اس واقعہ کے بعد ہی مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دینے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی، حضرت عثمانؓ ہر وقت فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے ہر اصلاحی صورت کو قبول کرنے کے لئے آمادہ تھے، چنانچہ حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ "آپ جو کچھ مشورہ دیں میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں، آپ باغیوں کو واپس کر دیجئے"، چنانچہ تینؓ مہاجر و انصار صحابہؓ نے انھیں سمجھا بجھا کر واپس کیا، اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کر کے اور آیندہ کے متعلق اپنا طرز عمل بتایا، یہ تقریر اتنی مؤثر تھی کہ سارے سامعین رو دیئے۔[2]

دوسری یورش اور خلافت سے دست برداری کا مطالبہ لیکن ابھی اس خوش آیند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعۃً مصر کے باغیوں کا گروہ پہنچ گیا، حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے

---

[1] طبری ص ۲۹۵۶ و ۲۹۵۷، [2] ایضاً ص ۲۹۶۰ و ۲۹۶۱۔

جا کر ان سے واپسی کا سبب پوچھا انھون نے کہا ہم کو راستہ میں ایک سرکاری ہرکارہ مصر کی طرف جاتے ہوے ملا، ہم کو شک ہوا، تلاشی لی تو اس کے پاس والی مصر کے نام حضرت عثمانؓ کا فرمان ملا، جسمیں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم تھا، اور حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا آپ نے بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی کہ "نہ ایسا حکم مین نے لکھا نہ کسی سے لکھوایا، اور نہ اس کے متعلق مجھ کوئی علم ہے۔" سب نے اس بیان کی تصدیق کی، باغیون کو یقین ہو گیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے، اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی ان کے ہاتھ آگئی تھی، چنانچہ انھون نے کہا کہ جس شخص کی طرف ایسے اہم فرامین لکھے جائین ان پر اس کی مہر لگائی جاے اور سرکاری ہرکارہ اسے لے کر جائے اور اس کو خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہین ہے، اس لئے آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیے، آپ نے جواب دیا "خدا نے جو مجھے خلعت پہنایا ہے اُسے میں اپنے ہاتھون سے نہ اتارون گا، البتہ جو کچھ ہو چکا اس پر ندامت ہے اور آیندہ اس کی تلافی کے لئے تیار ہون[1]"۔ لیکن باغی کوئی معذرت سننے کے لئے تیار نہ ہوے، انھون نے کہا کہ "اگر تم خلافت سے دست بردار نہین ہوتے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑ ینگے" اور جو شخص مزاحم ہو گا اس کا بھی مقابلہ کرینگے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "میں سر دے دون گا، لیکن خدا کی خلافت نہ چھوڑون گا" تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہین، اس لئے کہ مین کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دونگا جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا، اگر میں جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا ہجوم ہو جاتا، یا میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا،[2]

[1] طبری ص ۲۹۹۴
[2] ابن سعد ص ۹۹، ۱۰۰ و ابن اثیر ج ۳ ص

محاصرہ

اس مرتبہ پھر حضرت علیؓ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا، لیکن اب ان کے سروں پر خون سوار ہو چکا تھا اس لئے آپ کے واپس جاتے ہی نہایت سختی سے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا، باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے پاتی تھی، اس وقت بھی جانثاروں کی ایک جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی، لیکن آپ نے اصرار سب کو واپس کر دیا، چند نوجوان حضرت امام حسینؓ، ابن عباسؓ، محمد بن طلحہ اور عبد اللہ بن زبیرؓ وغیرہ واپس نہ گئے،

آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا، حضرت علیؓ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لئے گئے، لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا، ان میں خطا و ثواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی حرم نبویؐ کا بھی ادب و احترام نہ کیا، حضرت ام حبیبہؓ کی شان میں نا ملائم الفاظ استعمال کئے اور آپ کے اونٹ کو زخمی کر کے گرا دیا، چند آدمیوں نے آپ کو وہاں سے علیحدہ کیا[1]

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی، باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا، ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی، صحابہ بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے، یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے، کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا، حضرت علیؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے، لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا، اور آپ نے جانے کا قصد کیا تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا، آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو[2]

---

[1] طبری ص ۱۳۰۱ [2] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۰،

اتمامِ حجت کے لئے تقریریں

درحقیقت یہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمانؓ کے خلاف نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تھی، حضرت عثمانؓ کو مسلمانوں کے لئے اس کے تباہ کن نتائج نظر آرہے تھے، اس لئے محاصرہ کی حالت میں بھی مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی ایک دن قصرِ خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی،

"لوگو! تم میرے قتل کے کیوں درپے ہو، میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں، خدا کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی، بہر حال میں انسان ہوں، اس لئے اصابتِ رائے کیساتھ لغزشیں بھی ہوئیں،

یاد رکھو! خدا اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے،[1]"

یہ تقریر درحقیقت پیشین گوئی تھی، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے وحدتِ اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک نہ بند ہو سکا،

ایک دن آپ نے مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا،

"میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لے گئے تو مسجد بہت تنگ تھی آپ نے فرمایا اس زمین کے ٹکڑے کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے، اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی، اس وقت میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اس زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا، اور آج تم اسی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے مجھے روکتے ہو، میں

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۷،

خدا کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کنواں نہ تھا، رسول اللہ صلعم نے فرمایا، اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے، اسکو جنت میں اس سے بہتر ملے گا، تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا، اور آج تم مجھے اسی کنوئیں کے پانی سے روکتے ہو، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں ہی نے جیش عسرت کا پورا ساماں کیا تھا، سب نے کہا ہاں سچ ہے[1]

لیکن کسی پر اس کا اثر نہ ہوا، اس لئے آپ نے پھر ایک دن تقریر فرمائی،

"میں ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم کوہ حرا پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا، آپ نے ٹھوکر مار کر فرمایا حرا، ٹھہر جا، کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے، اور میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے اس کی تصدیق کی پھر آپ نے فرمایا میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں جو بیعۃ رضوان میں موجود تھے کہ جب رسول اللہ صلعم نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تھا تو اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی، سب نے کہا ہاں سچ ہے"[2]

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے تو آخری تقریر فرمائی،

"لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں، اسلام کے بعد جو

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۵ و ۶۹، [2] ایضاً ص ۵۹

مسلمان مرتد ہو جائے، یا پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو یا کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے، اور ان تینوں سے میرا، اس پاک ہی خدا کی قسم جب سے خدا نے مجھے ہدایت دی ہیں نے اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا، نہ زمانہ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام کے بعد کسی کو قتل کیا، پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو[1]

جاں نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لئے اجازت طلبی

جب باغیوں پر کسی افہام و تفہیم کا اثر نہ ہوا اور وہ اپنی خیرہ سری پر اڑے رہے تو ہوا خواہاں امت نے حاضر ہو کر جاں نثاری کی اجازت طلب کی، حضرت زید بن ثابتؓ انصار کی جماعت کو لے کر پہنچے اور عرض کیا کہ انصار دروازہ پر حاضر اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے انصار اللہ ہونے کا ثبوت دیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوںگا،[2] حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عرض کیا کہ قصر خلافت میں ہم لوگوں کی خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو میں جانبازی کے جوہر دکھاؤں فرمایا خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لئے خونریزی نہ کیجائے،[3]

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عرض کیا کہ آپ امام امت ہیں، اور اس حال میں مبتلا ہیں، اس لئے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمائیے، آپکے پاس کافی قوت ہے، ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلئے اور مقابلہ کیجئے، آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، یا پھر صدر دروازہ کو جس پر باغیوں کا ہجوم ہے چھوڑ کر ہم آپکے لئے عقب سے دروازہ توڑے دیتے ہیں، آپ سواری پر بیٹھکر مکہ نکل جائیے وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کرینگے

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲ [2] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۸ [3] ایضاً ص ۴۹،

یا پھر شام چلے جائیے وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہ موجود ہیں، حضرت عثمانؓ
نے فرمایا کہ میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلعم کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جس کے
ہاتھوں آپ کی امت کی خونریزی کا آغاز ہو، مکہ بھی نہ جاؤں گا کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی
خونریزی سے باز نہ آئیں گے، اور میں رسول اللہ صلعم کی اس پیشین گوئی کا مصداق
بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا اور اس پر ساری دنیا
کا آدھا عذاب ہوگا، شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہؓ بھی وہاں موجود ہیں،
لیکن دار الہجرۃ اور جوارِ رسول کو نہ چھوڑوں گا[1]،

غرض یہی خواہ امت نے کسی درجہ پر بھی اپنے بچاؤ کے لئے مسلمانوں کی خونریزی
پسند نہ کی، بلکہ فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہی ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روک رکھے[2]

شہادت کی تیاری جتنا وقت گذرتا جاتا تھا، حاجیوں کی واپسی کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا،
اس کے علاوہ بعض مقاموں سے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی، اس لئے باغیوں نے جلد سے
جلد حضرت عثمانؓ کی شمعِ حیات بجھا دینے کا فیصلہ کر لیا،

آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت عثمانؓ کو اپنی شہادت کا یقین تھا[3]
اب صبر و استقامت کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے، چنانچہ باغیوں کی سرگرمی دیکھکر
آپ نے شہادت کی تیاری شروع کر دی، جمعہ کے دن سے روزہ رکھا، ایک پائجامہ جسے
آپ نے پہلے کبھی نہ پہنا تھا زیب تن کیا[4]، بیس غلام آزاد کئے اور کلام اللہ کھول کر اس کی
تلاوت میں مصروف ہو گئے، اس وقت تک قصرِ خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسینؓ
عبداللہ بن زبیرؓ محمد بن مسلمہ اور بہت سے صحابہ زادے باغیوں کو روکے ہوئے تھے، کچھ معمولی سا

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷، [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۸، [3] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷

کشت و خون بھی ہوا، اس لئے وہ صدر پھاٹک سے اندر نہیں داخل ہو سکتے تھے چنانچہ انھوں نے پھاٹک میں آگ لگا دی، اور کچھ لوگ قصرِ خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے، حضرت عثمانؓ تلاوت میں مصروف تھے، لیکن ہمت نہ پا کر لوٹ آئے، اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے جو حضرت عثمانؓ کے بڑے دشمنوں میں تھے، بڑھ کر ریشِ مبارک پکڑ لی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے حضرت عثمانؓ نے فرمایا بھتیجے اس کو چھوڑ دو تمھارے والد کبھی ایسا نہ کرتے اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمھارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہ کلمات سنا کر محجوب ہو کر لوٹ گئے۔[1]

شہادت

ان کے بعد ایک غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا،[2] ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ حضرت عثمانؓ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے، زبانِ مبارک سے بسم اللہ توکلت علی اللہ نکلا، اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہو گیا، اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کئے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ سے نہ دیکھا گیا، وہ بے تابانہ بچانے کے لئے دوڑیں، ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں، اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا، شہادت کے وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔[3]

تجہیز و تکفین

یہ حادثہ جمعہ کے دن ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا، مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا، بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، دو دن تک لاشِ مبارک

---

[1] طبری ص ۳۰۱۸، [2] ایضاً ص ۳۰۱۸، [3] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۱ و ۵۲۔

بے گور وکفن پڑی رہی، دوسرے دن یعنی سنیچر کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز وتکفین کی ہمت کی، شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی چنانچہ انھی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا، باختلاف حضرت زبیرؓ بن عوام یا جبیرؓ بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانرواؤ کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا، اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپادیا، شہادت کے وقت ۸۲ سال کی عمر شریف تھی، مدت خلافت بارہ سال،

صحابہ پر اثر

حضرت عثمانؓ کی شہادت عظمیٰ معمولی واقعہ نہ تھا، آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ پر نکتہ چینیاں بھی کیں، اور مخالفتیں بھی ہوئیں لیکن اس حادثہ کے پیش آجانے کے بعد ہر مسلمان دم بخود تھا صحابہ مضطرب و بے قرار اور مخالفین نادم و پشیماں تھے حضرت علیؓ نے جس وقت یہ خبر سنی دونوں ہاتھ اٹھاکر فرمایا "خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں"، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے" حضرت سعیدؓ بن زید نے فرمایا لوگو! اگر تمہاری بداعمالی کی سزا میں کوہ احد تم پر پھٹ پڑے تو بھی بجا ہے " حضرت حذیفہؓ نے فرمایا عثمان کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہوگیا، جسے پہاڑ بھی بند نہیں کرسکتا "حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا" ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار روکر کہا کہ "آج رسول اللہ صلعم کی جانشینی کا خاتمہ ہوگیا، اب بادشاہت کا دور شروع ہوگا" حضرت زیدؓ بن ثابت کی آنکھیں اشکبار تھیں، حضرت ابوہریرہؓ حادثہ کا ذکر کرکے زار زار روتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

ابن سعد ج ۳ ق ۱
وطبری واقعات ۳۵ھ

کہ عثمان دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک وصاف ہو گئے"،

جن لوگوں نے کسی اثر کے ماتحت مخالفت بھی کی تھی وہ بھی منفعل و پشیمان تھے
حضرت عمار بن یاسر حضرت عثمانؓ کے مخالفین سے کہتے تھے کہ ہم نے ابن عفان کے
ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور اس سے راضی تھے، تم لوگوں نے ان کو شہید کیوں کیا"
ایک شخص عبداللہ بن عکیم جو آپ کی زندگی میں آپ کی برائی کرکے لوگوں کو آپ کے
خلاف بھڑکاتا تھا، شہادت کے بعد تا دم و شرمسار رہا کہ اس نے عہد کرلیا کہ آیندہ
کسی خلیفہ کے قتل میں معاون نہ ہوگا۔[1]

شہادت کے نتائج | حضرت عثمانؓ کی شہادت درحقیقت تنہا آپ کی شہادت
کا واقعہ نہ تھا، بلکہ وحدتِ اسلامی کی شکست اور مسلمانوں کے شیرازہ کی برہمی کا حادثہ
تھا، اس حادثہ سے مسلمانوں میں جو تفریق پیدا ہوئی وہ تا قیامت نہ مٹے گی، اور اس
وقت جو تلوار بے نیام ہوئی تھی وہ ہمیشہ بے نیام رہے گی، مسلمان، شیعہ، سنی، خارجی
اور عثمانی فرقوں میں بٹ گئے، اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں
کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگی اور
عہدِ صحابہ سے جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا، اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے،

ازدواج واولاد | حضرت عثمانؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان
سب سے بہت سی اولادیں ہوئیں، آنحضرت صلعم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ
یکے بادیگرے آپ کے عقد میں آئیں، حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے عبداللہ
تھے، آپ کی کل اولادوں کی تعداد سترہ اٹھارہ ہے،

---

[1] یہ تمام اقوال ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۶ و ۵۷ سے ماخوذ ہیں،

عہدِ عثمانی پر تبصرہ

حضرت عثمانؓ کو اگرچہ اطمینان وسکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع صرف پانچ سال ملا، لیکن اس قلیل مدت میں آپ نے امتِ اسلامیہ کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں، بہت سے ممالک زیر نگیں ہوئے، نظام خلافت حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا، کہ اس میں کسی ترمیم واضافہ کی بہت کم گنجائش تھی تاہم جو جو گوشے تشنۂ تکمیل رہ گئے تھے، ان کی تکمیل ہوئی اور رفاہ عام کے کام انجام پائے،

بغاوتوں کا استیصال اوپر تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ہی ملک کے مختلف گوشوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں، ایران کے متعدد صوبے باغی ہو گئے، خراسان، آرمینیہ اور آذربیجان کے علاقوں نے اطاعت کا جوا اتار پھینکا، مصر واسکندریہ میں رومیوں نے بغاوت بپا کر دی، قیصر روم اسکندریہ پر چڑھ آیا، غرض ہر طرف خلفشار بپا ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے ان تمام بغاوتوں کا استیصال کرکے دوبارہ حکومت قائم کی،

فتوحات بغاوتوں کے استیصال کے علاوہ، آرمینیہ اور آذربیجان کے غیر مفتوحہ علاقوں ایشیائے کوچک، ترکستان، کابل اور سندھ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں، بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ ہوا، اسپین پر حملہ ہوا، اور اسلامی حکومت کے حدود

سندھ اور کابل سے لیکر یورپ کی سرحد تک وسیع ہوگئے،

نظامِ خلافت جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، نظام خلافت حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اتنا مکمل ہوچکا تھا کہ اس میں ترقی کی گنجایش بہت کم تھی، حضرت عثمانؓ نے اس کو علی حالہٖ قائم رکھا، البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور جن شعبوں میں ترقی کی گنجائش تھی، ان کو ترقی دی،

مجلسِ شوریٰ گو عثمانی عہد میں عہد فاروقی کی طرح شوریٰ کا اہتمام نہ رہ گیا تھا، لیکن مہماتِ امور میں حضرت عثمانؓ اکابر صحابہ اور عمالانِ حکومت سے مشورہ فرماتے تھے، اوپر انقلاب کے حالات میں ملک کی صلاح وفلاح اور فتنہ وفساد کی بیخکنی کے لئے اکابر صحابہ اور عمالان حکومت سے صلاح ومشورہ کے واقعات گذر چکے ہیں،

بعض تبدیلیاں صوبوں کی تقسیم قریب قریب وہی رہی جو عہد فاروقی میں تھی، البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا ایک صوبہ بنا دیا گیا، اور امیر معاویہ پورے صوبہ کے والی مقرر ہوئے جس سے فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچا، نئے مفتوحہ ملکوں کے نئے صوبے بنائے گئے،

عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی عثمانی عمال کی بے عنوانیوں اور ان کے احتساب کے سلسلہ میں ایک امر خاص طور سے پیشِ نظر رکھنے کے لائق ہے، جسے نظر انداز کردینے سے حضرت عثمانؓ کے طرزِ حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں اگر اسے ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے شکوک وشبہات خود بخود دور ہوجاتے ہیں وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ فطرۃً نہایت حلیم الطبع، نرم خو اور خطاپوش تھے، آپ میں عفو ودرگذر کا پہلو غالب تھا، اس لئے آپ میں مواخذہ واحتساب کی وہ سختی نہ تھی جو

حضرت عمرؓ کا طغرائے امتیاز تھی، آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرماجاتے تھے، جس پر حضرت عمرؓ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو لے ڈالتے تھے، یہ فرق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ میں بھی نظر آتا ہے، مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید سے عہد صدیقی میں بعض بے عنوانیاں سرزد ہوئیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے انھیں نظرانداز کر دیا، اور حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار کے باوجود خالدؓ بن ولید کو معزول نہیں کیا، لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ایک دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد فوراً معزول کر دیا، حضرت عمرؓ عمال کی شان و شوکت کا سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، اور اس قبیل کے معاملات میں دونوں کے طبائع اور طریقِ عمل میں فرق تھا،

اس طبعی فرق کی وجہ سے عہد عثمانی میں عہد فاروقی کے جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا، پھر بھی آپ کسی ایسی بے عنوانی کو نظرانداز نہ کرتے تھے جس سے اصول اسلام، اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو، جب کبھی کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی، آپ فوراً معزول کر دیتے تھے، چنانچہ سعدؓ بن ابی وقاص کو بیت المال کا قرض نہ ادا کرنے کے الزام میں معزول کر دیا، ولید کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کرکے حد جاری کی، سعید بن العاص اور حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو رعایا کی شکایت پر علٰحدہ کیا،

حج کے موقع پر تمام عمال طلب کئے جاتے تھے، اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے، چنانچہ شکایتیں سنکر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے[1]،

---

[1] طبری ص ۲۹۴۸،

حضرت عمرؓ کا طغرائے امتیاز تھی، آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرماجاتے تھے، جس پر حضرت عمرؓ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو ہے ڈالتے تھے، یہ فرق حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ میں بھی نظر آتا ہے، مثلاً حضرت خالد بنؓ ولید سے عہد صدیقی میں بعض بے عنوانیاں سرزد ہوئیں، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے انھیں نظر انداز کر دیا، اور حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار کے باوجود خالد بنؓ ولید کو معزول نہیں کیا، لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ایک دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد فوراً معزول کر دیا، حضرت عمرؓ عمال کی شان و شوکت کا سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن حضرت عثمان بنؓ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، اور اس قبیل کے معاملات میں دونوں کے طبائع اور طرزِ عمل میں فرق تھا،

اس طبعی فرق کی وجہ سے عہد عثمانی میں عہد فاروقی کے جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا، پھر بھی آپ کسی ایسی بے عنوانی کو نظر انداز نہ کرتے تھے جس سے اصول اسلام، اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو، جب کبھی کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی، آپ فوراً معزول کر دیتے تھے، چنانچہ سعد بنؓ ابی وقاص کو بیت المال کا قرض نہ ادا کرنے کے الزام میں معزول کر دیا، ولید کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کرکے حد جاری کی، سعید بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو رعایا کی شکایت پر علٰحدہ کیا،

حج کے موقع پر تمام عمال طلب کئے جاتے تھے، اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے، چنانچہ شکایتیں سنکر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے[1]،

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴،

سے بار ہا بحر روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی لیکن فارس کے تلخ تجربہ کے بعد آپ نے اجازت نہ دی، آپ کے بعد امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی ایک بھی پہلے انکار کیا لیکن پھر ان کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دیدی، کہ بحری جنگ میں شرکت کے لئے کسی کو مجبور نہ کیا جائے جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جا سکتا ہے[1] چنانچہ حصول اجازت کے بعد امیر معاویہؓ نے بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، قبرص کی فتح سے امیر معاویہ اور عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح والی افریقیہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے چند برسوں کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بڑھ گیا، چنانچہ ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے چھ سو جہازوں کے ساتھ سواحل شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے سطح سمندر پر اس کا مقابلہ کرکے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی[2]، بحری بیڑے کے قیام کے بعد بحر روم مسلمانوں کا آماجگاہ بن گیا۔

بنی امیہ تلوار کے دھنی اور بڑے شجاع اور اولوالعزم تھے، اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قدرۃً فوجی صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی جس کی شاہد ان کے عہد کی فتوحات ہیں اگر درمیان میں سیاسی انقلاب برپا ہو گیا ہوتا تو عہد عثمانی فتوحات کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا۔

رفاہِ عام کے کام عثمانی عہد میں رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے، خصوصاً تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا، دفاتر کے لئے وسیع عمارتیں تعمیر ہوئیں، رعایا کی آسایش کے لئے سڑک پل اور مسافر خانے بنوائے، کوفہ میں عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک وسیع

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۷۶، ۷۷، فتوح البلدان ذکر فتح قبرص [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۴،

نہاں جاہ ہوا یا[1] مدینہ اور نجد کی راہ میں ایک سرائے تعمیر کرائی اور اس کے متعلق ایک بازار بسایا، اور شیریں پانی کا ایک کنواں کھدوایا،[2]

سد مہزور | مدینہ خیبر کی سمت سے نشیب میں ہے اس لئے کبھی کبھی یہاں سیلاب آجاتا تھا جس سے شہر کو بڑا نقصان پہنچتا تھا، حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مہزور کے قریب بند بندھوایا، اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا اس سے مدینہ کی آبادی بالکل محفوظ ہو گئی،[2]

مسجد نبویؐ کی تعمیر | تعمیرات اور مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے روشن کارنامہ مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کرائی تھی،

لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب یہ ناکافی ثابت ہوئی تو آپ نے سنہ ۲۹ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر و توسیع کرائی، عمارت کے لئے چونا اور پتھر بطن نخل سے منگایا، ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کئے، ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا گیا، حضرت عمرؓ کی تعمیر میں مسجد کا طول ایک سو چالیس گز اور عرض ایک سو بیس گز تھا، حضرت عثمانؓ نے طول میں بیس گز کا اور عرض میں تیس گز کا اضافہ کیا،[3]

مصحف صدیقی کی اشاعت | مذہبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک مصحف پر متحد کرنا ہے، یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کتابی صورت میں کلام اللہ کی تدوین حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی، لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی، کلام اللہ کے بعض الفاظ کا املا اور ان کا تلفظ مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے

[1] طبری ص ۲۸۴۲ [2] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۵۴ [3] ایضاً ص ۳۶۹، ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹، و یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۱،

چنانچہ مختلف صحابہ املا اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے[1] لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا اس لئے صحابہ میں اس خفیف اختلاف کی کوئی اہمیت نہ تھی، لیکن نو مسلم عجمیوں میں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، اسکی بڑی اہمیت ہو گئی، ہر مقام کے لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگے حضرت حذیفہ بن یمان ایک جہاد میں شریک ہوئے، انھوں نے اہل عجم کا یہ اختلاف دیکھا تو انھیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآن میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے، چنانچہ انھوں نے واپس آکر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ امیر المومنین اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا، تو عیسائیوں اور رومیوں کی طرح مسلمان بھی خدا کی کتاب میں اختلاف پیدا کر دینگے، ان کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقیؓ کا مدون کیا ہوا نسخہ جو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا، منگایا اوس کی نقلیں کرا کے تمام ممالکِ اسلامیہ میں بھجوائیں، اس کے علاوہ اور کلام اللہ کے جو نسخے تھے انھیں تلف کرا دیا[2]، اس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہو گیا،

موذنوں کی تنخواہ	مساجد کے لئے تنخواہ دار موذن مقرر کیے[3]،

متفرق خدمات	خلیفۂ وقت کا ایک اہم فرض مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کی اخلاقی

اصلاح و تربیت ہے، حضرت عثمانؓ مدینہ میں اس فرض کو بہ نفس نفیس انجام دیتے تھے مسلمانوں کو مذہبی مسائل بتاتے، انھیں اس کی عملی تعلیم دیتے جس کے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہیں،

---

[1] یعنی بعض الفاظ ایک سے زیادہ طریقوں سے لکھے جاسکتے ہیں، اور اسی طریقہ سے اس کا تلفظ بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا [2] بخاری اور فتح الباری ابواب جمع القرآن میں اس کی پوری تفصیل ہے [3] تاریخ الخلفا ص ۱۶۴،

فارغ البالی کی وجہ سے اہل مدینہ میں لہو ولعب کے مشاغل پیدا ہو چلے تھے، چنانچہ کبوتر بازی اور غلیل بازی خوشحال لوگوں کا دلچسپ مشغلہ ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ نے ان دونوں مشاغل کو روک دیا[1]،

فضل وکمال

حضرت عثمانؓ خاص حاشیہ نشینانِ بساطِ نبوت میں تھے، اس لئے شیخین کی طرح آپ کی ذات بھی علم وعمل کا نمونہ تھی، کان ممن جمع بین العلم والعمل[2]،

آپ کو ابتدا سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، چنانچہ زمانۂ جاہلیت سے آپ نوشت و خواند سے واقف تھے[3]،

تحریر میں مہارت کی وجہ سے کتابتِ وحی کی جلیل القدر خدمت آپ سے متعلق تھی[4]، تحریر وخطاطی میں آپ کو کوئی خاص امتیاز نہ تھا، لیکن تحریر دلکش ہوتی تھی، آپ کی تحریر کے نمونے تاریخوں میں مذکور ہیں،

مذہبی علوم میں آپ کا پایہ بلند تھا، کان ممن جمع بین العلم والعمل[5]،

کلام اللہ کے ساتھ آپ کو خاص شغف تھا، اس کی تعلیم انھوں نے خاص زبانِ نبوت سے حاصل کی تھی[6]، ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے[7]، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود بھی کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا[8]، اس ذوق نے کلام اللہ میں آپ کا علم بہت وسیع کر دیا تھا،

احادیثِ نبوی کے بھی ممتاز حفاظ میں تھے، ودُعی حملۃ کثیرۃ من العلم[9]

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ١٦٥، [2] تذکرۃ الحفاظ ج ١ ص ٨، [3] فتوح البلدان بلاذری ص ٤٧٢، [4] روضۃ النضرہ تذکرۂ عثمان، [5] تذکرۃ الحفاظ ج ١ ص ٨، [6] ایضاً ص ٨، [7] ابن سعد ج ٣ ق ١ ص ٥٣، [8] تاریخ الخلفاء ص ١٤٨، [9] تذکرۃ الحفاظ ج ١ ص ٨،

لیکن کلام رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے، فرماتے تھے کہ احادیث بیان کرنے میں یہ امر مانع آتا ہے کہ ممکن ہے اور صحابہ کے مقابلہ میں میں حدیث کو زیادہ صحیح محفوظ نہ رکھتا ہوں، اور میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے اس کو چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنانے کے لئے تیار رہے[1]

اس خطرہ سے آپ بہت کم روایتیں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرفوع روایات کی کل تعداد ۱۴۶ ہے،

فقہ میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے برابر نہ تھا، لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے، اور دوسرے صحابہ آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے[2] آپ کے فقہی اجتہاد کے بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ میں ممتاز تھے، عہد صحابہ میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عثمانؓ، انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا، شیخین کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو حل یہی دونوں کرتے تھے، اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا[3]

سیرۃ العمیٰ حضرت عثمانؓ عہد جاہلیت سے بڑے صاحب ثروت تھے، لاکھوں روپیہ کا تجارتی کاروبار تھا، لیکن زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن تمول کے برے نتائج

---

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۶۵، [2] بخاری کتاب العلل و مسند احمد بن حنبل وغیرہ، [3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶،

سے آلودہ نہ ہوا،

حشیت الٰہی اور رقت قلب

آپ نہایت رقیق القلب تھے آپ کا دل ہمیشہ خوف الٰہی سے معمور رہتا تھا جب کسی قبر کے پاس گذرتے تو اتنی رقت طاری ہوتی کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی[1]،

مواخذۂ قیامت کا خوف

آخرت کے مواخذہ کا اتنا خوف غالب تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھکو یہ علم ہو کہ مجھے جنت ملیگی یا دوزخ تو میں اس کا فیصلہ ہونے کے مقابلہ میں خاک ہو جانا پسند کروں گا[2]، اس خوف کا اثر آپ کے ہر عمل میں نمایاں تھا،

حضرت عثمانؓ کے ساتھ محبت سوی

حضرت عثمانؓ کے ساتھ گوناگوں تعلقات اور آپ کے خدمات اسلامی کی بنا پر رسول اللہ صلعم کو آپ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اس تعلق کی بنا پر آپنے دو مرتبہ ان کو اپنے شرف مصاہرت سے نوازا اور اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو آپ کے ساتھ بیاہ دیا، لیکن یہ دولت بہت جلد آپ سے چھن گئی، حضرت عثمانؓ کو اس کا بڑا قلق تھا، ان کی پریشانی کو دیکھ کر آنحضرت صلعم نے ان سے پوچھا عثمان کیا حالت ہے؟ عرض کی بابی انت وامی یا رسول اللہ، اس سے بڑھ کر مصیبت کیا ہو سکتی ہے کہ ذات نبویؐ سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا، یہ سنکر آپنے ان کی تسکین خاطر کے لئے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا، اور فرمایا اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں اور وہ مرتی جاتیں تو میں برابر یکے بعد دیگرے عثمان کے ساتھ بیاہتا چلا جاتا[3]،

محبت رسول

حضرت عثمانؓ کو بھی ذات رسالت کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی، آپ کے حصول رضا کے لئے اپنی کل کائنات نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے آنحضر

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۰۲، [2] ایضاً ص ۳۷۵ اس میں دو روایتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے،

صلعم کی ادنیٰ تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے، ایک مرتبہ اہل بیت نبویؐ پر کئی دن فقر و فاقہ سے گذر گئے، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو بےچین ہو کر رونے لگے اور اسی وقت کئی بورے گیہوں، آٹا، کھجور، بکری کا گوشت اور تین سو نقد لے جا کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ جب اس قسم کی ضرورت پیش آئے، تو عثمانؓ کو یاد فرمایا جائے[1]،

احترام رسول ذات نبویؐ کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت صلعم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی اسے تا عمر محلِ نجاست سے مس نہیں کیا[2]،

اتباعِ سنت و پاسِ فرمانِ رسولؐ اس محبت و احترام کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی سرتاپا اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی تھی، آپ کا فرمان ہر دم و ہر لحظہ پیشِ نظر رہتا تھا، آپکے اتباع سنت کے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، آپکے فرمان کا اتنا لحاظ رکھا کہ جان دیدی لیکن دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے،

انفاق فی سبیل اللہ آپ کا طغراے امتیاز راہ خدا میں فیاضی ہے، جیسا خدا نے آپکو غنی بنایا تھا، ویسے ہی آپنے اس کی راہ میں بے دریغ دولت لٹائی، اس کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں، دو لاکھ اشرفی مالیت کی مستقل جائداد راہ خدا میں وقف کی تھی[3]،

فیاضی آپ طبعاً فیاض و سیر چشم تھے، سیکڑوں بیواؤں، یتیموں اور اپنے غریب اعزہ کی پرورش کرتے تھے، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے[4]، آپ کی غیر معمولی فیاضی ہی کی وجہ سے آپکے دشمنوں کو آپکے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا،

حیا آپ کا دوسرا امتیازی وصف حیا ہے، آپ طبعاً اتنے باحیا تھے کہ رسول اللہ صلعم

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶ [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکرہ عثمانؓ [3] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۳ [4] نزہتہ الابرار قلمی،

آپ کی حیا کی یہ حالت تھی ایک مرتبہ آپ چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور رانوے ... گھٹنے سے کپڑا اٹھا ہوا تھا، آپ نے اسے ... نہ کیا، تھوڑی دیر میں حضرت عثمانؓ تشریف لائے انہیں دیکھ کر آپ نے کپڑا درست فرما لیا صحابہ نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا کہ عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں

صبر وتحمل | ... صبر وتحمل اور عفو ودرگذر ہے، آپ حلم وعفو کا پیکر تھے آپ میں اس وصف کا اتنا غلبہ تھا کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اموی عمال کی بے عنوانیاں آپ کے اسی وصف کا نتیجہ تھیں کسی حالت میں بھی حلم وصبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، آپ کے خلاف کتنا طوفان بپا ہوا، مخالفین نے رد ودرود گستاخیاں کیں لیکن اس پیکر حلم نے ... صبر ... کوئی جواب نہ دیا، اگر آپ چاہتے تو آپ کی تہا ... خون کی ندیاں بہا دیتے، لیکن آپ نے جان دیدی مگر صبر و حلم کے ...

تواضع | آپ کے پاس لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اپنے کاموں کے لیے ان کی راحت میں خلل نہ ڈالتے تھے رات کو تہجد کے وقت کسی غلام کو نہ جگاتے خود ہی پانی لے کر وضو کرتے ... عرض کیا گیا، آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، کسی غلام کو جگا لیا کیجئے، فرمایا رات کا وقت ان کے آرام کے لیے ہے،

ذریعۂ معاش | حضرت عثمانؓ قریش بلکہ عرب کے دولتمند ترین لوگوں میں تھے، لاکھوں روپیہ کا آپ کا تجارتی کاروبار تھا، اسی غیر معمولی ثروت کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے، نقدی دولت کے علاوہ متعدد علاقے تھے، خیبر میں آنحضرت صلعم نے ایک جاگیر عطا فرمائی تھی، اس کے علاوہ آپ نے بعض زمینیں خریدی تھیں آپکی

لہ بخاری مناقب عثمانؓ، ۲ے ابن سعد ج ۳ ق اص ۱۱،

دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ زندگی مین لاکھون روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی شہادت کے وقت علاوہ جائداد کے پینتیس[۳۵] لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد چھوڑے،[۱]

غذا ولباس

آپ شروع سے لے کر آخر تک دولت و ثروت کے گہوارہ مین رہے زندگی کے کسی دور مین عسرت و تنگدستی سے سابقہ نہ پڑا تھا، اس لئے سخت اور پرمحن زندگی کے عادی نہ تھے، آرام و آرایش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، خوش خوراک و خوش لباس تھے، دسترخوان وسیع تھا، لیکن اس مین خاص اہتمام نہ تھا، اچھے لباس کے ساتھ معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ چار پانچ درہم کی تہمد مین مسجد آتے تھے[۲]

---

[۱] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۲، [۲] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۶،

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳۵ھ مطابق سنہ ۶۵۶ء

تا ۴۰ھ مطابق سنہ ۶۶۱ء

ترجمہ علی بن ابی طالب

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب خلیفہ ہوئے، آپ رسول اللہ صلعم کے چچیرے بھائی تھے، آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی، رسول اللہ صلعم کے کئی چچا تھے لیکن آپ کو جو تعلق خاطر حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کے ساتھ تھا وہ کسی کے ساتھ نہ تھا، ابو طالب اس زمانہ میں جبکہ رسول اللہ صلعم ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے آپ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے تھے ان کی بیوی یعنی حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بھی آپ پر بڑی شفقت کرتی تھیں، اس لئے آپ کو ابو طالب اور ان کی اولاد کے ساتھ خاص انس و محبت تھی،

ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اس لئے رسول اللہ صلعم نے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو اپنے دامنِ پرورش میں لے لیا تھا، اس طرح ابتدا ہی سے حضرت علیؓ نے آغوشِ نبوت میں پرورش پائی، اسی کا یہ اثر تھا کہ جب رسول اللہ صلعم نے اول اول

اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے اسی [illegible] لڑکے نے لبیک کہا، چونکہ حضرت علیؓ کو ابتدا ہی سے تربیت صالحہ ملی تھی، اس لئے زمانۂ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے آپ کا دامن محفوظ رہا۔

قبول اسلام کے بعد حضرت علیؓ وعظ و پند کے جلسوں اور تبلیغ اسلام کے مجمعوں میں ہر وقت آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے تھے، بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا اور آپ نے اس کی تعمیل کے لئے کوہ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا، اور ان سے فرمایا کہ "اے بنی مطلب میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ گو میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت بازو ہوں گا" یہ آواز علی بن ابی طالب کی تھی، آنحضرت صلعم نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، اس کے جواب میں ہر مرتبہ علی ہی کی آواز آئی اس صلہ میں آپ نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ "تم میرے وارث اور بھائی ہو" یہ صرف زبانی دعویٰ نہ تھا عمل کچھ اس سے بڑھ کر بھی تھا، ہجرت کے واقعات میں اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہو،

مدینہ آنے کے بعد ۲ھ میں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا، اس وقت سے حضرت علیؓ کی مستقل زندگی شروع ہوئی ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت علیؓ ان تمام غزوات احد، بدر، خندق، بنی قریظہ اور حنین وغیرہ میں کارہائے نمایاں دکھائے، جن کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں، اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، متعدد سرایا آپ کی ماتحتی میں بھیجے گئے، جنھیں آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام کو پہنچایا، آنحضرت صلعم کی آخری خدمت یعنی آپ کے غسل اور تجہیز و تکفین

وغیرہ کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں، ئی غرض شروع سے آخر تک آپ رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے،

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپ قدرۃً خلافت ہوی کے متوقع تھے، اس لیے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب سے آپ کو آزردگی پیدا ہوئی، لیکن پھر بہت جلد دور ہو گئی، اور آپ دونوں خلفاء کے زمانہ مین مجلس شوری کے رکن رہے، حضرت عمرؓ کو خصوصیت کے ساتھ آپ کے مفید مشورون پر بڑا اعتماد تھا، آپ نے اپنے مشوروں سے خلافت اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچایا حت تک بس چلا حضرت عثمانؓ کی بھی حمایت کرتے رہے،

خلافت

بیعت خلافت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، مدینہ مین شور قیامت بپا تھا، ہر طرف باغی چھائے ہوے تھے، لیکن خلافت کا انتظام بہرحال ضروری تھا، اس وقت اکابر صحابہ مین حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی، جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا، چنانچہ مہاجرینؓ و انصارؓ جن مین حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے، آپ کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے، حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھکر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہین جسے تم منتخب کروگے مین بھی اسے قبول کرلون گا، ان لوگون نے عرض کیا کہ آپ کے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہین کرسکتے، کسی حیثیت سے آپ کے علاوہ کوئی دوسرا اس اعزاز کا مستحق نہین ہے، حضرت علیؓ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلہ مین مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے، آخر مین لوگون نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ

بیعت کرینگے، غرض مسلمانون کے اصرار سے مجبور ہوکر اور امت اسلامیہ کا پاس کر کے آپ نے قبول فرمایا اور مجمع عام میں مسلمانون نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی[1]، اس بیعت مین مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ تھے[2]، بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ مین آپنے مسند خلافت پر قدم رکھا

قاتلین عثمانؓ کی تلاش مین ناکامی اور اسکے نتائج

بیعت خلافت کے بعد حضرت علیؓ کے لئے سب سے اہم مرحلہ اور آپکا سب سے مقدم فرض، حضرت عثمانؓ کے قاتلون کا پتہ چلا کر ان سے قصاص لینا تھا، لیکن چند در چند اسباب کی بنا پر اس مین ناکامی ہوئی، حضرت علیؓ کی جانب سے اس مین کسی قسم کی کوتاہی نہین کی گئی لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین طور سے کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی، حادثۂ شہادت کے وقت گھر مین صرف حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہؓ تھین، وہ ایک پردہ نشین خاتون تھین، ایک مرتبہ دیکھ کر کسی کو پہچان نہ سکتی تھین، گھر مین گھسنے والون مین وہ صرف محمد بن ابی بکرؓ کو پہچانتی تھین، لیکن وہ حضرت عثمانؓ کے ایک حملہ سے محجوب ہوکر لوٹ گئے تھے اور قتل مین شریک نہ تھے، ان کے علاوہ نائلہؓ اور کسی کو نہ پہچانتی تھین، پھر قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت علیؓ کا اس پر کوئی قابو نہ تھا، اس لئے حضرت علیؓ مجبور ہوگئے، لیکن حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت کا دلون پر اتنا اثر تھا کہ عوام تو عوام اکابر صحابہؓ تک صرف قصاص چاہتے تھے، اور حضرت علیؓ کی مجبوریون پر ان کی نظر نہ جاتی تھی، چنانچہ حضرت طلحہؓ زبیرؓ اور چند صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے جاکر کہا کہ عثمانؓ کے قتل مین جو جماعت شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو مین اس سے غافل نہین ہون، لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کرون جس پر میرا کوئی قابو نہین ہے[3]،

---

[1] طبری ص ۶۶ ۳۰ و ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴، [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۰ [3] طبری ص ۳۰۶۳،

بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اس نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرلی تھی، اس لئے آگے چل کر صحابہ کو خود اس سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہوگیا، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل ہوئی، جس کے حالات آیندہ آئیں گے،

امیر معاویہ کی معزولی اور ان کی مخالفت

حضرت علیؓ کے لئے یہ ایک دشوار مرحلہ تو تھا ہی کہ آپ کی بعض سیاسی فروگذاشتوں سے ایک دوسری نازک صورت پیدا ہوگئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ عثمانی عہد کے اکثر عمال خصوصاً امیر معاویہ والی شام کے سخت خلاف تھے، اس لئے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان سب کو معزول کر دینے کا فیصلہ کرلیا، حضرت علیؓ کے عاقبت اندیش خیرخواہوں نے اس کی مخالفت کی، مغیرہ بن شعبہ نے جو سیاست وتدبر میں امیر معاویہؓ کے ہم پایہ تھے، حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ ابھی آپ معاویہ اور دوسرے عثمانی عمال کو ان کے عہدوں سے نہ ہٹائیے، جب وہ بیعت کرکے آپ کی خلافت تسلیم کرلیں اس وقت جو دل میں آئے کیجئےگا، لیکن حضرت علیؓ نے نہایت سختی سے انکار کیا، حضرت ابن عباسؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہ کو معزول نہ کیجئے، اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو پھر انھیں اس کی پرواہ ہوگی، کہ کون خلیفہ ہے، لیکن اگر وہ معزول کر دیئے گئے، تو عثمان کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے، اور سارے شام وعراق کو آپ کے خلاف کر دینگے، لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ بھی قبول نہ فرمایا[1]، اور ۳۶ھ میں تمام عثمانی عمال کی معزولی کا فرمان جاری کر دیا، اور ان کی جگہ نئے عمال مقرر کئے، اسی سلسلہ میں شام پر سہیل بن حنیف کا تقرر ہوا اور وہ شام روانہ ہوگئے

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۷۷، واخبار الطوال ص ۱۵۱،

امیر معاویہؓ خود بڑے باتدبیر تھے، پھر بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آرہے تھے، یہاں ان کا بڑا اثر تھا، انھیں معزول کرنا آسان نہ تھا، چنانچہ انھوں نے سہیل بن حنیف کو شام کے حدود میں نہ داخل ہونے دیا اور شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس کردیا۔

امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ان کے پاس بیعت کیلئے علیحدہ ایک خط لکھا تھا، بڑے بڑے صحابہ تک حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت خصوصاً آپ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے سے سخت متاثر تھے، امیر معاویہؓ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ سے حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگاکر، دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرادیا، اس تدبیر سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار زار روتے تھے،

امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد کو روک لیا تھا، یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا، اور اس کے ہمراہ اپنا قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علیؓ کے پاس بھیجا، حضرت علیؓ نے اسے کھولا تو کچھ نہ تھا، آپ کو حالات کا کچھ اندازہ ہوچلا تھا، آپ نے قاصد سے پوچھا شام میں کیا حال ہے، اس نے کہا شام کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمانؓ کے پیرہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کرچکے ہیں، اسوقت حضرت علیؓ کے سامنے حقیقت واضح ہوئی، آپ نے فرمایا خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں[۲]،

امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں

اب حضرت علیؓ کو واقعات کا پورا اندازہ ہوگیا، اس لئے آپ نے امیر معاویہ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کردیں، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں بے نیام ہونے والی تھیں، اس لئے

۱؎ طبری ص ۳۰۸۴ و ۳۰۸۳، ۲؎ ایضاً ص ۳۰۹۱،

اکثر صحابہ اس کی شرکت کے بارہ میں متردد تھے بعضوں نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور محمد بن مسلمہؓ اسی زمرہ میں تھے، حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ "مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں، کیا واقعہ ہے؟ حضرت سعد بن وقاصؓ نے فرمایا، اگر اس جنگ میں آپ میری شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجئے جو کافر و مسلم میں امتیاز کرے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ایسی چیز میں شرکت کے لئے مجھ کو مجبور نہ کیجئے جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکا، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلہ میں استعمال کروں اور جب مسلمانوں سے جنگ کا وقت آئے تو اس کو کوہ احد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دوں، چنانچہ کل میں نے اس کو توڑ دیا، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فرمایا کہ مجھے اس میں شرکت سے معاف رکھا جائے، میں نے عہد کیا ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کروں گا۱، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے، غرض اکثر محتاط صحابہ نے اس میں شرکت سے احتراز کیا تاہم بعضوں نے اپنی خدمات بھی پیش کیں

اصلاح و قصاص کے لئے حضرت عائشہؓ کی آمادگی

ابھی حضرت علیؓ امیر معاویہؓ سے مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اس سے زیادہ سخت اور نازک صورت حال پیدا ہو گئی،

حضرت عائشہؓ ہر سال حج کے لئے تشریف لیجایا کرتی تھیں چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ ہی میں تھیں، یہیں آپ کو واقعہ شہادت کی اطلاع

---

۱ اخبار الطوال ص ۱۵۲،

ملی، اس کے بعد پیہم مدینہ مین بدامنی کی خبرین ملین، مکہ سے واپسی مین راستہ مین آپ کے ایک قریبی عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مدینہ مین بدامنی پیا ہے[1]،

یہ اطلاع پاکر آپ مکہ لوٹ گئین، اس کے بعد ہی حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پہنچ گئے انھون نے بیان کیا کہ "ہم لوگ بدوون اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگے چلے آرہے ہین، مدینہ مین لوگ حیران و سرگردان ہین، ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہین اور نہ باطل سے گریز کر سکتے ہین، اور نہ ان مین اپنی حفاظت کی طاقت ہے[2]،

یہ حالات سنکر حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خونِ بے گناہی کے قصاص اور فتنہ و فساد کی اصلاح کی دعوت دی، آپ کے واپس آنے کی خبر سنکر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے، آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی،

لوگو! مختلف ملکون کے عوام، اہنیوں اور اہل مدینہ کے غلامون نے چند معمولی باتون پر اس شخص (حضرت عثمانؓ) کو مظلوم شہید کر دیا، ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی، انھون نے سرکشی کرکے حرام خون بہایا، بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا، ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا، خدا کی قسم عثمان کی ایک انگلی ان کے جیسے سارے روے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے[3]

اور لوگون کو یہ کہہ کر قصاص پر ابھارا،

---

[1] طبری ص ۳۰۹۰ [2] ایضاً ۹۹ ۳ [3] ایضاً ۳۰۹۷،

رہیں اس لئے واپس آئی ہوں کہ عثمان مظلوم شہید کردیئے گئے، اس شور و غوغا اور فتنہ و فساد کی اصلاح اس طرح۔ ہوگی عثمان کے خون کا قصاص لیکر اسلام کو معزز کرو[1]،

خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت تھی اور ام المومنین کی زبان سے، سیکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان سرفروشی کے لئے آمادہ ہوگئے، سب سے پہلے عبداللہ بن عامر حضرمی والی مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا، اموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے ساتھ ہوگئے، ایک رئیس یعلی بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کئے عبداللہ بن عامر نے اعلان عام کرادیا کہ جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زادراہ کا سامان نہ ہو اس کو پورا سامان دیا جائے گا، چنانچہ چھ سو سواریوں اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا، صرف حرمین کے ایک ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا، کل آدمیوں کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی، ان کے علاوہ تمام امہات المومنین ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوگئیں[2]

اس تیاری کے بعد حضرت عائشہ کی رائے تھی کہ اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح ہے اور ساری جماعت اور قاتلین عثمان کا گروہ بھی وہیں ہے اس لئے سیدھے مدینہ چلنا چاہئے، کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا، لیکن آخر میں بصرہ جانے کی رائے قرار پائی، مدینہ جانے میں امہات المومنین بھی ساتھ دینے کے لئے آمادہ تھیں، لیکن بصرہ کا ارادہ ہونے کے بعد انھوں نے ارادہ ترک کردیا، صرف حضرت حفصہؓ نے یہاں بھی ساتھ دینا چاہا، لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روک دیا،

---

[1] طبری ص ۳۰۹۸ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۹،

درحقیقت مسلمانون کے لئے یہ بڑی آزمایش کا وقت تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانون کی تلوارین مسلمانون کے مقابلہ مین بے نیام ہونے والی تھین، اس لئے محتاط بزرگ اس مین شرکت پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب شرکت کی دعوت دی گئی تو انھون نے انکار کیا اور کہا کہ مین اہل مدینہ کے ساتھ ہون جو وہ کرینگے مین ان کی تقلید کرونگا، یہ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ محتاط لوگ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے، ایک طرف ام المومنین تھین، مظلوم اور شہید خلیفہ کے خون بیگناہی کی دعوت تھی، دوسری طرف خلیفۂ وقت علی مرتضیٰ تھے،

بصرہ کی روانگی غرض صفر ۳۵ھ مین حضرت عائشہؓ مدینہ سے روانہ ہوگئین، رخصت ہوتے وقت مسلمان اسلام کی اس نازک گھڑی پر زار زار روتے تھے، طبری کے یہ الفاظ ہین کہ اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے، اس دن کا نام ہی یوم النحیب "یوم گریہ" پڑگیا[1]،

جس وقت حضرت عائشہؓ مدینہ سے نکلی ہین جب وراست مسلمانون کا ہجوم تھا[2]، اس ہجوم مین مخلص مسلمانون کے ساتھ بہت سے مفسد بھی شامل ہوگئے تھے جن کا کام جنگ کی آگ کو بھڑکانا تھا،

راستہ مین حواب کے چشمہ پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہؓ نے کتون کے بھونکنے کی آوازین سنیں، پوچھا یہ کون چشمہ ہے، معلوم ہوا حواب، یہ سنکر فرمایا مجھے یہین سے واپس کردو، رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ "تم ان مین سے نہ ہونا جس پر حواب کے کتے بھونکین گے" لیکن چالیس آدمیون نے قسم کھا کر شہادت دی کہ حواب کا چشمہ

[1] طبری ص ۱۱۰۴، [2] اخبار الطوال ص ۱۵۳،

نہیں ہے، اس وقت حضرت عائشہؓ آگے بڑھیں (منقول از ج ۲ ص ۲۱)

بصرہ کے قریب پہنچیں تو عثمان بن حنیف نے جو حضرت علیؓ کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا عمران بن حصین اور ابو الاسود دولی کو تحقیق حال کے لئے بھیجا، انھوں نے حاضر ہو کر والیٔ بصرہ کی جانب سے آنے کا سبب دریافت کیا، ان کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے یہ تقریر فرمائی،

خدا کی قسم میرے رتبہ کے لوگ اپنے ارادہ کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے کوئی حال چھپاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگوں نے حرم رسول (مدینہ) پر حملہ کیا، اور اس میں فتنہ و فساد بپا کر کے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے کر اپنے کو خدا اور رسول کی لعنت کا مستحق بنا لیا، انھوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا، معصوم خون بہایا، اس مال کو لوٹا جو ان کے لئے حرام تھا، مقدس شہر اور مقدس مہینہ کی بے حرمتی کی، لوگوں کی آبرو ریزی کی، مسلمانوں کو مارا، ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے، جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے، انھوں نے نقصان پہنچایا مسلمانوں میں نہ ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ ان سے محفوظ ہیں، میں مسلمانوں کو لے کر اس لئے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے، خدا فرماتا ہے لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دیں، اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں)

ہم اصلاح کے لئے اٹھے ہیں، جس کا خدا اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے، یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں[1]

یہ جواب سنکر عثمان بن حنیف کے ایک قاصد عمران بن حصین الگ جھگڑوں سے الگ ہو کر گھر بیٹھ گئے، اور عثمان بن حنیف نے بزور حضرت عائشہؓ کو روکنے کا ارادہ کیا، بعض لوگوں کو سمجھایا کہ تمہارے اس طرز عمل سے ایسی نازک صورت پیدا ہو جائیگی کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی، جب تک علیؓ نہ آجائیں، اس وقت نرمی اور صلح و آشتی سے کام لو، لیکن عثمان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کیلئے نکلا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی مقابلہ کے لئے بڑھے، اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے پھر ایک تقریر کی،

لوگ عثمان پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے، اور مدینہ آکر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے ہم ان شکایتوں پر غور کرتے تو عثمان کو نیکوکار، پرہیزگار اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار، غدار اور جھوٹا پاتے تھے، ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ، جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی، تو عثمان کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے معصوم خون بہایا، قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی،

آگاہ ہو جاؤ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے، اور جس کے خلاف کرنا نا سزا ہے وہ عثمان کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجرا ہے

[1] طبری ۳۱۲۶،

خدا فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ " یعنی کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دیجاتی ہے، [1]

سامعین کے دلوں پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ خود عثمان بن حنیف کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت نے یہ کہکر کہ "ام المومنین سچ فرماتی ہیں" اس کا ساتھ چھوڑ دیا، [1]
لیکن عثمان اس وقت بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آیا، اور حضرت علیؓ کے آنے سے پہلے جنگ ہوگئی، عثمان شکست کھا کر گرفتار ہوا، پھر حضرت عائشہؓ کے حکم سے رہا کر دیا گیا، عثمان کے شکست کھانے کے بعد اس کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلین عثمان کی جماعت کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے، اس سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت حضرت عائشہؓ کے خلاف ہوگئی، [2]

حضرت علی کی تیاریاں اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے، کہ آپ کو حضرت عائشہؓ کے قصاص عثمانؓ کی دعوت اور آپکے بصرہ جانے کی خبر ملی، یہ اطلاع پاکر آپ نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا، حضرت علیؓ کے لئے بھی یہ مسئلہ نہایت نازک تھا، اگر وہ خاموش رہتے تھے تو نظام خلافت پر اثر پڑتا تھا اور نکلتے تھے تو ام المومنین کا مقابلہ تھا، لیکن قیام نظم کے لئے نکلنا ناگزیر تھا، پھر آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ مفسد بھی ہوا خواہی کے پردہ میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہوگئے ہیں، اس لئے ان کے شر کو دبانے کے لئے آپکو چار و ناچار مقابلہ کا عزم کرنا پڑا، لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا کہ ہم

---

[1] طبری ص ۳۱۱۹ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۳ [2] ایضاً ۹۳ تا ۵۴ اس جنگ کی تفصیلات طویل ہیں ہم نے صرف نتیجہ لکھدیا ہے

تک آپ صلح و آشتی اور اصلاح کے خواہاں رہے حضرت عائشہؓ کی بھی یہی کوشش تھی لیکن فتنہ پرستون نے کامیاب نہ ہونے دیا،

محتاط صحابہ کی روش | حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت علیؓ کیلئے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے، اور کم از کم خود اس مین شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ جس وقت آپ نے بصرہ جانے کا عزم کیا تو اہل مدینہ نے اس مین شرکت سے اپنا پہلو بچایا فاشتد الامر علی اھل المدینۃ فتثاقلوا[1] یعنی اہل مدینہ کے لئے یہ مسئلہ بہت مشکل ہوگیا، اور انھوں نے پہلو بچایا

حضرت علیؓ نے عبد اللہؓ بن عمرؓ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرا ساتھ دو، انھون نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ کو دے چکے تھے، کہ مین اہل مدینہ کے ساتھ ہوں جو وہ کرینگے وہی میں بھی کرون گا، اہل مدینہ کہتے تھے کہ "یہ مسئلہ مشتبہ ہے ہماری کچھ سمجھ مین نہین آتا، جب تک بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہین کر سکتے"[2]

مدینہ سے روانگی | تاہم کچھ انصار اور چند بدری صحابہ نے ساتھ دیا، اور حضرت علیؓ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوے، حضرت عبد اللہ بن سلام صحابی کو خبر ہوئی تو انھون نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا امیر المومنین آپ مدینہ سے نکلئے اگر اسوقت نکلے تو خدا کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئین گے، اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا[3] لیکن اب اس کوشش کا وقت گذر چکا تھا،

مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ سات سو آدمی تھے، جس مین

---

[1] طبری ص ۹۲ ۳ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۱۰۶،

زیادہ تعداد اہل کوفہ اور بصرہ کی تھی، لیکن راستہ میں برابر لوگ ملتے گئے،

کوفہ اور بصرہ کی مدد

ذی قار پہنچکر آپ نے مسرل کی اور کوفہ اور بصرہ سے مدد کے لئے دعاۃ بھیجے اور اہل کوفہ کو لکھا کہ" ہمارا مقصد اصلاح ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس امت میں پھر قوت و وحدت پیدا ہو جائے[1]"

حضرت امام حسنؓ، عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یہ وعظ کہہ کر لوگوں کو اس جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں، کہ لوگو! میرا کہا مانو تم عرب کی ریڑھ بنے رہو کہ مظلوم تمہارا سہارا پائیں اور خوفزدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں، لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا، جب گذر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، معلوم نہیں اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹا ہے، اپنی تلواروں کو نیام میں کرلو، نیزوں کے پھل اتار ڈالو، کمانوں کی تانت کاٹ دو لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے، اور کھڑا ہونے والا اس میں جانے والے سے بہتر ہے،

ان کے اس وعظ کا بڑا اثر پڑ رہا تھا، اس لئے حضرت حسنؓ نے انہیں مسجد سے نکالدیا، اور خود تقریر کرکے لوگوں کو حضرت علیؓ کی امداد پر آمادہ کیا، آپ کی تقریر پر دس ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا[2]،

حضرت عائشہؓ سے مصالحت کی کوشش

کوفہ کے رؤسا میں ایک بزرگ قعقاع بن عمرو صحابی اور خیرخواہ امت تھے، حضرت علیؓ نے انہیں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس مفاہمت کی گفتگو کے لئے بھیجا، انھوں نے بصرہ جاکر حضرت عائشہؓ

---

[1] طبری ص ۳۱۴۰ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۴،

کی خدمت میں عرض کیا، اماں آپ کس غرض سے یہاں تشریف لائی ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، بیٹا لوگوں میں اصلاح کے لئے، قعقاع نے کہا تو ذرا طلحہ اور زبیر کو بلا لیجئے کہ وہ بھی میری اور آپ کی گفتگو سن لیں، یہ دونوں بزرگ بلا کر آئے قعقاع نے ان سے کہا کہ میں نے ام المومنین سے پوچھا تھا کہ وہ کس غرض سے تشریف لائی ہیں، انھوں نے فرمایا اصلاح کے لئے، اب آپ دونوں کیا کہتے ہیں، ام المومنین کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں یا مخالفت، انھوں نے کہا تعمیل، قعقاع نے کہا تو پھر بتائیے اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ہم کو معلوم ہو جائے تو ضرور اصلاح کریں گے اور اگر ہمیں نہ معلوم ہو سکا تو کبھی اصلاح نہ ہو سکے گی، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے جواب دیا قاتلین عثمان کا قصاص اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا، اور اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا،

اس کے جواب میں قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلین عثمان کو قتل کر چکے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار بصریوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، پھر جب آپ لوگوں نے حرقوص بن زہیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہی چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے اگر آپ لوگوں نے جنگ کا خیال ترک نہ کیا تو وہی لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں آپ کے خلاف لڑینگے،

غرض قعقاع نے حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کو جنگ سے روکنے کی پوری کوشش کی انکی باتیں سنکر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ پھر تمھاری کیا رائے ہے؟" انھوں نے کہا میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن و سکون ہے، جب حالات سکون پذیر ہو جائینگے تو قاتلین عثمانؓ کو بھی پریشانی ہوگی، اور ان سے قصاص بھی لیا جا سکیگا، اس کی صورت یہ ہے

کہ آپ لوگ بیعت کر لیجئے کہ یہ امت کے لئے فال نیک اور رحمت ہے، اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے، اور اگر اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ امن و امان قائم ہوگا اور نہ قصاص لیا جا سکیگا، جس طرح آپ لوگ ہمیشہ امت کے لئے امن و عافیت کی کنجی تھے ویسے ہی اب بھی بنئے، ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمایش مین مبتلا نہ کیجئے کہ آزمایش دونوں کو برباد کر دے گی، یہ ایک آدمی یا چند آدمیوں یا ایک جماعت کے قتل کا معاملہ نہیں، بلکہ ساری امت کا سوال ہے،

قعقاع کی یہ تقریر اتنی موثر اور معقول تھی کہ حضرت عائشہؓ طلحہؓ و زبیرؓ تینوں نے اسے پسند کیا اور فرمایا تم بالکل سچ کہتے ہو، علیؓ کے پاس جا کر ان کی بھی رائے لو، اگر وہ بھی تمہارے ہم خیال ہوں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائینگے،

قعقاع نے واپس ہو کر حضرت علیؓ کو یہ مژدہ سنایا، آپ سنکر بہت مسرور ہوئے اور مخلص مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت کے لئے تیار ہو گئی، اور قعقاع نے مسلمانوں کے سامنے تقریر کی، اور ان سے کہا کہ اب معاملات رو باصلاح ہو گئے ہیں، اس لئے مین کل لوٹ جاؤن گا، تم لوگ بھی واپس جاؤ، لیکن جن لوگون نے عثمانؓ کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے انھیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہئے اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہئے[1]

سبائیوں کی فتنہ انگیزی یہ رنگ دیکھکر وہ لوگ جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا، اور اب دوسرا فتنہ ابھارنا چاہتے تھے، سخت مضطرب ہوئے، چنانچہ ان کے چند سرغنہ اشتر نخعی، ابن السودا، خالد بن ملجم، علباء بن ہیثم شریح بن ابی اوفیٰ وغیرہ سبائی جماعت کے افراد نے باہم مشورہ کیا، اشتر نخعی

[1] طبری میں یہ واقعات زیادہ تفصیل سے ہیں، ہم نے صرف ضروری حصے نقل کئے ہیں،

نے کہا کہ علی مدعیان قصاص سے کتاب اللہ سے زیادہ واقف اور اس پر عامل تھی
ہیں یعنی وہ یقیناً خون عثمان کا قصاص لیں گے، طلحہؓ و زبیر کی راے ہم لوگوں کے سا
میں کھلی ہوئی ہے لیکن علی کی راے ابتک نہیں معلوم، اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم
لوگوں کی خیر نہیں، ہم میں سے کسی کی جان نہ بچے گی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ سب
مل کر علی کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے، طبری کے یہ الفاظ
ہیں، وان یصطلحوا مع علی فعلی دمائنا فھلموا فلنثوب علی علی فیلحق
بعثمان[1]، لیکن اس راے سے لوگوں نے اختلاف کیا، دوسرے ارکان نے مختلف
رائیں دیں، لیکن کسی پر اتفاق نہ ہوا، آخر میں ابن السوداء نے کہا کہ علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کو مہلت
غور و فکر کا موقع ہی نہ دو، اور مصالحت کی تکمیل سے پہلے دونوں طرح کے عوام کو ملا کر جنگ
چھیڑ دو، جب ایک مرتبہ شعلہ بھڑک جائے گا تو پھر حضرت علیؓ اپنے بچاؤ کے لئے
جنگ پر مجبور ہو جائیں گے، یہ راے اتنی صائب تھی کہ سب نے اس سے اتفاق کیا[2]

مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کی مصالحانہ روش،

سبائیوں کے علاوہ بھی دونوں طرف کچھ ایسے لوگ بھی تھے
جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے، ان کی کوششیں
الگ جاری تھیں، حضرت علیؓ اس وقت ذی قار میں تھے اور بصرہ آنے کا قصد کر رہے
تھے کہ ایک شخص ابوالجرباء نے حضرت زبیرؓ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا
تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے کہ علیؓ اپنی فوج سے ملیں، ایک ہزار آدمی انھیں روکنے
کے لئے بھیج دینے چاہئیں، حضرت طلحہؓ نے فرمایا جنگ کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا
ہوں، لیکن انھوں نے ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے، پھر یہ ایک نئی صورت

---

[1] طبری ص ۳۱۶۴، [2] ایضاً ص ۳۱۶۵،

حال ہے، جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہین ہے، اس لئے بہت سوچ سمجھ کر قدم رکھنے کی
ضرورت ہے، جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کر دے گا، قیامت کے دن وہ خدا کے سامنے
اس کا کوئی عذر پیش نہ کر سکے گا، ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے اور امید ہے کہ اس کی
صورت پیدا ہو جائے گی، ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آیند وقت کا انتظار کرنا چاہئے
ایک دوسرے شخص سبرہ بن شیبان نے حضرت طلحہؓ کو بھی اسی قسم کا شر انگیز مشورہ دیا، لیکن
آپ نے بھی ویسا ہی جواب دیا[1]،

حضرت علیؓ کی فوج کے جنگجو بھی پیش دستی کے لئے بے چین تھے، چنانچہ کوفیون کی جماعت
نے جنگ کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ "ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی
کوشش کرنی چاہئے، وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہین، ممکن ہے خدا ہمارے ہی ذریعہ سے
جنگ ختم کر کے اس امت کا شیرازہ مجتمع کر دے" اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا
اگر وہ پیام صلح کا جواب نہ دین تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ
وہی طرز عمل اختیار کرینگے جو وہ ہمارے ساتھ کرینگے، اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمین نہ چھوڑین
حضرت علیؓ نے فرمایا تو ہم مدافعت کرینگے، ابو سلامہ دالانی نے کہا اگر ان لوگون کے
دعوی قصاص مین اخلاص اور حسن نیت ہو تو کیا وہ خدا کے نزدیک قابل قبول ہوگا،
فرمایا کیون نہین، ابو سلامہ نے کہا تو اس کی تاخیر مین آپ کے لئے کیا حجت ہے؟ فرمایا
جس چیز کا کچھ پتہ نہ چلتا ہو، اس مین وہ پہلو اختیار کرنا چاہئے جو زیادہ وسیع ہو اور اس کا
فائدہ زیادہ عام ہو، ابو سلامہ نے کہا کل جب ہم اور وہ مقابل ہونگے تو دونون کا انجام
کیا ہوگا، فرمایا دونون مین سے جو بھی خالصۃً للہ صاف دلی کیساتھ قتل ہوگا وہ جنت مین جائیگا[2]

[1] طبری ص ۳۱۶۶ [2] ایضاً ص ۳۱۶۷،

اپنی جماعت کو پرامن رکھنے کیلئے ایک دن آپ نے اس کے سامنے تقریر فرمائی کہ ان لوگوں (حضرت طلحہؓ وزبیرؓ وغیرہ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو بیٹھ آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو اور پیشدستی سے بچو آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا، کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا[1]،

غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے، چنانچہ احنف بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علٰحدہ ہو گئے،

صلح کا انعقاد اب حضرت علیؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے، آپ کے آنے کے بعد آپ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث ومباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے، مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکرگاہوں پر مسرور و مطمئن واپس گئے، اور اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے[2]،

سبائیوں کی فتنہ انگیزی سبائیوں کے لئے یہ صلح بڑی شاق تھی، اور وہ برابر اندر اندر فتنہ انگیزی کی تدبیروں میں مصروف تھے، انھوں نے دیکھا کہ اگر یہ شب بخیر گذر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہو جائے گا، اور لوگ اپنا اپنا راستہ لیں گے، اس لئے انھوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے دونوں فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے، چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا،[3] اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ

[1] طبری ص ۳۱۶۸ [2] ایضاً ۳۱۸۱ [3] ایضاً ۳۱۸۲

بپا ہو گیا،

اس غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھرا دیا کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ واقعہ کیا ہے تاہم حضرت علیؓ اور عائشہؓ نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی، حضرت علیؓ پکار پکار کر کہتے تھے کہ "لوگو رُک جاؤ" حضرت عائشہؓ فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کیلئے بھیجین، لیکن اس ہنگامہ مین کون کسی کی سنتا، اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی، اس لئے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی،

غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دل آویز خواب پریشان ہو گیا، اور امن و صلح کے پیامی فوج کی قیادت پر مجبور ہو گئے، فریقین اپنی اپنی فوجین لے کر صف آرا ہو گئے اور خونریز جنگ شروع ہو گئی،

حضرت زبیرؓ کی علیحدگی اور شہادت

عین ہنگامہ کارزار مین حضرت علیؓ کی نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی، انھوں نے ان سے کہا ابو عبد اللہ تم کو یاد ہے، رسول اللہ صلعم نے ایک دن تم سے پوچھا تھا، کہ تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا، ہان یا رسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہان مجھے یاد آ گیا[1]،

آنحضرت صلعم کی یہ پیشین گوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیرؓ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کر لیا اور اپنے صاحبزادے عبد اللہ سے جو اس جنگ مین اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت مین پیش پیش تھے، فرمایا کہ اس جنگ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ نہین کر سکتا، اور علیؓ نے ایک ایسی بات دلا دی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل زبیرؓ،

اس لئے اب مین واپس جاتا ہون تم بھی لوٹ چلو لیکن انھون نے انکار کیا اور حضرت زبیرؓ تنہا لوٹ گئے[1]

واپسی مین ایک سائی عمرو بن جرموز آپ کے ساتھ ہو گیا، وادی سباع مین نماز کا وقت آگیا تھا، حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہر گئے، ابن جرموز نے بھی اقتدا کی جیسے ہی آپ سجدہ مین گئے ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار مین آپ شہید ہو گئے، آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کارگذاری دکھانے کیلئے آپ کا سر گھوڑا تلوار اور زرہ کو لے کر خوش خوش حضرت علیؓ کے پاس بھیجا، آپنے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو، اور حضرت زبیرؓ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس شخص کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ سے بارہا رسول اللہ صلعم کے چہرۂ انور سے حزن وملال کے آثار دور کئے ہین، یہ سُن کر ابن جرموز بولا، کیا میری جان نثاری کا یہی صلہ ہے کہ مین تو آپکے دشمنون کا خاتمہ کرون اور آپ مجھے دوزخ کی بشارت دینؐ[2]

حضرت طلحہؓ کی شہادت

حضرت زبیرؓ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے بھی واپسی کا قصد کر لیا تھا، مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر مین آپ کا کام تمام ہو گیا[3]

ام المومنین کے اونٹ کے گرد جان نثاروں کی جانثاری

لیکن ان دونون بزرگون کے بعد بھی لڑائی کا زور ختم نہ ہوا، فریقین نے نہایت پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کیا، حضرت عائشہؓ فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی ہوئی جان نثارون کی حوصلہ افزائی کر رہی تھین، اور ہر طرف سے محمل پر تیرون کی بارش ہو رہی تھی، تیروں کی کثرت سے

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۷، [2] اخبار الطوال ص ۱۵۸ وطبری [3] اخبار الطوال ص ۱۵۷

محمل ساہی بنگیا تھا[1]، جان نثارون نے جانبازی کا حق ادا کر دیا، قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار مین لے لیا، اس کی حفاظت مین دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار سی ضبہ کے جانین فدا کین[2]، اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منھ مین جانا تھا، لیکن جانثارون نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا، ایک گرتا تھا تو فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا، اس طریقہ سے ۷۰ آدمیون نے یہ سعادت حاصل کی[3]،

جنگ کا خاتمہ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا، اس وقت تک یہ خونریزی بند نہین ہو سکتی، اس لئے انھون نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤن زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے، اس حکم پر چند آدمی بڑھے اور ایک شخص اعین ابن ضبہ نے اونٹ کے پاؤن زخمی کر دیے، وہ بلبلا کر بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی[4]،

حضرت علیؓ نے اعلان کرا دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے، نہ کسی کا مال لوٹا جائے جو شخص ہتھیار ڈالدے یا گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے[5]،

یہ اعلان ہوتے ہی آپ کی فوج نے ہاتھ روک لئے، بعض آدمیون نے حضرت علیؓ سے سوال کیا امیر المومنین جب ان کا مال ہمارے لئے جائز نہین ہے، تو پھر ان سے جنگ کیسے جائز ہوئی، فرمایا کسی مسلمان کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کے مال کو غنیمت، ہان جن اسلحہ سے جنگ کی ہے ان پر قبضہ کر سکتے ہو، تم کو جو حکم دیا گیا ہے

---

[1] طبری [2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۲، [3] طبری ص ۳۱۹۰، [4] جنگ جمل کی تفصیلات بہت طویل ہیں، انھیں غیر ضروری سمجھکر ہم نے قلم انداز کر کے صرف نتیجہ لکھدیا ہے، [5] اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۳

اس کی تعمیل کرو، اور جس بات کو نہیں چاہتے اسے چھوڑ دو[1]

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی حاضری، اختتام جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے فوراً حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ جاکر دیکھیں ام المومنین کو زخم چشم تو نہیں پہنچا اور انھیں لیجا کر عبد اللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں[2]

اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے، پوچھا اماں مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اچھی ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے[3]

چند دن حضرت عائشہؓ کے آرام کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کیساتھ آپکو مکہ پہنچادیں، اور سواری زادراہ نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا، انھیں اجازت دی، بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ہمرکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے،

رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہؓ نے لوگوں سے فرمایا، میرے بچو یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، اس لئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہیئے، میرے اور علی کے درمیان جو ساس داماد میں کبھی ہو جایا کرتی ہے اسکے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی، وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں،

ام المومنین کے اس ارشاد پر حضرت علیؓ نے فرمایا ام المومنین سچ فرماتی ہیں، خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی، وہ دنیا اور آخرت

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۱، [2] ایضاً [3] طبری ص ۳۲۱۷،

دونوں ہیں تمہارے نبی کی حرم ہیں،

اس خوش آیند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے، حضرت علیؓ نے چند میل تک خود مشایعت کی، اس کے بعد حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھیجا[1]، اور حضرت عائشہؓ مکہ ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں،

جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اس جنگ کی تمہید غلط اطلاعات اور غلط فہمی سے شروع ہوئی، آغاز سبائیوں کی فتنہ انگیزی سے ہوا، اور خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر، دونوں بزرگوں کی نیت نیک تھی، حضرت عائشہؓ کو تاعمر اس کی ندامت رہی، جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زار زار رونے لگتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے میں دنیا سے اٹھ گئی ہوتی[2]

کوفہ کا دارالخلافہ قرار پانا

جنگ جمل کے اختتام کے بعد رجب ۳۶ھ میں حضرت علیؓ کوفہ واپس تشریف لائے، اور مدینہ کے بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا، اس تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حرم نبویؐ کی بڑی توہین ہوئی، اس لئے آیندہ اس کو شر و فتن سے بچانے کے لئے آپ نے سیاسی مرکز کو یہاں سے ہٹا دینا مناسب سمجھا، دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے حامیوں کی بڑی تعداد عراق میں تھی اس لئے سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لئے زیادہ اہم تھا،

اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہو گیا، اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے ان کا مرکز عراق

[1] طبری ص ۳۲۰۱ و ابن اثیر ج ۳ ص ۲ [2] مسند احمد بن حنبل،

رہا، لیکن اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت جاتی رہی، اور حضرت علیؓ
مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے، جس کے نتائج کچھ مفید نہیں ہوئے،

عمال کا تقرر

کوفہ آنے کے بعد حضرت علیؓ نے نئے سرے سے ملک کا نظم و نسق قائم
کیا، سہل بن حنیف کو مدینہ کا حاکم بنایا، قیس بن سعد کو مصر کی ولایت پر مامور
کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ پر مقرر کیا، اشعث بن قیس کو آذربیجان
کی ولایت پر برقرار رکھا، یزید بن قیس ارحبی کو مدائن پر، عمر بن ابی سلمہ کو بحرین
پر، مصقلہ بن ہبیرہ کو اردشیر خرہ پر، منذر بن جارود کو اصطخر پر، زیاد بن ابیہ
کو فارس پر، قدامہ بن عجلان کو کسکر کے علاقہ پر، عدی بن حاتم کو نہر سیر پر، ربعی
ابن کاس کو سیستان کے علاقہ پر، خلید بن کاس کو خراسان کے صوبہ پر، اشتر نخعی کو موصل
نصیبین، دارالبحرد، سنجار، آمد، میا فارقین، ہیت عانات اور شام کے مقبوضات پر
مامور کیا، امیر معاویہ کے عامل ضحاک بن قیس نے انھیں روکا، انھوں نے مقابلہ کیا،
امیر معاویہ نے عبدالرحمن بن خالد کو مدد کے لئے بھیجا، اشتر موصل لوٹ آئے، اور
امیر معاویہ کے عمال کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا[1]

امیر معاویہ کو بیعت کی دعوت

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت
تسلیم نہیں کی تھی، اور آپ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے،
درمیان میں جنگ جمل پیش آجانے کی وجہ سے حضرت علیؓ ان کی طرف توجہ نہ
کر سکے تھے، اس سے فراغت کے بعد آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو خط دے کر
امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا، کہ

[1] عمال کی تفصیل اخبار الطوال اور یعقوبی سے لی گئی ہے،

جن لوگوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی انھوں نے میری بیعت کر لی ہے، اس کے بعد کسی کے لئے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے، ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا، اس سے زور لیجائے گی، مہاجرین و انصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو، عافیت و سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، قاتلین عثمانؓ کو بہت آڑ بنا چکے، بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔[۱]

اس وقت امیر معاویہ چند در چند مشکلات میں مبتلا تھے، محمد بن حذیفہ جوان کے شدید مخالفین میں تھے، قید خانہ سے نکل بھاگے تھے، رومی علیحدہ سواحل شام پر حملہ کیلئے فوجیں جمع کر رہے تھے، اسی درمیان میں حضرت علیؓ کا یہ تہدیدی خط پہنچا، امیر معاویہ نے عمرو بن العاصؓ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا محمد بن حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں ہے، انھیں تلاش کراؤ، اگر مل جائیں تو فبہا ورنہ وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، قیصر روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے مصالحت کر لو، اس شرط کے ساتھ وہ فوراً آمادہ ہو جائے گا، علی بن ابی طالب کا معاملہ البتہ اہم ہے، مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے، امیر معاویہ نے کہا انھوں نے عثمانؓ کے قتل میں اعانت کی ہے اور فتنہ برپا کر کے امت میں پھوٹ ڈالی ہے، عمرو بن العاصؓ نے کہا کچھ بھی ہو لیکن تم کو ان کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبوی کا شرف حاصل نہیں ہے، اور میں خواہ مخواہ تمھاری کامیابی میں کیوں مدد کروں؟ معاویہؓ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن العاصؓ بولے مصر کی حکومت، معاویہ نے کہا مصر بھی تو عراق سے کم نہیں ہے، عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا

[۱] ص ۱۷۱

لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے جب ساری دنیاے اسلام تمھارے زیرنگین ہوگی،

عمرو بن العاص سارے عرب مین تدبر و سیاست مین فرد تھے، اس لئے امیر معاویہ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ان سے مصر کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا[1]،

شام میں حضرت علیؓ کے خلاف پروپگنڈا

اس وعدہ کے بعد عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول سبب و بنیاد کے علیؓ جیسے شخص کی مخالفت مین بڑے خطرات ہیں اسلئے پہلے عمائد شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ عثمان کے قتل مین علی کی شرکت تھی، شام کے سب سے با اثر آدمی شرجیل بن سمط کندی ہین، پہلے ان کے دل میں یہ بات بٹھاؤ پھر ان کے ذریعہ سے آسانی کے ساتھ اس کی اشاعت ہو جائے گی، چنانچہ امیر معاویہ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کر کے شرجیل کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حضرت علیؓ کا ہاتھ بھی شامل تھا، شرجیل کو اسکا اتنا یقین ہو گیا کہ انھون نے امیر معاویہ سے کہا کہ اگر تم نے علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تو تم کو ہم شام سے نکال دینگے، امیر نے جواب دیا مین تو آپ کا متبع ہون، آپ کی مخالفت کیون کرنے لگا،

شرجیل کو ہم خیال بنانے کے بعد امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ یہ مسئلہ بغیر رائے عامہ کے ہموار کئے ہوے حل نہیں ہو سکتا، آپ شام کا دورہ کر کے اس کی تبلیغ کیجئے، چنانچہ شرجیل نے شام کے تمام شہرون کا دورہ کر کے یہان کے عمائد و اعیان سے کہا کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ کر لیا ہے، صرف تمھارا ملک باقی رہ گیا ہے، وہ شمشیر بکف یہان بھی آئینگے، معاویہ سے زیادہ ان کے مقابلہ کی کسی مین طاقت نہین ہے

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۸۔

اس لئے خلیفہ مظلوم کے قصاص میں ان کا ساتھ دو، شرجبیل کے اس دورہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا شام کا ملک حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لئے امیر معاویہ کے ساتھ ہو گیا[1]

اوپر گذر چکا ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کو جامع دمشق میں آویزاں کرادیا تھا، اس کی نمائش برابر جاری رہی، حضرت علیؓ کے خلاف شامی فوجوں کے جذبات بھڑکانے کے لئے انھیں دمشق طلب کیا[1]، یہ منظر ایسا دردانگیز تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا، لوگ جوق جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار زار روتے تھے، چنانچہ فوج سے لیکر امراء و عوام تک سب کے جذبات بھڑک اٹھے اور اہل شام نے قسم کھالی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ نہ لیں گے اس وقت بستر پر سوئینگے، اور نہ اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے[2]

حضرت علیؓ کو حالات کی اطلاع

امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے قاصد جریر بن عبداللہ بجلی کو اس وقت تک روکے رکھا تھا، یہ تمام حالات مشاہدہ کرانے کے بعد انھیں واپس کیا، انھوں نے جاکر بیان کیا کہ سارا شام معاویہؓ کے ساتھ ہے، وہ لوگ عثمانؓ کے پیراہن پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے، اور ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے، اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دیدینگے یا جان لے کر رہیں گے[3]

حضرت علیؓ کی تیاریاں اور مصالحت کی کوشش

حضرت علیؓ پہلے سے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھے صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا، جریر بن عبداللہ بجلی کی واپسی کے بعد آپ کے لئے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا، چنانچہ اسکے انتظامات

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۷۰، [2] طبری ص ۳۲۵۵، [3] ایضاً،

شروع کر دیئے،

یہ دیکھکر بھی جنگ جمل کا بہا ہوا خون بھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہونے والی ہیں، مخلص اور خیر خواہ امت مسلمانوں نے اسے روکنے کی تدبیریں کیں اور شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علیؓ بن ابی طالب سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہو، تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے پھر کس بنیاد پر تم کو ان کی برابری کا دعویٰ ہے، امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہوتا، آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے، ان لوگوں نے کہا ہاں امیر معاویہؓ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے ہم ان کی خلافت تسلیم کرینگے، ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دیدو میں علیؓ کے پاس لے کر جاؤں گا، چنانچہ امیر معاویہ نے یہ خط لکھا،

"اما بعد خلیفہ عثمانؓ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کئے گئے تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے، اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا، میں سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کئے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا، دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمانؓ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت بازو، تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہیں ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمان کے خون سے برأت کرتے ہو، اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لئے ہمارے حوالہ کر دو، ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لئے تیار ہیں، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہی ہے اور خدا

کی قسم ہم لوگ تمہارے دوسرے عثمان کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کرینگے یا خود جان دے دیں گے،

ابومسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہین، اگر آپ سب کے حقوق پورے کرین تو خدا کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کیلئے پسند نہین کرتے، عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے، ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کیجئے، آپ ہمارے امیر ہیں، اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار رہین گے، اور آپ کے لئے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا،

یہ مطالبہ سنکر حضرت علیؓ نے ابومسلم کو ٹھہرالیا اور فرمایا کل اس کا جواب دون گا، دوسرے دن ابومسلم جامع کوفہ مین آپ سے ملے، یہان دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہین کہ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہین، یہ رنگ دیکھ کر ابومسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے انھین میرے آنے کا سبب معلوم ہوگیا ہے، اور انھون نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا مین نے ہرچند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن قاتلون کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی مین نہ تھا، اور امیر معاویہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ

"عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں، مین نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا، البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہوگیا، مجھکو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمانؓ کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو، اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤگے تو جو سلوک باغیون کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہی تمھارے ساتھ کیا جائے گا،

اور عمرو بن العاص کو لکھا

دنیا کی حرص چھوڑ کر اپنے طرز عمل سے باز آؤ، معاویہؓ کی غلط روی مین ان کا ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو[1]،

حضرت علیؓ کی روانگی لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، امیر معاویہ اپنی ضد پر اڑے رہے، اس لئے حضرت علیؓ کو چار و ناچار مقابلہ کے لئے نکلنا پڑا، اور آپ حضرت ابو مسعود انصاری کو کوفہ مین اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ مین اسی ہزار فوج کے ساتھ شام کی طرف بڑھے، اس فوج مین عام مسلمانون کے علاوہ ستر بدری صحابہ سات سو بیعت رضوان کے جان نثار اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابہ تھے[2]، فرات کو عبور کرنے کے بعد زیاد بن نصر اور شریح بن ہانی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا،

عراقی اور شامی مقدمۃ الجیش کا سامنا امیر معاویہ پہلے سے جنگ کے لئے نکل چکے تھے، ان کا مقدمۃ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لئے ابو الاعور سلمی کی قیادت مین آگے آگے تھا، دوسری طرف زیاد بن نصر اور شریح بن ہانی آ رہے تھے، سور روم مین دونون کا سامنا ہوا، حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیاد کی کمک کے لئے بھیجا، ابو الاعور لوٹ گیا اور امیر معاویہؓ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی،

صفین مین شامیون کی مورچہ بندی یہ اطلاع پانے کے بعد امیر معاویہؓ نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان مین فرات کے ساحل پر فوجین اتار دین اور تمام مناسب اور اہم جگہون پر قبضہ کر کے مورچہ قائم کر دیا، اور ابو الاعور کو دس ہزار فوج کے ساتھ فرات کے چشمہ پر متعین کر دیا کہ شامی فوجین پانی تک نہ پہنچنے پائین،

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۷۳ و ۱۷۴ اس مین یہ حالات کسی قدر تفصیل سے ہیں، ہم نے خلاصہ لکھا ہے،

[2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۱،

حضرت علیؓ کا ورود اور پانی کے لئے کشمکش

اس دوران میں حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور شامی فوجوں کے قریب ہی فوجیں اتاریں، شامیوں نے پہلے سے اہم مقاموں پر قبضہ کرکے پانی پر پہرا لگا دیا تھا، اس لئے حضرت علیؓ کی فوج کو پانی کے لئے بڑی دشواری پیش آئی، حضرت علیؓ نے پہلے زبانی پیام کہلا بھیجا کہ پانی کی بندش مناسب نہیں ہے، لیکن شامی پانی دینے کے لئے آمادہ نہ ہوئے، آخر میں مجبور ہوکر حضرت علیؓ کو بزور پانی لانے کا حکم دینا پڑا، چنانچہ عراقی فوج کا ایک دستہ چشمہ پر پہنچا، ابو الاعور نے روکنا چاہا، دونوں میں مقابلہ ہوا، عراقی دستہ نے شکست دے کر چشمہ پر قبضہ کرلیا، قبضہ کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے شامیوں کا پانی بند نہیں کیا، بلکہ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ پانی لے کر لوٹ آئیں[1]، اس واقعہ کے بعد فریقین میں اتنا ارتباط بڑھ گیا کہ وہ بے خوف وخطر آپس میں ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے لشکرگاہ میں آنے جانے لگے، اور معلوم ہوتا تھا کہ صلح ہو جائے گی،

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش

دونوں فوجوں میں غوغا پسند عوام کے علاوہ بہت سے مخلص خیر خواہ امت علماء صلحاء اور حفاظ قرآن بھی تھے انکی کوششوں سے تین مہینہ تک جنگ رکی رہی، اس درمیان میں بارہا فریقین نے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا، لیکن یہ لوگ درمیان میں پڑکر روک دیتے تھے، التوائے جنگ کے ساتھ صلح کے لئے خط وکتابت بھی ہوتی رہی لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کوششوں کا ہو چکا تھا[2]،

جنگ کا آغاز

جمادی الاوّل ۳۷ھ سے باقاعدہ جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ

---

[1] طبری ص ۳۲۶۹ [2] اخبار الطوال ص ۱۸۰ و ۱۸۱ میں اسکی تفصیلات ہیں۔

آخر جمادی الثانی تک قائم رہا لیکن کوئی بڑی خونریز جنگ نہ ہوئی، بلکہ ایک ایک دستہ میدان مین آتا تھا اور صبح و شام معمولی جھڑپ ہو جاتی تھی، رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی شہر حرم کی حرمت مین جنگ روک دی گئی،

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی

التوائے جنگ کے بعد خیر خواہانِ امت نے پھر صلح کی کوششین شروع کر دین کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانون کی قوت آپس مین ٹکرا کر برباد نہ ہو، چنانچہ حضرت ابو دردا اور حضرت ابو امامہ باہلی امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہین پھر تم ان سے کیون جنگ کرتے ہو؟ انھون نے جواب دیا عثمانؓ کے خون ناحق کے لئے، ابو امامہؓ نے کہا کیا علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے، معاویہؓ نے جواب دیا اگر قتل نہین کیا ہے تو قاتلون کو پناہ دی ہے، اگر وہ انھین ہمارے حوالہ کر دین تو مین سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لون گا،

ان دونون بزرگون نے واپس جاکر حضرت علیؓ کو معاویہ کا مطالبہ سنایا، اسے سنکر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہین، یہ رنگ دیکھ کر دونون بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ مین کوئی حصہ نہ لیا[1]،

خونریز لڑائیون کا سلسلہ

غرض صلح کی جتنی کوششین ہوئین سب ناکام رہین، اور شہر حرام کے ختم ہوتے ہی صفر ۳۷ھ سے فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان مین اتر آئے اور خونریز جنگ شروع ہو گئی جسکا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا، ان کی تفصیلات بہت

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۸۰ و ۱۸۲ و ۱۸۵ ایضاً ۱ ۱

طویل ہیں، اور انھیں لکھنا بے کار ہے، مختصر یہ ہے کہ کئی مہینوں تک یہ جنگ جاری رہی، جن میں کم وبیش نوے معرکے ہوئے ان میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے[1] ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے درمیان درمیان میں مُردوں کی تجہیز وتکفین کے لئے ایک ایک دو دو دن کے لئے جنگ ملتوی ہوتی رہتی تھی،

لیلۃ الہریر کی فیصلہ کن جنگ ان تمام لڑائیوں میں فریقین نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، دونوں کا پلہ قریب قریب برابر تھا، لیلۃ الہریر کا آخری معرکہ بڑا خونریز تھا، اس میں رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی، میدانِ جنگ میں کشتوں کے انبار لگ گئے اور ہر طرف خون کی ندیاں بہ نکلیں، دوسرے دن صبح کو مُردوں کی تجہیز وتکفین کے لئے جنگ ملتوی ہوگئی، اس سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے پھر تیاریاں شروع کر دیں،

اس جنگ سے قبل تک فریقین نے بڑی پامردی سے برابر کا مقابلہ کیا تھا، لیکن لیلۃ الہریر کے خونریز معرکہ میں شامی کمزور پڑ گئے تھے، اور عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے، اور دونوں فریق کے عاقبت اندیش لوگوں کو نظر آ رہا تھا، کہ اگر یہ خونریز جنگ قائم رہی تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی، اور ان میں غیر مسلموں کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہ جائے گی، چنانچہ امیر معاویہ نے کہا کہ اگر یہ جنگ قائم رہی تو رومی شام سے ہمارے اہل وعیال کو قید کر لینگے اور فارس کے دہقان عراقیوں کے بال بچوں کو پکڑلے جائیں گے،[2]

---

[1] ابوالفدا، ج اول ص ۱۷۵ [2] اخبار الطوال ص ۲۰۱،

علوی فوج کے ایک مدبر سردار اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گذشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آیندہ پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہو جائے گا اور ہماری عظمت و حرمت اٹھ جائے گی[1]،

لیکن حضرت علیؓ کو اس کا پورا اندازہ ہو گیا تھا، کہ اب شامی کوئی دم مین میدان چھوڑنا چاہتے ہین، اس لئے لیلۃ الہریر کی صبح کو اپنی فوج کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا لوگو اب جنگ آخری حد کو پہنچ چکی ہے، تمہارا حریف آخری سانسین لے رہا ہے فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ،

عمرو بن العاص کی ایک تدبیر اور علوی فوج مین اختلاف

امیر معاویہؓ کو بھی اپنی فوج کی حالت کا اندازہ ہو چکا تھا انھون نے عمرو بن العاص سے مشورہ کیا، انھون نے کہا ایسے وقت کے لئے مین نے پہلے سے یہ تدبیر سوچ رکھی تھی کہ ہم لوگ قرآن کو حکم ماننے کی دعوت دین، اس کے قبول اور انکار دونون صورتون مین علیؓ کی فوج مین پھوٹ پڑجائیگی[2]

چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان مین آئے تو دمشق کے مصحف اعظم کو پانچ شامی آگے آگے نیزے پر اٹھائے تھے اور اس کے پیچھے ہزارون قرآن نیزون پر بلند تھے، فضل بن ادہم، شریح جذامی اور ورقاء بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا، معشر عرب! خدارا اپنی عورتون اور بچون کو فارس اور روم سے بچاؤ، اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیون سے شام کی حفاظت کون کرے گا، اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو اہل عجم سے عراق کو کون بچائے گا[3]۔ آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لین، اس کا فیصلہ ہم دونون کیلئے واجب التسلیم ہو

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۰۱، [2] طبری ص ۳۳۲۹ و اخبار الطوال ص ۲۲۱ [3] اخبار الطوال ص ۲۰۲ [4] طبری ص ۳۳۲۹،

یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی حضرت علیؓ اور ان کی فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیشن
افسرون نے مخالفت کی، حضرت علی نے فرمایا کہ یہ محض فریب ہے، لیکن ایک بڑی
جماعت پر یہ جادو چل گیا اس نے کہا کہ شامیون کو اسی کتاب کا پابند بنانے کیلئے
تو ہم ان سے لڑ رہے تھے، اب جبکہ وہ خود ہمیں اس کی دعوت دیتے ہین تو ہم اس سے
انکار نہین کر سکتے، بعض لوگون نے یہانتک کہا کہ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے
انکار کیا تو ہم آپ سے لڑینگے، اور آپ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دینگے[1]،

دوسری طرف امیر معاویہؓ نے اعلان کرا دیا کہ جنگ بہت طول کھینچ گئی ہے،
ہم مین سے ہر فریق اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل پر تصور کرتا ہے، اس جھگڑے کو چکانے
کے لئے ہم نے قرآن کو حکم ماننے کی دعوت دی ہے، اگر اسے وہ لوگ قبول کرینگے
تو فبہا ورنہ پھر ہماری حجت تمام ہو چکی، اس اعلان کے ساتھ حضرت علیؓ کو بھی لکھا کہ اس
خونریزی کا مواخذہ میرے اور تمہارے سر ہے، اب مین تم کو اس کے بند کرنے
الفت و محبت کو قائم کرنے اور بغض و عناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہون[2]"،

تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب

حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ انکار کی صورت مین خود ان کی فوج
مین پھوٹ پڑ رہی ہے تو چار و ناچار تحکیم کے لئے آمادہ ہو گئے اور
جنگ روک دی، آپ کے بعض ہوا خواہون پر جنگ کا التوا سخت شاق تھا، ان مین
اور قرآن کی تحکیم پر اصرار کرنے والون مین سخت گفتگو ہو گئی اور قریب تھا کہ عراقی فوج مین
آپس ہی مین تلوارین نکل آئین، لیکن حضرت علیؓ نے معاملہ رفع دفع کر دیا[3]،
التوائے جنگ کے بعد طے پایا کہ دونون فریق کی جانب سے ایک ایک حکم

---

[1] طبری صفحہ ۳۳۳ [2] اخبار الطوال ص ۲۰۴ [3] طبری ص ۳۳۳۲،

مقرر کیا جائے، یہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کردیں وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہو اور جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے حکم اس کے خلاف دوسرے کو مدد دیں،

اس قرارداد کے بعد شامیوں نے عمرو بن العاصؓ کو اپنا حکم بنایا، حضرت علیؓ کی جماعت میں سے ان لوگوں نے جو تحکیم کی حمایت میں تھے اپنی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا، حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا، آپ نے فرمایا مجھ کو ان پر اعتماد نہیں ہے وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں، لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے تھے، ان کی فہم و تدبر پر بھی ہمیں بھروسہ نہیں ہے، اس لئے ان کے بجائے ابن عباسؓ کو حکم بنایا جائے، لیکن جن لوگوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا تھا، اس تجویز پر انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خاص عزیز ہیں، حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیئے، حضرت علیؓ نے فرمایا تو پھر اشترنخعی کو بنایا جائے، اشعث بن قیس نے کہا کہ انھی نے یہ آگ بھڑکائی ہے اس لئے وہ کس طرح حکم ہو سکتے ہیں، حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بنیگا تو چارو ناچار ابوموسیٰ اشعری پر راضی ہو گئے،[1]

عمرو بن العاصؓ امیر معاویہؓ کے ساتھ ہی تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری خانہ جنگی سے بچنے کے لئے نواح شام میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، وہاں سے بلاکر لائے گئے، وہ بڑے سادہ دل بزرگ تھے اس لئے حضرت علیؓ کے بعض مشیروں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ابوموسیٰ اس کام کے نہیں ہیں، اس لئے کسی دوسرے کو منتخب کیجئے، آپ نے فرمایا لوگ ان کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہ ہوں گے،

تحکیم کا معاہدہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے آنے کے بعد تحکیم کا معاہدہ لکھا گیا، کتابت شروع

---

[1] طبری ص ۳۳۳۲ و اخبار الطوال ص ۲۰۵،

ہوئی تھی کہ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھنے پر امیر معاویہ کو یہ اعتراض ہوا کہ اگر ہم انھیں امیر المومنین ہی مانتے تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے، حضرت علیؓ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا، آپ نے فرمایا یہ تو سنت نبوی ہے، حدیبیہ کے معاہدہ میں رسول اللہؐ کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہوا تھا تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھدیا تھا، اس لئے امیر المومنین کو کاٹ کر علی بن ابی طالب لکھا جائے چنانچہ امیر المومنین کا لفظ کاٹ دیا اور ایک طویل عہدنامہ مرتب ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے،

علی اور ان کی جماعت نے ابوموسیٰ اشعری کو اور معاویہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص کو حکم مقرر کیا ہے، یہ دونوں کسی فریق کی رعایت کے بغیر امت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق جو فیصلہ کر دینگے وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کرے گا، حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دینگے لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے، اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوگا، فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی، اور کامل امن و امان قائم رکھا جائے گا، اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل دونوں امیروں اور حکموں میں سے کوئی امیر یا حکم مر جائے تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حکم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا، دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا، رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو جانا چاہیئے لیکن اگر حکم اس میں کچھ تاخیر کرنا مناسب سمجھیں تو اس مدت میں توسیع کر سکتے ہیں، اگر

مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو از سر نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا۔[1]
اس عہد نامہ پر فریقین کے تمام ممتاز لوگوں کے دستخط ہو گئے اور شام و عراق کی سرحد
پر دومۃ الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لئے مقرر ہوا، تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون دونوں
فریق کی فوجوں میں مشتہر کر دیا گیا، اسے سنکر حضرت علیؓ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا
جس نے بعد میں خارجی فرقہ کی شکل اختیار کر لی، اس کے حالات آئندہ آئیں گے،

حکمین کی گفتگو معاہدہ کی کتابت کے بعد دونوں حکموں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی، عمرو
ابن العاص بڑے مدبر اور دانشمند تھے انھوں نے پہلے ہی سے تعظیم و تکریم کے ذریعہ ابو موسیٰ
اشعری پر اثر ڈالنا شروع کر دیا، خود خاموش رہتے ہر معاملہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہتے
کہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ صلعم کے مقتدر صحابی ہیں، پہلے آپ اپنا خیال ظاہر
فرمایئے، بہرحال دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی،

ابو موسیٰ اشعریؓ، ابن العاص ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس میں خدا کی خوشنودی
اور امت کی فلاح دونوں باتیں حاصل ہوں،

عمرو بن العاصؓ، کس کو،

ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن عمرؓ جن کا دامن ان ہنگاموں سے بالکل پاک ہے،

عمرو بن العاصؓ، امیر معاویہ پر آپ کو کیا اعتراض ہے،

ابو موسیٰؓ، معاویہ کا کیا رتبہ ہے، وہ کس طرح اس کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

عمرو بن العاصؓ، یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عثمان مظلوم شہید کئے گئے، ان کے
بعد معاویہ ان کے گھر کے متولی اور ان کے قصاص کے دعویدار ہیں،

ابو موسیٰ ہاں یہ صحیح ہے،

[1] یہ عہد نامہ طبری اور اخبار الطوال سے ملخص ہے،

عمرو بن العاص اگر لوگوں کو اس پر یہ اعتراض ہو کہ وہ قدامتِ اسلام کے شرف سے محروم ہیں تو اس کے جواب میں آپکے پاس قرآن کی یہ دلیل موجود ہے،

من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا، — جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا حق دیا ہے،

اس کے علاوہ وہ رسول اللہ صلعم کے صحابی اور ام المومنین ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں

ابو موسیٰ اے ابن العاص خدا سے ڈرو اگر یہی شرف ہے اور استحقاق خلافت کیلئے اسی قسم کے شرف کافی ہو سکتے ہیں تو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سلاطینِ یمن کی اولاد ابرہہ بن صباح ہوتا جن کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی، یہ کوئی شرف نہیں ہے، خلافت صاحب فضل اور اہل دین کا حق ہے، پھر شرف میں علیؓ اور معاویہؓ کا کیا مقابلہ اگر میں سب سے افضل و اشرف قریشی کے حق میں فیصلہ کرنے والا ہوتا تو علیؓ کے حق میں کرتا، تمہارا یہ کہنا کہ معاویہ قصاص عثمان کے ولی ہیں، تو اس کا حق سب سے زیادہ عثمان کے لڑکے عمرو کو ہے، مہاجرین اولین کے مقابلہ میں کسی طرح معاویہ کو خلیفہ نہیں بنا سکتا، ہاں اگر تم چاہو تو عبد اللہ الحبر کو خلیفہ بنا کر عمر بن الخطاب کا نام زندہ کر دیں

عمرو بن العاص، تو پھر میرے لڑکے عمرو میں کیا خرابی ہے، اس کے علم و فضل اور شرف و مناقب سے آپ واقف ہیں،

ابو موسیٰ، بیشک تمہارا لڑکا صالح اور اہل ہے لیکن اس فتنہ میں شرکت سے اسکا دامن داغدار ہو گیا ہے، آؤ طیب بن طیب عبد اللہ بن عمر کو خلیفہ بنا دیں،

عمرو بن العاص، خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہئے جو ایک داڑھ سے خود کھائے اور دوسری سے دوسروں کو کھلائے،

ابو موسیٰ، ابن العاص! آپس مین خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانون نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے، اب ان کو دوبارہ اس فتنہ مین نہ ڈالو،

عمرو بن العاص، پھر آپ کیا کہتے ہین،

ابو موسیٰ، میری راے تو یہ ہے کہ ان دونون کو معزول کرکے مسلمانون کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے،

عمرو بن العاص مجھے اس سے اتفاق ہے، امت کی بھلائی اسی مین ہے[1]،

فیصلہ کا اعلان اس فیصلہ کے بعد دونون حکم اسے سنانے کے لئے دومۃ الجندل آئے دونون فریق نے چند سو آدمی اپنے اپنے حکم کے ساتھ کر دیئے تھے، یہ فیصلہ امت کی قسمت کا فیصلہ تھا اس لئے ہزارون مسلمان اور بہت سے اکابر صحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ جو اس جنگ مین غیر جانبدار تھے، فیصلہ سننے کے لئے آئے، بعض عاقبت اندیش اور سمجھدار لوگون کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی سادہ دلی اور عمرو بن العاص کی ہوشمندی سے خطرہ تھا کہ عمرو بن العاصؓ اس پر قائم نہ رہین گے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اس خطرہ سے مطلع کیا کہ اگر آپ دونون کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہون تو اس کے اعلان مین خود پیشقدمی نہ کیجئیگا، بلکہ پہلے عمرو بن العاص سے اعلان کرائیگا، وہ چالاک آدمی ہین، مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کیا تو عمرو بن العاصؓ دھوکا دے جائین گے، لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سب کو سچا مسلمان سمجھتے تھے، فرمایا یہ نہین ہو سکتا، ہم دونون ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہین[2]،

---

[1] اس گفتگو میں طبری اور اخبار الطوال کے بیانات مین بعض جزوی اختلافات ہین، ہم نے دونوں کے بیانات جمع کرنے کی کوشش کی ہے، [2] اخبار الطوال ص ۲۱۰،

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حکموں نے مجمع مسجد میں فیصلہ سنایا ہزاروں مسلمان اسکے اشتیاق میں جمع تھے حضرت ابوموسیٰ اشعری[2] نے عمرو بن العاص[3] سے کہا پہلے تم سناؤ، انھوں نے کہا آپ ہر فضل و منقبت میں مجھ سے افضل ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے میں اسکی جرأت نہیں کر سکتا حضرت ابوموسیٰ[1] پر یہ جادو چل گیا چنانچہ انھوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا،

اما بعد لوگو! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا اس امت کے اتحاد و اتفاق اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کر لیں، اس لئے میں علی اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں، آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ،

ان کے بعد عمرو بن العاص نے اپنا فیصلہ سنایا،

اما بعد لوگو! ابوموسیٰ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا، انھوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا، میں بھی اسکو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں، وہ امیر المومنین عثمان کے ولی اور انکے قصاص کے طالب ہیں، اس لئے انکی قائم مقامی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں،

یہ فیصلہ سنکر حضرت ابوموسیٰ چلائے کہ یہ غداری و بے ایمانی، انما مثلک مثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث او تترکہ یلہث تمہاری مثال کتے کی ہے کہ خواہ اس پر لادو تب بھی وہ ہانپتا رہتا ہے اور چھوڑ دو تب بھی ہانپتا رہتا ہے، عمرو بن العاص بولے و مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا، اور تمہاری چار پائے (گدھا) پر کتابے چند کی ہے،

اس فیصلہ سے حضرت علیؓ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہو گئی شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ کو کوڑے برسانا شروع کر دیئے، لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا دیا، شامی ابوموسیٰ کی تلاش میں تھے وہ یہ رنگ دیکھ کر مکہ نکل گئے،

اس فیصلہ کے بعد امیر معاویہؓ کے حامیوں نے انھیں باضابطہ خلیفہ تسلیم کر لیا،[1]

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۴ و ۲

خوارج کی سرکشی

یہ فیصلہ ایسا نا منصفانہ تھا کہ اسے کوئی حق پسند تسلیم نہیں کرسکتا تھا اس لئے فیصلہ کے اعلان کے بعد حضرت علیؓ نے امیر معاویہ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کردیں ابھی آپ اس میں مشغول تھے کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی شورش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو فی الحال امیر معاویہ کے مقابلہ کا خیال ملتوی کرکے ادھر متوجہ ہونا پڑا،

اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ شروع میں حضرت علیؓ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی لیکن پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی ضد سے اس کے قبول کرنے کی مجبور ہوگئے تھے پھر اسی میں سے ایک جماعت تحکیم کے خلاف ہوگئی اور تحکیم کو کفر قرار دیا، یہی جماعت بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئی، اسی زمانہ میں دو آدمیوں زرعہ بن برج الطائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علیؓ سے کہا کہ خدا کے علاوہ کسی انسان کو حکم نہیں بنایا جاسکتا، آپ اس غلطی سے توبہ کیجئے اور ہمارے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیجئے، لیکن تحکیم کا عہدنامہ لکھا جاچکا تھا، اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے خود اس کی مخالفت کی تھی لیکن تم ہی لوگوں نے مجھے مجبور کیا، اب عہدنامہ لکھ چکا ہوں اس کو نہیں توڑ سکتا، خدا فرماتا ہے کہ "جو عہد کرو اسے پورا کرو"۔ خوارج نے ان کو بہت مجبور کیا، لیکن آپ آمادہ نہ ہوئے، آخر میں انھوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لئے آپ سے لڑیں گے، آپ نے فرمایا تو تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی[1]،

یہ واقعہ تحکیم کے قبل کا ہے، اسی وقت سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑگئی تھی، فیصلہ کے اعلان کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھوں پر بیعت کرکے

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۶، و ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۳،

حضرت علی کی کھلی مخالفت شروع کردی، اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین مین انسان کو حکم بنانا کفر ہے، اور حکم اور اس کے ماننے والے سب کافر ہین اور ان سے جہاد فرض ہے[1] ان عقائد کی اشاعت کرکے کوفہ، بصرہ، مدائن اور عراق کے دوسرے شہرون مین ایک معتد بہ جماعت اپنی ہم خیال بنالی اور کوفہ کے خوارج خفیہ نہروان روانہ ہوگئے، اور دوسرے شہرون کے خوارج کو اس کی اطلاع دیدی،

مدائن کے والی سعید بن مسعود کو ان کی نقل و حرکت کی اطلاع ہوگئی، انھون نے تعاقب کیا، کرخ مین دونون کا سامنا ہوا، سعید کے ساتھیون نے کہا کہ ان کے بارہ مین امیر المومنین کا کوئی حکم نہین ہے، اس لئے اس وقت ان سے مزاحمت نہ کیجئے، پہلے امیر المومنین سے لکھ کر دریافت کر لیجئے، اس مشورہ پر سعید نے ان کا راستہ چھوڑ دیا،

نہروان مین اجتماع

کوفہ سے نکلنے کے قبل ان لوگون نے بصرہ وغیرہ کے خارجیون کو نہروان مین اجتماع کی خبر دے دی تھی، چنانچہ بصرہ سے پانچسو کی جماعت روانہ ہوئی، یہان کے والی حضرت عبداللہ بن عباس کو معلوم ہوا تو آپ نے ابوالاسود دولی کو ان کے تعاقب مین روانہ کیا، انھون نے تستر مین انھین پکڑ لیا، لیکن رات ہو چکی تھی اسلئے خارجی نکل گئے، اور نہروان مین اپنے ساتھیون سے جا ملے، راستہ مین انھین جو مسلمان ملتا تھا اس سے سوال کرتے تھے کہ حکمین کے بارہ مین تمھاری کیا رائے ہے، اگر وہ برأت ظاہر کرتا تو چھوڑ دیتے، ورنہ قتل کر دیتے[2]،

خوارج کو دعوتِ اتحاد

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت علیؑ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریان کر رہے تھے، یہ حالات سن کر آپ نے خوارج کو خط لکھا،

---

[1] طبری و اخبار الطوال، [2] اخبار الطوال ص ۲۱۹،

ہم نے جن آدمیوں کو حکم بنایا تھا، انھوں نے اپنے نفس کی پیروی کرکے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا، اس لئے ہم نے اس فیصلہ سے برأت ظاہر کی اور آپ پھر پہلی حالت پر آگئے ہیں (یعنی جنگ) ہم اپنے اور تمہارے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے جارہے ہیں، خدا تم پر رحم کرے، تم بھی ہمارا ساتھ دو، ہم اس وقت تک مقابلہ کرینگے جب تک خدا کوئی فیصلہ نہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے

خوارج نے اس خط کا یہ جواب دیا،

اما بعد تم کو اس فیصلہ پر خدا کے لئے نہیں بلکہ اپنے نفس کے خاطر برہمی ہے، اگر تم تحکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کرکے توبہ کرو تو ہم تمہارے سوال پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہم تم سے لڑینگے، خدا خیانت کرنے والوں کی چال کی ہدایت نہیں کرتا[1]

اس جواب کے بعد بھی آپ نے تیاریاں جاری رکھیں اور صوبوں کے عمال کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا، آپ کے فرمان پر اسّی ہزار فوجیں جمع ہوگئیں لیکن اس درمیان میں خارجیوں کی فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی، کسی مسلمان کی جان ان کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھی جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے بے دریغ قتل کردیتے، چنانچہ ایک صحابی عبداللہ بن خباب کو اسی جرم میں شہید کردیا، اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کرکے بے دردی سے قتل کردیا، قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا، ان کی یہ فتنہ انگیزی دیکھ کر لوگوں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا امیر المومنین آپ اس فتنہ انگیزی کے لئے خارجیوں کو آزاد چھوڑ کر کہاں کا قصد فرمارہے

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۰، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶،

ہیں آپ کی عدم موجودگی میں ... ... ہو جائیں گے پہلے ان کی سرکوبی کیجیے اور انھیں مطیع بنا کر مسلمانوں کو ان کے خطرہ سے بچائیے، اس کے بعد شام کا قصد فرمائیے گا۔

... کی فتنہ انگیزیوں اور لوگوں کی درخواست پر مجبور ہو کر حضرت علیؓ نے فی الحال شام کا ارادہ ملتوی کر دیا، اور خارجیوں کے مقابلہ کے لئے نہروان روانہ ہو گئے

اتمام حجت	خارجی یہاں پہلے سے جمع تھے حضرت علیؓ کے پہنچتے ہی صف آرائی

شروع ہو گئی، جنگ چھڑنے سے پہلے آپ نے خارجیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ "تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصاص کے لئے ہمارے حوالہ کر دو تو ہم تم کو چھوڑ دینگے، شاید خدا تم کو راہ راست پر لے آئے، ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تمہارا اور ان کا دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں[1]

اس جواب کے بعد آپ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور قیس بن سعدؓ انصاری کو سمجھانے کے لئے بھیجا، ان دونوں بزرگوں نے ہر چند راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن خوارج برابر اپنی ضد پر قائم رہے، آخر میں آپ خود اتمام حجت کے لئے تشریف لے گئے اور ان کے سامنے تقریر کی،

"اے وہ گروہ جسے محض ضد نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبول حق سے روکا ہے تم لوگ شبہ اور غلطی میں مبتلا ہو، میں تم کو اس سے متنبہ کرتا ہوں تاکہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو، اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ خدا کے سامنے تمہارے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۲۲۰ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶ [3] ایضاً،

سرپچوں سے یہ شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے، میں نے
تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے لیکن تم ہی نے
اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا، میں نے اسی شرط پر اسے منظور کیا تھا کہ دونوں
حکم اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اور اس کو ختم کرینگے
جسے قرآن نے ختم کیا ہے، لیکن حکموں نے خواہش نفس پر عمل کرکے کتاب و سنت
کی مخالفت کی، اس لئے ہم نے ان کے فیصلہ کو رد کر دیا، اب ہم پھر پچھلی حالت پر لوٹ آئے

خوارج نے اس کا یہ جواب دیا،

جب ہم نے حکم کی تجویز قبول کی تھی، اس وقت کافر
ہو گئے تھے، اب ہم نے توبہ کر لی ہے، اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو
ہم تمہارے ساتھ ہیں، ورنہ پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، حضرت علیؓ نے فرمایا
اگر میں کفر کا اقرار کر لوں تو گمراہی میں مبتلا ہونگا، مناسب صورت یہ ہے کہ
تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفتگو کے لئے بھیجو، اگر وہ مجھے قائل کر دے
تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کرکے توبہ کر لوں گا، اور اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو
خدا سے ڈرنا چاہئے،[1]

اس تجویز پر خارجیوں نے عبداللہ بن الکوار کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا، دونوں میں
مباحثہ ہوا، لیکن خوارج اپنی رائے سے بالکل ہٹنا نہ چاہتے تھے، اس لئے کوئی نتیجہ نہ نکلا
اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر مقابلہ میں آنا پڑا،

جنگ شروع کرنے سے پہلے حضرت ابوایوبؓ انصاری کو امان کا علم دے کر

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۱ و ۲۲۲،

اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آجائے یا لوٹ جائے یا خارجیون کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامون ہے، اس اعلان پر ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیون سے کہا کہ ہمارے پاس علیؓ سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہین ہے، اس لئے لوٹ چلنا چاہیے اور اس وقت تک کوئی حصہ نہ لینا چاہیئے جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کرنے کے کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائین، چنانچہ وہ پانچسو آدمیون کو لے کر لوٹ گیا، ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی، ایک ہزار حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے آ گئے، اور عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ بہت تھوڑی تعداد رہ گئی،

جنگ اور خوارج کی شکست

اس وقت بھی حضرت علیؓ نے اپنے آدمیون کو جنگ کی ابتدا کرنے سے روکے رکھا، تا آنکہ خود خارجیون نے لاحکم الا للہ کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ مین حضرت علیؓ کا پیدل دستہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا، اور خارجی علوی فوج کے میمنہ اور میسرہ پر ٹوٹ پڑے اور اس شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ ان کے اعضا رکٹ کر الگ ہو جاتے تھے، لیکن اس حالت مین بھی وہ لڑتے رہتے تھے، ایک خارجی شریح بن ابی اوفی کا پاؤن کٹ گیا، وہ اسی حالت مین لڑتا رہا[1]،

حضرت علیؓ کی فوج نے بھی پوری شجاعت سے مقابلہ کیا، بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو نہایت فاش شکست ہوئی، اور وہ ایک ایک کر کے مارے گئے،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶ و اخبار الطوال ص ۲۲۴،

شام کا قصد اور علوی فوج کی کمزوری

خارجیون کی مہم سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو پھر امیر معاویہ کے مقابلہ کے لئے ابھارا کہ خدا نے تم کو ایک دشمن کے مقابلہ مین کامیاب کیا ہے، اب یہین سے اپنے دوسرے دشمن کے مقابلہ مین روانہ ہو جاؤ" لیکن اس وقت اس کی ہمت پست ہو رہی تھی، اشعث بن قیس کندی نے عرض کیا، امیر المومنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہین، تلوارین کند ہو گئی ہین، نیزون کے پھل خراب ہو گئے ہین، اس لئے اس وقت گھر لوٹ چلئے، تاکہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لئے اچھی طرح تیاری کر لین، ان کے اس عذر پر حضرت علیؓ نے کوچ کا حکم دیا، مقام نخیلہ مین فوج نے منزل کی، یہان سے لوگون نے اپنے گھر کا راستہ لینا شروع کیا، اور آپ کے ہمراہ کل ایک ہزار آدمی رہ گئے، یہ صورت دیکھ کر حضرت علیؓ کوفہ لوٹ آئے،

مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ

عثمانی عمال کو معزول کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے مصر کی ولایت پر حضرت قیس بن سعد کو جو ایک مقتدر صحابی تھے مقرر کیا تھا، یہ بڑے مدبر اور مصلحت شناس تھے، انھون نے بڑی ہوشیاری سے مصریون سے حضرت علیؓ کی بیعت لے لی تھی، صرف ایک مقام خربتا کے باشندون نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے بیعت نہین کی، قیس نے انھین چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا دیا کہ ہم تم کو بیعت پر مجبور نہین کرتے اور تمھاری ہر خدمت کے لئے آمادہ ہین، ان کی اس پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ گو اہل خربتا نے بیعت نہین کی لیکن خراج دینے مین کوئی تامل نہین کیا، یہ واقعہ جنگ جمل کے پہلے کا ہے،

قیس بن سعدؓ عرب کے نامور مدبر تھے اسلئے امیر معاویہ جب حضرت علیؓ کے مقابلہ کیلئے

کھڑے ہوئے تو عمرو بن العاص کی طرح انھین بھی ملانا چاہا، چنانچہ ان کو خط لکھا کہ تم بھی
قاتلین عثمانؓ کے ساتھ ہو، اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبین قصاص کے زمرہ مین شامل ہو جاؤ
تو ہم تمھارا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہین، تاحیات عراق کی حکومت تمھارے لئے
مخصوص ہوگی، حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہوگا، جس کو چاہنا حاکم بنانا، اس کے علاوہ
اور جو تم چاہو مین سب پورا کرنے کے لئے تیار ہون، اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھئے،
اس وقت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی کشمکش کا آغاز تھا، ملک کی حالت مذبذب
تھی، اس لئے قیس نے گول جواب دیا، امیر معاویہؓ بڑے جہاندیدہ تھے وہ سمجھ گئے،
انھون نے لکھا کہ "تم نے بھی کیا جواب دیا ہے، اس سے نہ تم کو دوست ہی سمجھا
جاسکتا ہے کہ تمھاری طرف سے اطمینان رکھا جائے اور نہ دشمن یقین کیا جاسکتا ہے
کہ تم سے مقابلہ کیا جائے، میرے جیسا شخص تمھارے فریب مین نہین آسکتا، میرے
پاس کافی قوت ہے،" قیس بن سعد نے اس کا نہایت سخت جواب دیا کہ مجھ کو
تمھاری عقل پر حیرت ہے، تم مجھ کو ایک مستحق خلافت، حق گو، حق پرست، سب سے
زیادہ ہدایت یاب اور رسول اللہ صلعم کے قریب عزیز کے مقابلہ مین ایک جھوٹے
گمکردہ راہ اور رسول اللہ صلعم سے دور شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو،
تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو، یاد رکھو کہ تم کو خود اپنے لالے پڑجائینگے،

قیس کا حضرت علیؓ کے ساتھ رہنا امیر معاویہؓ کے مصالح کے بالکل خلاف تھا،
ان کی موجودگی مین مصر ان کے قبضہ مین نہیں آسکتا تھا، انھون نے جب دیکھا کہ قیس طمع
اور خوف سے ان کے دام مین آنے والے نہین ہین تو مشہور کرنا شروع کردیا کہ
قیس ہمارے خاص آدمی ہین اور شامیون کو منع کردیا کہ ان کو برا بھلا نہ کہو، وہ

ہمارے ساتھ ہین خفیہ ان کی خیر خواہی کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہین، دیکھو ہمارے ہم خیال خربتا والون کے ساتھ ان کا سلوک کتنا بہتر ہے، ان کے روزینے اور عطیے جاری ہین، اس شہرت کے ساتھ اپنے نام قیس کا ایک فرضی خط بھی پڑھکر سنا دیا، جس مین حضرت عثمانؓ کے قصاص کی دعوت پر پسندیدگی کا اظہار تھا، شام کے علوی جاسوسون نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفرؓ بن ابی طالب کو اسکی اطلاع دی، انھون نے حضرت علیؓ کو پہنچا دیا، آپ کو اس کے یقین کرنے مین تامل ہوا لیکن ان دونون نوجوانون نے قیس کی معزولی پر اصرار کیا، اسی دوران مین قیسؓ بن سعد کا ایک خط پہنچا، اس مین انھون نے اہل خربتا کی حالت اور ان کے ساتھ اپنے طرز عمل کی اطلاع دی تھی، اس سے گویا محمدؓ بن ابی بکر اور محمدؓ بن جعفر کو قیسؓ کے خلاف ایک دلیل ہاتھ آگئی، انھون نے حضرت علیؓ کو مجبور کر کے قیسؓ کے نام اہل خربتا سے جنگ کرنے کا فرمان لکھا دیا، قیس نے جواب مین لکھا، کہ "آپ ایسے لوگون سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہین جو اب تک غیر جانبدار ہین، جہان ان کو چھیڑا گیا وہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائین گے، میرا مشورہ قبول کیجئے اس سے تعرض نہ فرمائیے"

لیکن حضرت علیؓ کی رائے پر دونون نوجوان غالب آگئے تھے، محمدؓ بن جعفر نے حضرت علیؓ کو مجبور کر کے محمدؓ بن ابی بکر کو مصر بھجوا دیا، قیس بن سعد کو یہ فطرۃً ناگوار ہوا، انھون نے محمدؓ بن ابی بکر سے پوچھا امیر المومنین نے مصر کی حکومت مین کسی اور کو بھی شریک کر دیا ہے، انھون نے جواب دیا، نہین حکومت آپ ہی کے ہاتھون مین رہیگی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دو عملی نہین چل سکتی تھی، خصوصاً جب کہ ابن ابی بکر قیسؓ کی پالیسی کے بالکل خلاف تھے، اس لئے قیسؓ مستعفی ہو کر مدینہ چلے گئے، (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۷ و ۱۰۸)

قیسؓ حضرت علیؓ کے سچے خیر خواہ تھے، اس لئے مصر چھوڑتے وقت محمد بن ابی بکرؓ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر اپنی پالیسی بتادی،

محمد بن ابی بکرؓ بالکل ناتجربہ کار تھے، جوانی کا جوش تھا، پالیسی سے کام لینے کے بجائے خرتباویون پر فوجکشی کردی، یہ لوگ بڑے شجاع و بہادر تھے، محمد کو فاش شکست ہوئی، ان کی اس ناتجربہ کاری سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا، کہ پہلے ایک مقام کے لوگ حضرت علیؓ کے خلاف تھے، محمد بن ابی بکر کے طرز عمل نے اور لوگون کو بھی مخالف بنادیا، اور معاویہ بن خدیج کندی نے جو مصر کے ایک مقتدر رئیس تھے، علانیہ قصاص عثمانؓ کی دعوت شروع کردی، اس طرح مصر کی فضا مسموم ہوگئی[1]،

حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اشتر نخعی کو ان کی مدد کے لئے بھیجا، لیکن امیر معاویہؓ کے اشارہ سے راستہ ہی مین ان کا کام تمام کردیا گیا،

اشتر نخعی کو ختم کرانے کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بنؓ مخلد انصاری اور معاویہ بنؓ خدیج کندی سے مصر پر فوجکشی کے بارہ مین خط وکتابت کی، انھون نے لکھا تم فوراً آؤ، ہم سب تمھارے منتظر ہین، تم کو ضرور کامیابی ہوگی، یہ جواب آنے کے بعد امیر معاویہؓ نے لوگون کے مشورہ سے عمرو بنؓ العاص کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کردیا، یہان کا عثمانی گروہ سرحد پر ان سے مل گیا، انھون نے محمد بنؓ ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمھارے خلاف ہوچکے ہین اور تمھارا ساتھ چھوڑ چکے ہین، اگر جنگ کی نوبت آئی تو وہ تم کو ہمارے حوالہ کردینگے، اس لئے میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم مصر چھوڑ دو مین نہین چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تم کو کوئی نقصان پہنچے[2]

---

[1] طبری ص ۳۹۲، [2] ایضاً صفحہ ۳۴۱۲ -

محمد بن ابی بکر نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھجوا دیا، وہان سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا، محمد بن ابی بکر چار ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلے، مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ ابن بشر کے ہاتھون مین تھی، یہ بڑے شجاع و بہادر تھے، شجاعت و پامردی کے ساتھ شامیون کا مقابلہ کیا، جو دستہ آگے بڑھتا تھا، کنانہ اسے پسپا کر دیتے تھے، یہ رنگ دیکھکر عمرو بن العاص نے معاویہ بن خدیج کو اشارہ کیا، انھون نے کنانہ کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شامی ان پر ٹوٹ پڑے، کنانہ گھوڑے سے اتر کر لڑنا شروع کر دیا، لیکن تنہا ایک شخص کا ایک جم غفیر سے مقابلہ کرنا مشکل تھا، بالآخر وہ لڑتے لڑتے مارے گئے، یہ مصری فوج کے قوت بازو تھے، ان کے قتل ہوتے ہی مصریون نے میدان چھوڑ دیا، محمد بن ابی بکر روپوش ہو گئے، لیکن معاویہ بن خدیج نے ڈھونڈھ نکالا اور عمرو بن العاص نے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرا دیا،[1] اور مصر پر ۳۸ھ مین ان کا قبضہ ہو گیا، امیر معاویہ نے وعدہ کے مطابق عمرو بن العاص کو مصر کا والی بنایا،

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر امیر معاویہ کی پیشقدمی اور اسکے نتائج

امیر معاویہؓ کے قبضہ مین صرف شام و مصر تھے، ان کے علاوہ سارا عرب و عجم حضرت علیؓ کے زیر نگین تھا، اس لئے مصر پر قبضہ کے بعد امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات کی طرف قدم بڑھایا، اس کی تفصیلات مین پڑنا بے کار ہے، مختصر حالات یہ ہین،

سب سے اول ۳۹ھ مین نعمان بن بشر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا، یہان کے علوی حاکم مالک بن کعب نے شکست دی،

اسی سنہ مین سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و مدائن روانہ کیا،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۳

وہ بیت ہوتے ہوئے انبار پہنچے اور یہاں کی محافظ سپاہ کے افسر اشرف بن حسان البکری کو قتل کرکے انبار میں جو کچھ ملا لوٹ لیا حضرت علیؑ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان بن عوف کے تعاقب میں روانہ کیا مگر وہ جا چکے تھے،

عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے لئے تیماء روانہ کیا وہ یہ فرض انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے، حضرت علیؑ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسیب بن نجبہ فزاری کو مقابلہ کے لئے بھیجا، تیماء میں دونوں کا مقابلہ ہوا، عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے کچھ شامی بھاگ نکلے، مسیب نے قلعہ کا محاصرہ کرکے آگ لگا دی، لیکن پھر عبداللہ کے پناہ مانگنے پر چھوڑ دیا، اور وہ باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گئے،

اسی سنہ میں معاویہؓ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ واقوصہ کے نیچے علاقہ میں حضرت علیؑ کے باجگذار اعراب پر تاخت کرنے کے لئے بھیجا، یہ ثعلبیہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے، حضرت علیؑ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا تدمر میں دونوں کا سامنا ہوا، حجر نے ان کے انیس ۱۹ آدمیوں کو قتل کیا، اور شامی رات کی تاریکی میں نکل گئے،

ذی الحجہ ۳۹ھ میں معاویہؓ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکہ سے حضرت علیؑ کے عامل کو نکالنے اور وہاں کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کے لئے بھیجا، یہاں کے علوی حاکم قثم بن عباس کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لئے ابھارا، لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا، اس لئے قثم نے حضرت علیؑ کو اطلاع دے کر مکہ چھوڑ دینا چاہا، لیکن حضرت ابوسعید خدری نے روکا، اس دوران میں شامی پہنچ گئے، لیکن کسی سے تعرض نہیں کیا، قثم حضرت علیؑ

کو اطلاع دے چکے تھے، وہاں سے ریان بن صمرہ اور ابو الطفیلؓ فوجیں لے کر مقابلہ کے لئے پہنچے، لیکن ابن تجرہ نے خود ہی اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن وامان میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے، اس سے البتہ جنگ کریں گے جو ہم سے لڑے گا، اور حضرت ابو سعید خدری سے درخواست کی کہ میں حرم میں تفریق پسند نہیں کرتا، میرے اور قثم کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کو امام بنا دیجئے، جس پر سب کا اتفاق ہو، یہ تجویز معقول تھی اس لئے حضرت ابو سعید خدریؓ نے قثم سے کہا وہ الگ ہو گئے اور لوگوں نے شیبہ بن عثمانؓ کو امیر بنایا چنانچہ ۳۹ھ کا حج ان ہی کی امارت میں ادا ہوا، اختتام حج کے بعد ابن تجرہ واپس گئے،

اسی سنہ میں امیر معاویہؓ نے عبد الرحمن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا یہاں کے حاکم شبیب بن عامر نصیبین میں تھے، انھوں نے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی، وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر مدد کو پہنچے اور عبد الرحمن کو نہایت سخت شکست دی، شامیوں کی بڑی تعداد کام آئی، اور ان کا کل سامان کمیل کے قبضہ میں آیا، اس کے بعد شبیبؓ بھی پہنچ گئے، اس وقت شامی شکست کھا کر واپس جا چکے تھے، شبیبؓ نے بعلبک تک ان کا تعاقب کرایا، امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فوراً حبیب ابن مسلمہ کو شبیبؓ کے مقابلہ کے لئے بھیجا، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیبؓ واپس ہو چکے تھے،

اسی سنہ میں زبیر بن مکحول کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا، حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنی جانب سے عبد اللہ اشجعیؓ کو کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لئے روانہ کیا، ان میں اور زبیر میں جنگ ہوئی، جعفر کام آئے

دومۃ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے، انھون نے اب تک حضرت علیؓ اور معاویہؓ کسی کی بیعت نہ کی تھی، امیر معاویہؓ نے مسلم بن عقبہ کو ان سے بیعت لینے کیلئے بھیجا، لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے، حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مالک بن کعبؓ کو اپنی بیعت کے لئے بھیجا، ان مین اور مسلم بن عقبہ میں جنگ ہوئی، مسلم شکست کھا کر لوٹ گئے، اس کے بعد مالک نے بیعت لینی چاہی، دومۃ الجندل والون نے کہا کہ جب تک کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے گا، اس وقت تک ہم کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کرین گے، اس جواب پر مالکؓ نے زیادہ اصرار نہین کیا اور لوٹ آئے،

ابھی تک حجاز جس کی بیعت و حکومت پر خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا حضرت علیؓ کے قبضہ مین تھا، ۴۰ھ مین امیر معاویہؓ نے مشہور جفا کار بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا، وہ سیدھا مدینہ پہنچا، یہان کے علوی والی حضرت ابو ایوبؓ انصاری نے حرم نبویؐ کے احترام کے خیال سے مزاحمت مناسب نہ سمجھی اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے، بسر بن ارطاۃ نے مدینہ مین داخل ہو کر تقریر کی کہ "ہمارے شیخ (حضرت عثمانؓ) جن سے ہم نے بیعت کا عہد کیا تھا، کہان ہین؟ اگر مین معاویہؓ سے عہد نہ کر چکا ہوتا تو خدا کی قسم یہان ایک بالغ کو بھی زندہ نہ چھوڑتا، جب تک تم لوگ جعفر بن عبد اللہ کو میرے حوالہ نہ کروگے، اس وقت تک امان کے دروازے تمھارے لئے بند ہین، جابرؓ نے یہ اعلان سنا تو وہ چھپ کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے اور عرض کیا اگر معاویہؓ کی بیعت کرتا ہون تو گمراہی کی بیعت ہے اور اگر نہین کرتا تو جان سے ہاتھ دھوتا ہون، انھون نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا، ان کے ارشاد پر جابرؓ نے بیعت کر لی، اس کے

بعد بسر اہل مدینہ کے دلون مین ہیبت بٹھانے کے لئے چند گھرون کو مسمار کرا کے مکہ پہنچا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کے خوف سے مدینہ چھوڑ دیا، بسر نے بزور اہل مکہ سے بیعت لی، ان سے بیعت لینے کے بعد یمن روانہ ہوگیا، یہان کے علوی والی حضرت عبید اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عبد المدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے، بسر نے یمن پہنچکر عبد المدان اور اس کے لڑکے اور عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچون کو قتل کیا، یہ مظالم ڈھانے کے بعد شام واپس ہوا،

حضرت علیؓ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب ابن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا، بسر اس وقت نجران مین تھا، علوی فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا، جاریہ اور وہب، بسر کی جماعت کے چند آدمیون کو قتل کرکے مکہ پہنچے اور اہل مکہ سے حضرت علیؓ کی بیعت لے کر اہل مدینہ سے حضرت حسنؓ کی بیعت لی، اور چند دن مدینہ مین ٹھہر کر کوفہ واپس گئے،

فریقین مین مصالحت اس مسلسل خانہ جنگی، خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے سنہ ۴۰ھ مین صلح کر لی، اس صلح کی رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علیؓ کے پاس رہا اور شام اور مصر و مغرب کا حصہ امیر معاویہ کے حصہ مین آیا[1]

فتوحات حضرت علیؓ کا پورا زمانہ خانہ جنگیون مین گذرا، تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن کے لئے بھی اندرونی جھگڑون سے فرصت نہ ملی، اس لئے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا آپ کو موقع ہی نہ ملا، تاہم سیستان اور کابل مین بعض فتوحات حاصل ہوئین[1] سنہ ۳۸ھ مین بحری راستہ سے کوکن پر حملہ ہوا[2]

---

[1] فتوح البلدان [2] ایضاً،

بغاوتوں کا استیصال اسلمانون کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاکر سرزمین عجم مین جابجا بغاوتین برپا ہوگئی تھین، کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہوگئے تھے بعض اور علاقون مین بھی بغاوت کے آثار تھے، حضرت علیؓ نے اندرونی دشواریون کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا، اس نے بغاوت فرو کرکے باغی علاقون کو قابو مین کیا،

حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ سنہ ۴۰ھ مین حضرت علیؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ پیش آیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کے معرکہ مین خارجیون کو سخت نقصان پہنچا تھا، اس لئے اس جماعت کے تین آدمیون عبدالرحمن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ نہروان کے مقتولین کے بعد زندگی بے کار ہے، معاویہ اور علیؓ دونون مین سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہین ہے ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلق اللہ مصیبت مین مبتلا ہے بغیر انھین ختم کئے ہوئے امن وسکون قائم نہین ہوسکتا، چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو برک بن عبداللہ نے امیر معاویہ کو اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا، ابن ملجم نے اپنے کام مین ایک اور شخص شبیب بن بحرہ اشجعی کو بھی شریک کرلیا، اور تینون نے ایک ہی دن رمضان سنہ ۴۰ھ کو نماز فجر کے وقت تینون بزرگون پر حملہ کیا، اتفاق سے عمرو بن العاص کے بجائے اس دن ایک اور شخص نماز پڑھانے کے لئے آیا تھا، ان کے دھوکے مین وہ مارا گیا، امیر معاویہ پر اوچھا وار لگا، اس لئے وہ علاج معالجہ سے بچ گئے، ابن ملجم اور شبیب ابن بجرہ دونون حضرت علیؓ کی گذرگاہ پر چھپ رہے، جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لئے نکلے دونون نے حملہ کردیا، حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا، آپ نے آواز دی لوگ دوڑ پڑے شبیب تو نکل گیا، لیکن ابن ملجم گرفتار ہوگیا، حضرت علیؓ کے بجائے جعدہ بنؓ ہبیرہ نے

نماز پڑھائی، نماز کے بعد ابن ملجم حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا، اس سے چند سوالات کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے، اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر ہو سکوں تو خدا کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کر دینا اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کروں گا، اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میرے بعد میرے ایک خون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا صرف میرا قاتل قتل کیا جائے، حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ اگر میں مرجاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ صلعم نے اسکی ممانعت فرمائی ہے[1]،

خنجر زہر آلود تھا اس لئے بہت جلد سمیت بدن میں پھیل گئی، اور حالت خراب ہونے لگی، حضرت امام حسنؓ و حسینؓ اور محمد بن حنفیہؒ کو بلا کر باہم اتحاد و اتفاق اور دین و دنیا میں خیر و برکت کے لئے وصیتیں فرمائیں، آپ کی زندگی سے مایوسی تھی، اس لئے جندب بن عبد اللہ نے پوچھا کہ "آپ کے بعد ہم حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں" فرمایا میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو[2]،

زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان شب یکشنبہ ۴۰ھ کو انتقال فرمایا، حضرت حسنؓ و حسینؓ نے غسل دیا، حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رشد و ہدایت کے اس آفتاب عالمتاب کو کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا، انتقال کے وقت بروایت صحیح ترسٹھ سال کی عمر تھی، مدت خلافت ۴ سال ۹ مہینے،

---

[1] ابن سعد ج ۳ ص ۲۴ [2] طبری ص ۳۴۶۲ و ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۶ [3] طبری ص ۳۴۶۱،

ازواج واولاد

حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کے انتقال کے بعد متعدد شادیان کین، اوران سے بکثرت اولادین ہوئین، حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت حسنؓ وحسینؓ ومحسن تھے، محسن کا انتقال بچپن مین ہوگیا تھا، اور صاحبزادیان زینبؓ اورام کلثوم تھین، ام کلثوم کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا تھا، خولہ کے بطن سے محمد بن علیؓ تھے جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہین، حضرت حسینؓ کے بعد یہ بڑے نامور فرزند تھے باقی اولادون کی تفصیل کی ضرورت نہین،
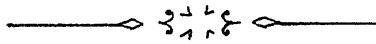
عہدِ مرتضویؓ پر ایک نظر

حضرت علیؓ کا پورا عہدہ خلافت خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑون مین بسر ہوا، ایک دن کے لئے بھی آپ کو ملکی نظم ونسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ ملا، اس لئے تعمیری کامون کے لحاظ سے آپ کا عہد آپکے پیشرؤن کے مقابلہ مین ناکام رہا، اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا، جن مین آپ کو منصب خلافت ملا تھا اور جو بعد مین پیش آتے رہے، ایسے مخالف حالات مین بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا، اوجس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا، وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا،

ان حالات کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس لئے یہان ان کے اعادہ کی ضرورت نہین، البتہ ان کے اسباب پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے، ان مین سے بعض اسباب تو وہی تھے جنھون نے عثمانی خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا اور بعض نئے تھے، اس کا اندازہ عہد صدیقی کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہوگا،

حضرت ابوبکرؓ نے جس وقت تختِ خلافت پر قدم رکھا، اس وقت سارا عرب پُرآشوب ہو رہا تھا، بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے تھے، بعضون نے اسلام کے رکن اعظم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، جھوٹے مدعیان نبوت علٰحدہ انقلاب پر آمادہ تھے

غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویش ناک تھی،

لیکن ان حالات کے مقابلہ کا پورا سامان موجود تھا، عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے مسلمانون مین اسلامی روح زندہ تھی، سب کے سب ایک غرض اور ایک مقصد اعلاے کلمۃ اللہ کیلیے متحد تھے، ان مین کوئی اختلاف نہ پیدا ہوا تھا حصول مقصد کے وسائل پر اختلاف راے ہوتا تھا، لیکن اصل مقصد پر سب متفق تھے، گو خلیفہ حضرت ابوبکرؓ تھے، لیکن خلافت کا نظام ان صاحب تدبیر وسیاست صحابہ کے مشورہ سے چلتا تھا جنھون نے شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچا تھا، اسی لئے ان کی عزیز ترین متاع اسلام تھا، ذاتی حیثیت سے حضرت ابوبکر کا تحمل، آپ کی نرمی اور تواضع و انکسار لوگون کے دلون کو مسخر کرتا اور خلافت کے رکن رکین حضرت عمرؓ کا دبدبہ وشکوہ سی کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ دیتا تھا،

ان سب سے بڑھکر عربون مین غیر عنصر کی آمیزش نہ ہوئی تھی، یہی وہ قومین جنھون نے مسلمانون کا شیرازہ بکھیرا مسلمان نہ ہوئی تھین اور جو قلیل تعداد مسلمان بھی ہوتی تھی اس نے مسلمانون مین اتنا اعتماد نہ پیدا کیا تھا کہ ان کے نظام شوری مین دخیل ہوسکے پھر صحابہ کے اتحاد و اتفاق اور صولت فاروقی کے مقابلہ مین مسلمانون کے خلاف ان مین کسی سازش کی ہمت نہ تھی اور نہ کامیاب ہوسکتی تھی، اسلامی فوج مین غیر قومون کا عنصر شامل نہ تھا، حدید الاسلام عربون تک کی باگ جو غیر اقوام کے مقابلہ مین متحد تھے اکابر صحابہ کے ہاتھون مین رہتی تھی، اس لئے کسی پہلو سے غیر قومون کو دخل اندازی کا موقع ہی نہ ملتا تھا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے بہت جلد مخالف حالات پر قابو حاصل کرلیا،

حضرت عمرؓ کے زمانہ تک یہ خصوصیات قائم رہین، اس لئے اس زمانہ تک نظام خلافت کو جنبش نہ ہونے پائی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے ہٹنے لگین، جس کے نتائج انقلاب کی شکل مین ظاہر ہوے، اور حضرت علیؓ کے دور مین قریب قریب سب ختم ہوگئین

عہد رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی، بہت سے اکابر صحابہ جو خلافت کے رکن اعظم تھے اٹھ چکے تھے، اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی جس مین اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا، ان کے اغراض بالکل مختلف تھے، متعدد اکابر صحابہ کو حالات نے حضرت علیؓ سے جدا کر دیا تھا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ مین تھے، آپ سے الگ ہو گئے تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے ان کا دین و تقویٰ مسلم لیکن ان مین بہت کم صاحب تدبیر و سیاست تھے، پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ مین حضرت علیؓ صاحب تدبیر و سیاست بزرگون کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے، مغیرہ بنؓ شعبہ اور حضرت عبداللہ بنؓ عباس نے آپ کو آغاز خلافت مین مشورہ دیا کہ بغیر بیعت لئے ہوے امیر معاویہ کو معزول نہ کیجئے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کرینگے، لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا، جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت مین ظاہر ہوا، حضرت قیس بن سعد جیسے مدبر بزرگ کو محض نوجوانون کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھون سے نکل گیا، تمام عثمانی عمال کو معزول کرکے اپنا خلاف بنالیا، آپ کے حاشیہ نشینون اور مشیرون میں صحابہ کے ساتھ نوجوان نسل، جدید الاسلام عرب اور نو مسلم عجمی بھی تھے جن کے دلون مین اسلام کے لئے کوئی تڑپ نہ تھی، بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لئے ساتھ تھے،

آپ مین نہ حضرت ابوبکرؓ کے جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا

اور نہ حضرت عمرؓ کے جیسا دبدبہ و شکوہ تھا جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے،
حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، لیکن
وہی معاویہ آپ کے خلاف اٹھ کر ایک انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہیں، آپ میں خود اعتمادی
بہت تھی، جو رائے قائم کر لیتے تھے پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے تھے، جس سے
بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا،

ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نو مسلم عجمی تھے جو محبت اہل بیت
کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے، جنھیں حضرت علیؓ کیا
اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی، بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کیلئے
آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، انہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہلبیت کا سوال پیدا کر کے
مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا، حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے مسلمانوں میں خانہ
جنگی کا دروازہ کھولا، پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی
آگ بھڑکائی، اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل اور صفین کے واقعات پیش نہ آتے، یہی لوگ
تھے جنھوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پر فریب تجویز
قبول کرنے پر مجبور کیا، پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے اور حضرت علیؓ کے خلاف
محاذ جنگ قائم کیا، پھر انھی میں سے وہ لوگ تھے جنھوں نے امیر معاویہ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا،
غرض کسی موقع پر بھی انھوں نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا،

ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے، گو
یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے، لیکن اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے
لئے مصلحت وقت کا لحاظ بہت ضروری ہے، لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی

کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے معاملہ میں مصلحت وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے، مثلاً عمال ان عثمانی کی معزولی خصوصاً امیر معاویہؓ کی سرطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی لیکن آپ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا، جو کل کے کل آپ کے خلاف ہو گئے،

آپ جس تقویٰ، دینداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے، حالات کے تغیر سے لوگون مین اس کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی، ایک طرف آپ تھے کہ نازک سے نازک حالات مین بھی، حق و صداقت کے جادہ سے نہ ہٹتے تھے اور بیت المال کا ایک حبہ بھی بیجا نہ صرف ہونے دیتے تھے، دوسری طرف آپ کے حریف امیر معاویہؓ اپنی کامیابی کے لئے ہر جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرتے تھے، اور اپنے حامیون کے لئے خزانہ کا منھ کھول دیا تھا،

آپ بیت المال کی کوڑی کوڑی کا حساب لیتے تھے" اس کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے اعزہ خاص تک آپ سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے، اور امیر معاویہؓ کی داد و دہش مخالفین تک کا منھ بند کر دیتی تھی،

ان تمام باتون پر مستزاد یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا مقابلہ مرتدون، منکرینِ زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوت سے تھا جن کے مقابلہ کے لئے بچہ بچہ متحد تھا، اور آپ کا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امیر معاویہؓ سے تھا، خصوصاً ام المومنینؓ کا معاملہ نہایت نازک تھا، جس مین بڑے بڑے صحابہ متردد ہو گئے تھے، گو امیر معاویہؓ کی آپ کے مقابلہ مین کوئی حیثیت نہ تھی، پھر بھی وہ ایک معزز صحابی اور عرب کے نامور مدبر تھے اور غلط سہی لیکن عوام کو بھڑکانے کے لئے خونِ عثمانؓ کے انتقام کا ایک ذریعہ ان کے

ہاتھ آگیا تھا، حضرت علیؓ نے ان مخالف حالات کا جتنا بھی مقابلہ کیا اور جس حد تک بھی نظامِ خلافت کو قائم رکھ کر اس کی اصلاح کی وہ دوسرے سے ممکن نہ تھا، اس پر آشوب دور میں آپنے بغاوتیں بھی فرو کیں، اور فتوحات میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ فرمایا،

نظامِ خلافت کی اصلاح ان سب سے بڑھ کر نظامِ خلافت کی اصلاح ہے، حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں اموی نوجوانوں کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافتِ راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا، حضرت علیؓ نے دوبارہ اسے صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش کی، گو مخالف حالات نے آپ کو اس کا پورا موقع نہ دیا، تاہم جہانتک آپکے بس میں تھا، آپنے دوبارہ شیخین کے دور کو زندہ کرنے کی کوشش کی،

عثمانی دور میں جو بے عنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں انھیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم ونسق کو علی حالہ قائم رکھا، اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی، نجران کے یہودیوں نے جنھیں حضرت عمرؓ نے حجاز سے نجران جلاوطن کر دیا تھا، دوبارہ حجاز میں بسنے کی درخواست کی، آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا عمرؓ سے زیادہ کون صاحب الرائے ہو سکتا ہے[1] صوبوں کی تقسیم وہی رہی، البتہ عمال سب بدل دیئے تھے، اور دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا،

فوج حضرت علیؓ فطرۃً سپاہی اور میدان جنگ کے مرد تھے، اس لئے فوج کی جانب خاص طور سے آپ کی توجہ رہی صفین کے معرکہ میں اسی ہزار فوج آپکے ہمراہ تھی گو مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے آپ کو فوجی نظام کو ترقی دینے کا موقع نہ ملا، تاہم آپنے حسب ضرورت چھاؤنیاں قائم کیں، اور قلعے تعمیر کرائے، اصطخر کا حصن زیاد آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوا تھا

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف، [2] طبری ص ۳۴۵۰

صیغۂ مال | آپ نے صیغۂ مال مین بعض ایسی اصلاحات کین جن سے اس کی آمدنی مین اضافہ ہو گیا،
آپ کے دور سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ نہین حاصل کیا جاتا تھا،
آپنے انھیں قابل محصول قرار دیا چنانچہ صحرائے برس سے چار ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی[1]
اس کے علاوہ اور جنگل بھی تھے،
بعض چیزوں پر سے محصول اٹھا دیا، عہدِ رسالت مین گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے
لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جب اس کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو آپنے ان پر
بھی زکوٰۃ مقرر کردی، لیکن حضرت علیؓ نے اسے منسوخ کر دیا[2]،

عمال کی اخلاقی نگرانی | عہد فاروقی کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی مین بڑا اہتمام
تھا، وقتاً فوقتاً ان کو قیامِ عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے
رہتے تھے، ان کے اعمال و افعال کا احتساب فرماتے تھے، ان کے طرز حکومت کی
تحقیقات کراتے تھے، اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے تھے،

منذر بن جارود والی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار
مین صرف کرتے ہین اور فرائض منصبی مین غفلت برتتے ہین، انھین لکھا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار مین نکل جاتے ہو، اور
کتوں سے کھیلتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو مین تم کو اس کا بدلہ دونگا، تمھارے گھر کا
جاہل بھی تم سے بہتر ہے، چنانچہ انھیں طلب کر کے معزول کر دیا[3]،

اور ایک عامل کے متعلق مختلف شکایتین موصول ہوئین، اسے بڑا طویل خط
لکھا، جس کا ضروری اقتباس یہ ہے،

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۹ [2] کتاب الخراج ص ۴۴ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۲۴

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو، عورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو تمہارے دستر خوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں، منبر پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو اور خلوت میں اہل اباحت کا عمل ہے، اگر یہ شکایتیں صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے تادیب پر مجبور کیا

تم بیواؤں اور یتیموں سے حاصل کئے ہوئے مال سے عیش و تنعم میں ڈوب کر خدا سے صالحین کے اجر کی توقع کس طرح رکھتے ہو گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو، اور خدا کے حقوق ادا کرو[1]،

تحریری بازپرس کے علاوہ کمیشن مقرر کر کے عمال کے طرز عمل کی تحقیقات کراتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ کعب بن مالک انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور فرمایا اور یہ ہدایت کی،

"تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ہر ضلع میں جا کر وہاں کے عمال کی تحقیقات کرو، اور ان کی روش پر نظر ڈالو[2]"

خراج کی آمدنی کا احتساب

عمال سے محاصل و خراج کی آمدنی کا نہایت سختی کے ساتھ احتساب کرتے تھے، مقررہ وقت سے اگر ذرا تاخیر ہو جاتی تو فہمائشی احکام جاری کرتے ایک مرتبہ یزید بن قیس ارحبی نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو آپ نے لکھا،

"تم نے خراج کے بھیجنے میں تاخیر کی، اس تاخیر کا سبب مجھے نہیں معلوم ہوا، لیکن میں تم کو خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس سے ڈراتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو، جس سے تمہارا اجر برباد اور تمہارا جہاد باطل ہو جائے، خدا سے ڈرو اور اپنے

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۸، [2] کتاب الخراج ص ۹

نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھ کو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں، مسلمانوں کو معزز کرو، لیکن اہل معاہدہ پر زیادتی نہ ہو، خدا نے تم کو جو کچھ دیا ہے، اس کو حصول آخرت کا ذریعہ بناؤ اور دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کرو[1]

ایک اور عامل نعمان بن عجلان کو جو بحرین کا خراج لیکر کہیں چلدیئے تھے، لکھا، "جس نے امانت میں خیانت کی اور اپنے نفس اور اپنے دین کو نہ بچایا، اس نے دنیا میں بھی اپنے کو نقصان پہنچایا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ تلخ، اس سے زیادہ مدت پانے والا اور اس سے زیادہ دیرپا ہے، اللہ کا خوف کرو، تم صالح خاندان سے ہو، اس لئے خوش گمانی کا موقع دو، مجھکو جو خبر ملی ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو، خراج ادا کر دو[2]

بیت المال کی حفاظت بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمرؓ ہی کی طرح اہتمام تھا، اوپر جو واقعات لکھے گئے وہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی امانت ہی کی حفاظت کے ہیں، ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کے لئے لکھا، انھوں نے انکار کیا، ان کے انکار پر حضرت علیؓ نے نہایت سختی کرکے واپس کر دیا، اور اس کے متعلق مفید نصیحتیں فرمائیں[3]

اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے، ایکمرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے، اس میں شہد اور گھی بھی تھی

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۰ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۲۴۲

حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم نے مانگ بھیجا، عمرو بن سلمہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی کی بھیجدی، دوسرے دن حضرت علیؓ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے، عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پوچھا، انھوں نے بتا دیا، آپ نے اسی وقت دونوں پیپے مگالیے اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا، اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی[1]

آنحضرت صلعم کے غلام ابو رافع بیت المال کے نگران تھے، انھوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا، حضرت علیؓ نے دیکھ کر پہچان لیا، پوچھا یہ موتی کہاں سے آیا، میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کروں گا، ابو رافع نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا، حضرت علیؓ نے فرمایا، تمھارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو، جب فاطمہ کے ساتھ میری شادی ہوئی ہے تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی، جس پر رات کو سوتا تھا، اور دن کو اسی پر مویشی کو چارہ دیتا تھا، ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا[2]

ذمیوں کے ساتھ نرمی ذمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے، عمال کو ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے، ذمیوں کو ایک عامل عمرو ابن مسلمہ ارحبی کی درشت مزاجی کی شکایت تھی، حضرت علیؓ نے ان کو لکھا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے علاقہ کے ذمی دہقانوں کو تمھاری درشت مزاجی کی شکایت ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہئے، لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے، اور نرمی نقصان کی حد تک، ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو، لیکن ان کے

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶، [2] ایضاً ص ۱۵۹،

خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو[1]

ذمیون کی آبپاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی، یہان کے عامل قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا،

"تمھارے علاقہ کے ذمیون نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے، جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے، تم اسے دیکھ کر اس کو درست کرا کے آباد کرا دو، میری عمر کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائین، یا عاجز و درماندہ ہو جائین، یا ملک کی بھلائی مین حصہ لینے کے قابل نہ رہین[2]"

اہل عجم کے ساتھ اس لطف و کرم کا برتاؤ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی نے نوشیروان کی یاد تازہ کر دی،

عدل و مساوات | آپ کے ایوان عدالت مین بلا امتیاز مذہب و ملت، خویش و بیگانہ، امیر و غریب سب برابر تھے، اگر خود آپ کسی مقدمہ مین فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوتا، ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی، حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت مین دعویٰ کیا، نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اسکی زرہ ہے، قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا، آپکے پاس کوئی ثبوت ہے، آپ نے فرمایا نہین، قاضی شریح نے نصرانی کے حق مین فیصلہ دیا، اس فیصلہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور کہا یہ تو انبیا کے جیسا انصاف ہے کہ امیرالمومنین مجھے اپنی عدالت

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۹ [2] ایضاً ۲۰۴،

کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور قاضی امیرالمومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے[1]

بازار کی نگرانی

بازار کی نگرانی اور نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے، درہ لے کر بازار نکل جاتے اور بیچنے والوں کو حسنِ معاملت اور ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے[2]،

فضل و کمال

حضرت علیؓ نے بچپن سے دامنِ نبوت میں پرورش اور تعلیم و تربیت پائی، جوانی میں شرفِ مصاہرت سے سرفراز ہوئے، اور وصالِ نبوی تک دامن دولت سے وابستہ رہے، ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ آپ میں تحصیلِ علم و کسب کمال کا فطری ذوق تھا، اس لئے مکتبِ نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ کم لوگوں کے حصہ میں آیا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ جملہ دینی علوم کا دریا تھے، آپ کی جلالت علمی پر سب کا اتفاق ہے، کان من العلوم بالمحل العالی[3]، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو خود حبرالامۃ تھے، فرماتے تھے کہ علم کے دس حصوں میں سے خدا نے علیؓ کو نو حصے عطا فرمائے تھے، اور دسویں میں بھی آپ شریک تھے[4]، زبانِ نبوت سے آپ کو انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کی سند ملی[5]،

کلامِ الٰہی سے آپ کو خاص شغف تھا، اس کے حافظ تھے اور اس کی تعلیم آپ نے زبانِ وحی و الہام سے حاصل کی تھی، کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے مخفی نہ تھا، آپ فرماتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی

۱؎ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹ ۲؎ ابن سعد ج ۳ ص ۱۸ ۳؎ تہذیب الاسماء نووی ص ۳۴۵ ۴؎ ایضاً ص ۳۴۶

۵؎ یہ روایت صحاح کی ہے گو بعض محدثین اسے ضعیف مانتے ہیں ۶؎ ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱

فہم قرآن اور اس سے احکام و مسائل کے استنباط کا فطری ملکہ تھا، تفسیر کی کتابین اور احادیث کے ابواب تفسیر آپ کی روایتون سے معمور ہین، جنھین نقل کرنے کا یہ موقع نہین، تفسیر مین غالباً حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا،

رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد آپنے آیتون اور سورتون کی نزولی ترتیب پر کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا[1]، ابن ندیم نے فہرست مین اس ترتیب کی تفصیل دی ہے[2]،

آپ کو ذات نبویؐ کے ساتھ گوناگون خصوصیات کی بنا پر سماع حدیث کا سب سے زیادہ موقع ملا، پھر وصال نبوی کے بعد ۳۰ سال تک تعلیم و ارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے، اس لئے حفظ حدیث اور روایت حدیث دونون لحاظ سے آپ جماعت صحابہ مین نہایت ممتاز تھے، آپ کی مرویات کی تعداد پانچسو چھیاسی ہے، گو کثیر الروایۃ صحابہ کی مرویات کے مقابلہ مین یہ تعداد کم ہے، لیکن یہ آپ کی احتیاط کا نتیجہ ہے، آپکے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے، صحابہ مین جن بزرگون نے احادیث نبویؐ قلمبند کین ان مین ایک حضرت علیؓ بھی تھے، چنانچہ آپ نے فقہی احکام کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام صحیفہ تھا[3]،

کلام اللہ اور احادیث نبوی مین وسعت علم کے ساتھ آپ مین اسی درجہ کی ذہانت، طباعی، دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی تھی، آپ کی ذہانت کے بہت سے واقعات کتابون مین مذکور ہین، اصول و کلیات سے فروعی اور جزوی احکام و مسائل کے استنباط کا فطری ملکہ تھا، اس لئے فقہ مین آپ کا پایہ بہت بلند تھا اور جماعت صحابہ

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱، [2] فہرست ابن ندیم، [3] بخاری کتاب العلم،

ہیں آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا اکابر صحابہ فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ اکابر صحابہ کا آپ سے سوالات کرنا اور مشکل مسائل میں آپ کے فتاوی اور اقوال کی طرف رجوع کرنا مشہور واقعات ہیں[1]،

حضرت عمرؓ جو خود مجتہد اور امام فقہ تھے، حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے آپ کے حریف امیر معاویہؓ کو بھی آپ کی طرف رجوع کرنا پڑتا، غرض آپ کی ذات فقہ میں صحابۂ کرام کا مرجع تھی، فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کے فتاوی پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے، آپ کے فیض یافتہ تھے،

فقہی کمال کا ایک پہلو قضا یعنی فصل مقدمات ہے، اس میں جماعت صحابہ میں آپ کا کوئی مقابل نہ تھا، آنحضرت صلعم نے آپ کو اقضاھم علی صحابہ میں سب سے بڑے قاضی ہیں کی سند عطا فرمائی تھی، اور قضا کی خدمت ان کو سپرد فرماتے تھے، چنانچہ اہل یمن کے قبول اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا، اور رخصت کرتے وقت فصل مقدمات کے متعلق بعض اصول تلقین فرمائے[2]،

فرائض یعنی تقسیم میراث کے فن میں آپ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے،

شیخین کے زمانہ میں اہم مقدمات میں آپ کا مشورہ شریک ہوتا تھا، آپ کی اصابت رائے سے قضا میں بڑی مدد ملتی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک پاگل زانیہ پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے روک دیا کہ مجنون حد شرعی سے مستثنیٰ ہے[3]

مختلف قسم کے مقدمات میں آپ کے فیصلے کتابوں میں محفوظ ہیں، جن سے آپ کی ذہانت، طباعی اور انتقال ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے،

تصوف کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے، صوفیہ کے تمام بڑے بڑے سلاسل

[1] تہذیب الاسماء ج ص ۳۴۶ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۶۹، ۸۳ [3] ایضاً ص ۱۴۰

حضرت حسن بصریؒ کے واسطہ سے آپ ہی پر منتہی ہوتے ہیں، گو محدثین کے نزدیک حسن بصری کا حضرت علیؓ سے لقا ثابت نہیں ہے، لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ارباب طریقت کے نزدیک حسنؒ بصری کو فاطمۃً حضرت علیؓ سے نسبت ہے، محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ اہل تصوف کی تائید کی ہے۔" ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں "صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری نے حضرت علیؓ سے فیض پایا تھا۔" خلافت سے پہلے آپ کو تصوف میں بہت انہماک تھا، پھر خلافت کے بعد اس کی مصروفیوں کی وجہ سے اس فن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ ملا۔[1]

آپ فصحاے عرب میں تھے، آپ کے خطبات فصاحت وبلاغت اور زبان وادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں، شریف رضی نے نہج البلاغۃ کے نام سے آپ کے خطبات جمع کئے ہیں، گو ان سب کا انتساب آپ کی جانب مشتبہ ہے تاہم ان میں بہت سے آپ کے خطبات ہیں، ان کے علاوہ طبری، اخبار الطوال مسعودی اور یعقوبی وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بہت سے خطبات محفوظ ہیں، جو عربی ادب کا نصاب ہیں،

گو اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، لیکن حضرت علیؓ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ جو صحابہ آنحضرت صلعم کے فرامین لکھتے تھے، ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے، حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا، آپ کے خطوط اور

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۰ و ۳۱ و ۵۲ و ازالۃ الخفاء ص ۲۷۴

تحریرین، ادب و انشا کا دلکش نمونہ ہین

شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، بہت سے اشعار آپ کی جانب منسوب ہین، بلکہ پورا مطبوعہ دیوان ہی موجود ہے، لیکن وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا پست ہے کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ حضرت علیؓ، لیکن اس حد تک صحیح ہے کہ آپ کو شاعری سے ذوق تھا، حدیث کی کتابون مین آپ کی زبان سے بعض اشعار منقول ہین، چنانچہ معرکہ خیبر کا رجز بخاری میں ہے[1] مستدرک نے حضرت فاطمہؓ کے مرتیہ کے چند اشعار نقل کئے ہیں[2] ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین آپ کے چند اشعار لکھے ہین[3]

فن نحو کی بنیاد آپ ہی نے رکھی، ایک مرتبہ آپنے کسی شخص کو قرآن غلط پڑھتے سنا تو آپنے ایک شاگرد ابوالاسود دوئلی کو چند اصول تلقین فرمائے، انھون نے اسکی روشنی مین نحو کے چند قواعد مرتب کئے، غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروجہ فنون مین کمال حاصل تھا،

سیرۃ المرتضیٰ | حضرت علیؓ فطرۃً سلیم تھے، آنحضرت صلعم کے آغوش مین پرورش پائی تھی، اس لئے آپ کی ذات خلق نبوی کا پیکر اور تعلیماتِ اسلامی کی تصویر تھی،

زہد | آپ کے فضائلِ اخلاق مین سب سے نمایان زہد وتقوی ہے، آپ کی پوری زندگی اس طرح زہد وورع مین ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کرکے دکھانا مشکل ہے، آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا، زہد کے بارہ مین آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا مردار ہے، جو اسے حاصل کرنا چاہے، اسے کتون کی صحبت

---

[1] بخاری غزوۂ خیبر [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۶۳ [3] کتاب العمدہ ابن رشیق

کے لئے تیار رہنا چاہیئے[1]

آپ پر عزت اور امارت کے مختلف دور گذرے لیکن کسی دور میں مزخرفات دنیاوی کی جانب آنکھ نہیں اٹھائی، ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی آپ کو عیش و راحت کے سامان میسر آگئے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی مین آپ کی آمدنی اتنی ہو گئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی لیکن اس زمانہ مین بھی فاقون کی نوبت آجاتی تھی[2]،

معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی[3]، حضرت فاطمہؓ اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھین اس پر تا عمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا، آپ کے ساز و سامان مین ایک مینڈھے کی کھال تھی، جو بستر کا کام دیتی تھی[4]، اوڑھنے کے لئے ایک مختصر سی چادر تھی، کہ اگر سر چھپاتے تھے تو پاؤن کھل جاتا تھا، اور پاؤن ڈھانکتے تھے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا[5]،

کوئی ملازم نہ تھا، گھر کا سارا کام حضرت فاطمہؓ اپنے ہاتھون سے کرتی تھین، چکی پیستے پیستے ہاتھون مین گھٹے پڑ گئے تھے، کئی کئی دن تک گھر مین چولھا نہ جلتا تھا، ایک مرتبہ کئی فاقون کی نوبت آگئی، بھوک کی حالت مین مزدوری کی تلاش مین نکلے اور اطراف مدینہ مین ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں[6]، ایک مرتبہ گھر مین کچھ نہ تھا، اپنی تلوار بیچ کر خورد و نوش کا سامان کیا[7]،

عبادت و ریاضت عبادت و ریاضت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا، زبیر بن سعید قرشی

---

[1] نووی ج ا ص ۳۴۶ [2] مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۱۳۵ [3] تہذیب الاسماء ص ۳۴۶ [4] کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۹ [5] ازالۃ الخفاء [6] مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۱۳۵ [7] کنز العمال ص ۴۰۹،

کا بیان ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گذار نہ تھا[1] حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ وہ (علی) قائم اللیل اور صائم النہار تھے[2] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام اللہ کی اس آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اٰیہ میں رُکَّعًا سُجَّدًا سے مراد حضرت علیؓ ہیں[3] آپ کی عبادت وریاضت کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں،

انفاق فی سبیل اللہ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا امتیازی وصف تھا، چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ کے بقدر آمدنی رکھنے کے باوجود عسرت زندگی آپ کے انفاق ہی کا نتیجہ تھی آپ کے در سے کبھی کوئی سائل ناکام واپس نہیں گیا، قوت لایموت تک سائلوں کو دیدیتے تھے، اور خود فاقہ سے سورہتے تھے، کلام اللہ کی یہ آیت وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا اسی قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی تھی[4]

امانت ودیانت آپ امین امت تھے، جس دیانت کے ساتھ آپ مسلمانوں کی امانت بیت المال کی حفاظت کرتے تھے اس کے بعض واقعات اوپر گذرچکے ہیں، ہرطرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے، لیکن اپنے حق سے زیادہ ایک حبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے، ایک مرتبہ تیز سردی میں ایک معمولی پرانی چادر اوڑھے تھے بدن کانپ رہا تھا، ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حق ہے، آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں فرمایا، میں تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، (یعنی اگر میں اپنے حصہ سے زیادہ لوں تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی) یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا[5]

[1] مستدرک ج ۳ ص ۸ [2] ترمذی کتاب المناقب، [3] تفسیر فتح البیان ج ۹ ص ۸۹ [4] اس کی تفسیر آیۃ مذکورہ [5] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۹،

آپ کی یہ تکلیفین دیکھ کر ایک مرتبہ آپکے غلام قنبر نے بیت المال کے مال سے آپکے لئے سونے چاندی کے کچھ برتن علٰحدہ کر لئے اور آپ سے عرض کیا کہ بیت المال مین آپ کا اور آپکے اہل و عیال کا بھی حق ہے، لیکن آپ کچھ باقی نہین چھوڑتے اس لئے مین نے آپکے لئے ایک چیز چھپالی ہے، فرمایا وہ کیا، قنبر نے عرض کیا چلکر ملاحظہ فرمایئے، آپنے جاکر دیکھا تو سونے اور چاندی کے برتن تھے، انھین دیکھ کر فرمایا تیری مان تجھ کو روئے تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ مین ڈھکیلنا چاہتا تھا، اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانون مین تقسیم کر دیئے[1]، اس قبیل کے بہتیرے واقعات ہین

شجاعت | شجاعت و شہامت آپ کا خاص وصف تھا، غزوات مین آپ کی شجاعت کے بہت سے واقعات گذر چکے ہین، آپ کی زندگی شروع سے آخر تک شجاعانہ کارنامون سے معمور ہے، اس لئے واقعات نقل کرنے کی ضرورت نہین

سادگی | آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی، جاہ و حشم کا کیا ذکر، تکلف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا، اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حتٰی کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے، زمانہ خلافت مین تنہا بازارون مین گھومتے پھرتے بھولے بھٹکون کو راستہ بتاتے، کمزورون اور ناتوانون کی مدد کرتے اور تاجرون اور دوکاندارون کو یہ آیت تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا سناکر فرماتے کہ یہ آیت عادل، متواضع اور صاحب قدرت والون کے بارہ مین نازل ہوئی ہے[2]،

لباس و غذا | غذا بہت معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ عبداللہ بن

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۹ [2] ایضاً،

زریر نام ایک شخص آپ کے ساتھ کھانے مین شریک ہوئے، کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا، ابن زریر نے عرض کیا امیرالمومنین آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں ہے فرمایا خلیفۂ وقت کو مسلمانون کے مال سے صرف دو پیالیون کا حق ہے، ایک خود کھائے اور ایک اپنے اہل وعیال کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے لیکن نفیس غذاؤن سے احتراز فرماتے تھے، ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا، فرمایا کتنا خوش ذائقہ خوشرنگ اور خوش ذائقہ ہے لیکن مین نفس کو ایسی غذاؤن کا عادی بنانا پسند نہین کرتا، جس کا وہ عادی نہین ہے[2]

امیر معاویہؓ کے استفسار پر حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی نے آپ کے اوصاف بیان کئے تھے، یہ آپ	سیرۃ المرتضیٰ پر ایک جامع تبصرہ

کی سیرت پر ایک جامع تبصرہ ہے، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ضرار سے کہا علیؓ کے اوصاف بیان کرو، انھون نے عرض کیا امیرالمومنین اس سے معاف رکھا جائے امیر معاویہؓ نے اصرار کیا، ضرار نے کہا اگر آپ کو اصرار ہے تو سنئے،

وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا، اور حکمت ٹپکتی تھی، دنیا اور اس کی دلفریبیون سے وحشت کرتے تھے، رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے انس رکھتے تھے، عبرت پذیر اور بہت غور وفکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے، ہم مین ہم ہی لوگون کی طرح رہتے تھے، جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے، باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۸، [2] کنزالعمال ص ۴۱۰،

قریب رہتے تھے، لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کرسکتے تھے، وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، ان کے سامنے طاقتور باطل میں طمع نہیں کرسکتا تھا، اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا، بعض مواقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گذر رہی ہے، ستارے جھلملا رہے ہیں، اور وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں اے دنیا کسی اور کو فریب دے، تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے، میری مشتاق ہے، افسوس میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے، ہائے ہائے، سفر طویل، راستہ وحشت ناک اور زادِ سفر تھوڑا ہے[1]

یہ اوصاف سن کر امیر معاویہ رو دیئے اور کہا خدا ابوالحسن (علی) پر رحم کرے، بخدا وہ ایسے ہی تھے،

---

[1] روضۃ النظرہ ج ۲ ص ۲۱۲،

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

سنہ ۴۰ھ مطابق سنہ ۶۶۱ء

تا

سنہ ۴۱ھ مطابق سنہ ۶۶۲ء
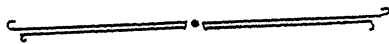
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ آپ کے جانشین ہوے،

ترجمہ حسن | حسن نام ابو محمد کنیت، ریحانۃ النبی لقب، حضرت حسنؓ رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھے، رمضان سنہ ۳ھ مین پیدا ہوئے، حضرت فاطمہؓ کے سوا آنحضرت صلعم کی کل اولادین آپ کی زندگی ہی مین انتقال کر گئی تھین، اس لئے آپ فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے بڑی محبت فرماتے تھے، حضرت حسنؓ سے خاص طور پر بڑا انس و تعلق تھا، اور ان کی بڑی نازبرداری فرماتے تھے حسنؓ صورۃً نانا سے بہت مشابہ تھے آٹھ سال تک نانا کے دامن محبت مین پرورش پائی، سن رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان مین آپ کا قدم پیچھے نہ رہا، حضرت عثمانؓ کی مدافعت مین زخمی ہوئے، جنگ جمل و صفین مین اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے

خلافت | اوپر حضرت علیؓ کے حالات مین گذر چکا ہے کہ دم آخر آپ سے لوگون نے

حضرت حسنؓ کی جانشینی کے بارہ مین پوچھا تھا، آپ نے جواب دیا کہ مین نہ حکم دیتا ہون نہ منع کرتا ہون، تم لوگ اسے زیادہ بہتر سمجھتے ہو" گو آپ نے خلافت کی جمہوریت کا لحاظ کر کے حضرت حسنؓ کو نامزد نہین فرمایا، اور جانشینی کے مسئلہ کو جمہور مسلمانون پر چھوڑ دیا، لیکن اوصاف و کمالات کے لحاظ سے، حضرت حسنؓ جناب امیر کے خلف الصدق تھے، اس لئے وابستگان دامن مرتضوی کی نظر اور کسی جانب نہین اٹھ سکتی تھی چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیس بنؓ سعد انصاری نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھایا اور کہا مین کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہون، آپ نے فرمایا "کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے"[۱]

قیس بنؓ سعد کی بیعت کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ مین حضرت حسنؓ مسند خلافت پر متمکن ہوے،

پہلی تقریر | تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا،

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے، نہ پچھلے اس کو پا سکینگے، رسول اللہ صلعم لڑائیون مین اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے، وہ کسی جنگ مین ناکام نہ لوٹا، میکائیلؑ و جبرئیلؑ چپ و راست اس کے جلو مین ہوتے تھے، اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا ایک ذرہ نہین چھوڑا، یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے"[۲]

---

[۱] طبری ج ۷، ص ۲، [۲] ابن سعد ج ۳ ق ا ترجمہ علی،

امیر معاویہ کا جارحانہ اقدام

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی سے حضرت امیر معاویہؓ والی شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی، اسکے لئے انھوں نے جنگ بھی کی لیکن حضرت علیؓ کی زندگی میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی، حضرت حسنؓ بڑے نرم خو متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے، جنگ و جدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی، امیر معاویہؓ کو اس کا اندازہ تھا اس لئے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع مل گیا، چنانچہ انھوں نے فوراً عراق پر فوجکشی کر دی اور ان کا مقدمۃ الجیش عبید اللہ بنؓ عامر کی قیادت میں عین التمر ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا[۱]،

مقابلہ کیلئے حضرت حسنؓ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری

حضرت امام حسنؓ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے قیس بنؓ سعد انصاری کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے آگے بھیجدیا، اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوئے، طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بنؓ سعد قتل کر دیئے گئے، یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگوں نے حضرت حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا، اور جس فرش پر آپ بیٹھے تھے اسے چھین لیا، فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے[۲]،

دینوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچکر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے بیدلی کا اندازہ ہوا، اس لئے آپ وہیں رک گئے، اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی، "گو میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا، اور تم کو بھی

---

[۱] اخبار الطوال ص ۲۳ [۲] طبری ج ۷، ص ۹،

نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں، میں تم لوگوں کے سامنے

ایک رائے پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ اسے مسترد نہ کروگے، جس اتحاد و یکجہتی

کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے

ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور

کمزوری دکھا رہے ہیں، اس لئے میں تم لوگوں کو تمھاری مرضی کے خلاف مجبور

کرنا نہیں چاہتا،

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے، خارجیون کی ایک جماعت

بھی آپ کے ساتھ تھی، اس نے کہا حسنؓ بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے، ان میں سے

کچھ آدمیون نے آپ کا مصلّی اور کپڑے چھین لئے، ان کا نرغہ دیکھ کر آپ گھوڑے

پر سوار ہو گئے، اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی، انھون نے دوڑ کر خارجیون کو ہٹا دیا،

اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے، راستہ مین ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے

جو آپ کی تاک میں چھپا ہوا تھا، ایک کر حملہ کر دیا، آپ کی ران مین زخم

آیا، خارجی پکڑ کے قتل کر دیا گیا اور حضرت حسنؓ مدائن مین داخل ہو گئے، اور زخم بھرنے

تک یہان مقیم رہے،

زخم اچھا ہونے کے بعد دوبارہ شامی فوج کے مقابلہ کے لئے جو عبید اللہ بن عامر

کی ماتحتی مین مدائن کے قریب پڑی ہوئی تھی نکلے، اس درمیان میں امیر معاویہ بھی فوجین

لے کر انبار پہنچ چکے تھے، یہان قیس بن سعد انصاری پہلے سے موجود تھے، اب گویا

دو مورچے الگ الگ تھے، حضرت حسنؓ عبید اللہ بن عامر کے مقابلہ مین اور قیس

ابن سعد امیر معاویہؓ کے مقابلہ مین، گو تاریخون میں اس کی تصریح نہین لیکن واقعات و

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی فوج میں امیر معاویہؓ کا مخفی اثر کام کر رہا تھا، اور اس کا ایک حصہ ان کے افسون کا شکار ہو چکا تھا، چنانچہ جب جب شامیوں کے مقابلہ کا موقع آیا عراقیوں نے غداری کا ثبوت دیا، ایک واقعہ ابھی اوپر گذر چکا ہے، دوسرا یہ ہے کہ جب حضرت حسنؓ عبید اللہ بن عامر کے مقابلہ میں آئے تو اس نے عراقی فوج میں اعلان کر دیا کہ "میں جنگ کرنا نہیں چاہتا، میری حیثیت تو معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ خود انبار پہنچ چکے ہیں، ابو محمد (حضرت حسنؓ) کو سلام کے بعد میرا یہ پیام پہنچا دو کہ وہ خدا کے لئے اپنے اور اپنی جماعت کے حال پر رحم کریں"۔

یہ پیام سنکر عراقیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا، حضرت حسنؓ نے یہ حال دیکھا تو جنگ کا خیال ترک کر کے مدائن چلے گئے، آپ کے واپس آنے کے بعد عبید اللہ بن عامر نے محاصرہ کر لیا[1]۔

مصالحت اور دست برداری

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسنؓ کے ساتھ جو فوج تھی اس نے ہر موقع پر غداری دکھائی، لیکن قیس بن سعد امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں جمے ہوئے تھے، اور ان کی ماتحت بارہ ہزار سپاہ کٹنے مرنے کے لئے تیار، ابو عریف کا بیان ہے کہ شامیوں کے لئے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا، جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ جائیگی[2]۔

آپ کی ہمراہی فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے[3]، خود حضرت حسنؓ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا، کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا

---

[1] یہ واقعات اخبار الطوال میں ص ۲۲۷ و ۲۳۰ سے ماخوذ ہیں [2] استیعاب ج ۱ ص ۱۴۴ و مستدرک حاکم ج ۳ ترجمہ حسنؓ [3] ابن عساکر ج ۲ ص ۲۱۹

اس سے وہ جنگ کرتے ہے[1]

لیکن جیسا کہ آیندہ چل کر معلوم ہوگا، آپ مسلمانون کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانون کے خون کی ندیان بہتی چلی آرہی تھین، ملک کا امن و امان اٹھ گیا تھا، اس لئے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق مین دست برداری کے لئے آمادہ ہوگئے، اور امیر معاویہ کے پاس اپنی شرطین لکھ کر بھجدیں،

شرائط صلح

مختلف تاریخون مین شرائط کی دفعات و تفصیلات مین اختلاف ہے، دینوری کا بیان اس باب مین زیادہ مستند ہے، اور قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے، اس کے بیان کے مطابق مصالحت کی دفعات یہ تھین،

(۱) کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے (۲) بلا استثناء سب کو امان دی جائے، (۳) اہل عراق کی بدزبانیون کو انگیز کیا جائے (۴) دارابجرد کا پورا خراج حسنؓ کے لئے مخصوص کر دیا جائے (۵) امام حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ دیئے جائین، (۶) عطایا مین بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دی جائے،

امیر معاویہؓ نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطین منظور کرلین اور اپنے قلم سے اقرارنامہ لکھ کر اس پر مہر کرکے اکابر شام کی شہادتین لکھوا کر عبید اللہ بن عامر کے ذریعہ امام حسنؓ کے پاس بھجوا دیا[2]

طبری نے دو روایتین نقل کی ہین، پہلی مستند روایت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے تین شرطین پیش کین، (۱) کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دیدیا جائے،

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷، [2] اخبار الطوال ص ۲۳۱،

(۲) دارابجرد کا خراج آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے (۳) حضرت علیؓ پر اس طرح برسرعام سب و شتم نہ کیا جائے کہ حضرت حسنؓ کے کانوں تک پہنچے،

امیر معاویہؓ نے یہ تینوں شرطیں منظور کر لیں[1]،

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے جو شرطیں لکھ کر بھیجی تھیں، اس کے پہنچنے کے قبل ہی امیر معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر مہر کر کے آپ کے پاس بھیجدیا تھا کہ آپ جو شرطیں چاہیں لکھدیں، سب منظور کی جائینگی، حضرت حسنؓ کو یہ کاغذ ملا تو آپ نے پہلی شرطوں کی دوگنی شرطیں لکھ بھیجیں، لیکن امیر معاویہؓ نے انھیں نہیں مانا، اور دست برداری کے بعد کوئی شرط پوری نہیں کی، لیکن یہ بالکل غلط واقعہ ہے تمام مورخین کا ایفائے عہد پر اتفاق ہے، بلکہ امیر معاویہؓ شرائط کے علاوہ وقتاً فوقتاً اور بھی سلوک کرتے رہتے تھے،

بعض کتابوں میں ایک شرط یہ بھی ملتی ہے کہ امیر معاویہؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوں گے، لیکن یہ محض گڑھی ہوئی ہے، طبری یعقوبی، مسعودی، ابن اثیر کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے، اور نہ آیندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، یہ روایت محض حضرت حسنؓ کے زہر خورانی کے واقعہ کو حضرت امیر معاویہؓ کے سر تھوپنے کے لئے گڑھی گئی ہے، حضرت حسنؓ کا انتقال امیر معاویہؓ کی زندگی میں کئی برس پہلے ہوا تھا، اور زہر کے اثر سے ہوا تھا، اگر یہ شرط مان لیجائے تو زہر خورانی کی نسبت امیر معاویہؓ کی جانب قرین قیاس ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ شرط ہوئی ہوتی تو آیندہ کسی موقع پر جو بارہا پیش آئے، کسی کی زبان سے سنی جاتی، لیکن کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا، یزید

---

[1] طبری ج ۷، ص ۲،

کی ولیعہدی کی مخالفت مین عبداللہؓ بن زبیر اور عبدالرحمن بنؓ ابی بکر وغیرہ نے یہ دلیل تو دی
کہ یہ طریقہ خلفاے راشدینؓ کے طریقہ کے خلاف ہے، یا قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، یہ
کسی نے نہین کہا کہ تمھارے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ تھے، اس لئے اب ان کی اولاد کو ہونا
چاہیئے، خود حضرت حسنؓ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت مین بہت سی دلیلین دین
لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہین کیا، حالانکہ یزید کی مخالفت کی یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی
تھی، بہرحال اس شرط کی تاریخی اور عقلی حیثیت سے کوئی اصل نہیں،

شرائط کی زبانی تصدیق شرائطِ صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بن سعد
انصاری کو جو امیر معاویہؓ کے مقابلہ مین تھے، صلح کی اطلاع دے کر انھین مدائن واپس
آنے کا حکم دیا، انھون نے فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا اب صرف دو صورتین ہین، یا بغیر امام
کے جنگ جاری رکھین یا امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کرلین، یہ فوج بڑی سرفروش تھی
لیکن اس وقت حضرت حسنؓ کے حکم کے خلاف لڑنا مناسب نہ سمجھا، اور جنگ روک کر
قیس مدائن واپس چلے آئے، اور حضرت حسنؓ کوفہ واپس ہوگئے، آپ کے کوفہ جانے کے
بعد امیر معاویہؓ سے یہان آکر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کردی[۱]

مجمع عام میں دست برداری کا اعلان مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ
کے دست راست حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان کو
مشورہ دیا کہ حسنؓ سے مجمع عام مین دست برداری کا اعلان کرادو تاکہ لوگ خود انکی
زبان سے اسے سن لین، امیر معاویہ کو معلوم تھا کہ حضرت حسنؓ اپنی خوشی سے دست بردار
ہوئے ہین، اور ان کی جانب سے آیندہ کوئی خطرہ نہین ہے، اس لئے انھین یہ پسند

[۱] اخبار الطوال ص ۲۳۱ و ۲۳۲،

نہ تھا، مگر عمرو بن العاصؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر انھوں نے حضرت حسنؓ سے دست برداری کے اعلان کی درخواست کی آپ کو اس مین کیا عذر ہو سکتا تھا، آپنے ان الفاظ مین اعلان فرمایا،

اما بعد! لوگو اخدا نے ہمارے اگلوں سے تمھاری ہدایت اور پچھلوں سے تمھاری خونریزی کرائی، دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقوی اور عجز مین سب سے بڑا عجز بداعمالیاں ہیں، یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے، یا وہ اس کے واقعی حقدار ہین یا میں ہوں، دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگون کی خونریزی سے بچنے کے لئے اس سے دست بردار ہوتا ہون، پھر معاویہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ خلافت تمھارے لئے چند روزہ سرمایہ ہے۔" یہ سن کر امیر معاویہؓ بولے بس کیجئے اور عمرو بن العاص سے کہا تمھارا مقصد حاصل ہو گیا، تم یہی سنوانا چاہتے تھے[1]!

مدینہ کا قیام

اس خاتم الفتن دست برداری کے بعد آپ کوفہ چھوڑ کر مدینۃ الرسول لوٹ گئے، اور تا عمر اپنے جد امجد کے جوار مین بسر کر دی، آپ کی مدت خلافت چھ مہینہ سے لیکر سات مہینہ تک ہے، آپ کی تخت نشینی کا زمانہ تو رمضان سنہ ۴۰ھ متعین ہے، لیکن دست برداری کے زمانہ مین اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ ربیع الاول سنہ ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے، اس لحاظ سے آپ کی مدت خلافت چھ مہینے ہوتی ہے،

قیس بن سعد اور امیر معاویہ میں مصالحت

قیس بنؓ سعد انصاری امیر معاویہ کے بڑے مخالف اور حضرت علیؓ کے بڑے پرجوش حامیون مین تھے، یہ عرب کے نامور مدبر تھے، اس لئے امیر معاویہؓ شروع سے ان کو ملانے کی کوشش مین تھے مگر کامیاب نہ ہوئے

[1] اسد الغابہ حالات حسنؓ

جب تک قیسؓ مصر کے حاکم رہے اس وقت وہان امیر معاویہؓ کا زور نہ چل سکا، ان کے ہٹتے ہی مصر ہاتھون سے نکل گیا، اس کی تفصیلات اوپر حضرت علیؓ کے حالات میں گذر چکی ہین، حضرت علیؓ کے بعد قیسؓ اسی طرح حضرت حسنؓ کے وفادار رہے، عراقی فوج کی قیادت ان ہی کے ہاتھون مین تھی، حضرت حسنؓ کے حکم سے مجبور ہو کر وہ معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن لوٹ تو آئے تھے، لیکن ان کی امارت کسی طرح تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے، ایک جماعت بھی امیر معاویہؓ سے لڑنے کے لئے ان کے ساتھ ہوگئی تھی اسلئے امیر کو ان کے ملانے کی بڑی فکر تھی، اور وہ ہر قیمت پر ان سی صلح کے خواہشمند تھے، عمرو بن العاص نے ان سے کہا بھی کہ قیسؓ سے مصالحت کی کوشش نہ کرو، لڑ کر ان کو مطیع بناؤ، انھوں نے جواب دیا کہ ہم آسانی کے ساتھ ان کا مقابلہ نہین کر سکتے جبتک شامیون کی ایک بڑی تعداد کو بھینٹ نہ چڑھا دین جب تک ان سے لڑنا ناگزیر نہ ہو جائے گا اس وقت مین ان سے نہ لڑون گا، آخر مین امیر معاویہؓ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیجا کہ وہ جو شرائط چاہین لکھدین سب منظور کئے جائینگے، حضرت حسنؓ دست بردار ہو ہی چکے تھے، قیسؓ نے سہارا کبتک لڑتے اس لئے آخر مین انھون نے بھی چند شرائط پر صلح کر لی، امیر معاویہؓ نے ان کی تمام شرطین منظور کر لین، اور ان کی راہ مین کوئی کانٹا باقی نہ رہ گیا[1]

مصالحت کے اثرات ونتائج ملک کے لئے حضرت حسنؓ کی مصالحت کے نتائج بہت مفید ہوئے، مسلمانون کی خونریزی کا سلسلہ جو مدتون سے چلا آرہا تھا بند ہوگیا، ملک مین امن وسکون پیدا ہوا اور جو طاقت خانہ جنگی مین پارہ پارہ ہو رہی تھی

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۳،

وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی اور بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح و ترقی کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس لئے اس سنہ کو "عام الجماعۃ" یعنی اتحاد و اتفاق کا سال کہتے ہیں، لیکن شیعانِ علیؓ کی جانب سے حضرت حسنؓ کو بڑی سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، "مذل المومنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے، "مسود وجوہ المومنین" مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے، "عار المسلمین"، "ننگ مسلمین" آپ کے القاب تھے، آپ نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ ان تمام گستاخیوں کو برداشت کیا لیکن کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا،

وفات — دست برداری کے نو سال بعد ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا، آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا، بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارہ سے دیا گیا تھا لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے یہ امیر کے مخالفین کا پروپیگنڈا ہے جس پر انشاء اللہ آئندہ جلد میں بحث ہوگی لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی تھی، زہر نہایت قاتل تھا اس لئے زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہو گئے، حضرت امام حسینؓ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا، آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے عرض کیا قتل کروں گا، فرمایا اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے، اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے،

آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی، حضرت عائشہؓ سے اسکی اجازت مانگ بھیجی آپ نے نہایت مسرت سے مرحمت فرمائی، حضرت حسنؓ نے احتیاطاً پھر وصیت کر دی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت لینا ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دے دی ہو، اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو روضۂ نبوی میں دفن کرنا،

مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے، اگر یہ صورت پیش آئے تو روضہ نبوی
میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گور غریباں میں دفن کر دینا۔[1]

زہر کھانے کے تیسرے دن باختلاف روایت سنہ ۵۰ھ یا سنہ ۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔

جنازہ پر جھگڑا وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسینؓ نے دوبارہ حضرت
عائشہؓ سے اجازت چاہی، آپ نے اسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی، لیکن بنی امیہ کی طرف
سے حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا، مروان کو اس کی خبر ہوئی، تو اس نے کہا حسنؓ کسی
طرح روضۂ نبویؐ میں دفن نہیں کئے جا سکتے، ان لوگوں نے عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے[2]
دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں ہو سکتا، حضرت حسینؓ زور دفن کرنے پر آمادہ
ہو گئے اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی
حضرت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے کہ "یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ کو نانا کے پہلو
میں دفن کئے جانے سے روکا جاتا ہے" پھر حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کی وصیت
یاد دلائی کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا، اس یاد دہانی
پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، سعید بن العاص والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اقلیم صلح و ملت
کے تاجدار اور حلم و بردباری کے پیکر کو آپ کی ماں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ماتم حضرت حسنؓ اپنے خلق عظیم کی بنا پر اتنے محبوب و مقبول تھے کہ ان کی وفات
پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا، بنی ہاشم
کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا، حضرت ابوہریرہؓ مسجد نبوی میں فریاد و فغاں
کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ "لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلعم کا محبوب

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۱۴۵ و مروج الذہب ج ۳ ص ۴۸، ۵ [2] استیعاب و اسد الغابہ ترجمہ حسن بن علی۔

دنیا سے اٹھ گیا۔[1]

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال ملتی تھی ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو کثرت اژدحام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی۔[2]

حلیہ حضرت امام حسنؓ صورت اور سیرت دونوں میں ذات نبوی کی تصویر تھے،

ازدواج واولاد آپ نے بکثرت شادیاں کیں، تاریخوں کے بیان کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے، لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کے حبالۂ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں، ان سے آٹھ لڑکے تھے، حسن، زید، عمر، قاسم، ابوبکر، عبدالرحمن، طلحہ، عبیداللہ،

حضرت حسنؓ کا عظیم الشان کارنامہ دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارنامے حکومت کے استحکام، فتوحات کی وسعت اور فوجوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں اگر اس معیار کو ذرا اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کر دیا جائے تو ملک و قوم کی اصلاح و ترقی اس کا پیمانہ ہو جائے گا، اس سے زیادہ بلند کوئی معیار نہیں لیکن حضرت حسنؓ نے دنیا کے سامنے ایک نیا نمونہ پیش کیا، آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی؛ نہ ممالک فتح کئے نہ فوج و خزانہ جمع کیا، بلکہ ان تمام چیزوں اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سر اسندھ تھا اور دوسرا جبرالٹر، مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی صلاح و فلاح کے لئے چھوڑ دیا، یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کر سکتی ہے حکومت کے بقا و تحفظ اور اس کی توسیع کے لئے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے، بلکہ قصر حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے ہوتی ہے، اپنی قوم کے

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۱، [2] تہذیب الکمال ص ۸۹،

چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لئے تختِ حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ہے،

ظاہری حالات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑی، واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہوا خواہوں میں سے ہر شخص دست برداری کے سخت خلاف تھا، چنانچہ جس وقت آپ نے دست برداری کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت حسینؓ نے عرض کیا خدارا معاویہؓ کی تصدیق کر کے والد کو قبر میں نہ جھٹلائیے۔ آپ نے فرمایا تم خاموش رہو میں معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں[۱]،

اس چند ہزار سپاہ کے سوا جس نے کسی مخفی اثر کے تحت میں غداری کی تھی، باقی سارا عراق آپ کے ساتھ تھا، عرب کے نامور مدبر قیس بن سعد انصاری آپ کے مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے، اور آخر آخر تک امیر معاویہ کے مقابلہ سے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے[۲] ان کے علاوہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے[۳] بلکہ سارا عرب آپ کے ساتھ تھا اور صلح و جنگ میں آپ کے حکم کے تابع تھا[۴]

لیکن مسلمانوں کی پچھلی خونیں تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ کسی طرح بند ہونے میں نہ آتا تھا، مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی، ملک میں بدامنی بپا تھی، آپ نے دیکھا کہ تختِ حکومت کی قیمت میں آپ کو بھی ہزاروں مسلمانوں کی جان ادا کرنا پڑے گی، یہ سودا آپ کے لئے بہت گران تھا، آپ کے نزدیک مسلمانوں کا خون خلافت و حکومت سے زیادہ عزیز تھا، اس لئے امت کی بھلائی کیلئے

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۱ [۲] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۹، [۳] مستدرک ج ۳ ص ۱۷

آپ نے اس عظیم الشان منصب کو چھوڑ دیا،

سب سے پہلی مرتبہ آپ نے جب اپنے عزیز خاص حضرت جعفر طیار کے صاحبزادے سے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا سبب یہ بتایا "میں نے ایک رائے قائم کی ہے، امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کرو گے، ملک میں فتنہ و فساد برابر بڑھتا جاتا ہے، خون کی ندیاں بہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں، قطع رحم کی گرم بازاری ہے راستے خطرناک ہو رہے ہیں، سرحدیں بے کار ہو گئی ہیں، اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ چلا جانا چاہتا ہوں"[1]

ایک موقع پر جبکہ بعض لوگوں نے آپ کو خواہش خلافت سے متہم کیا تھا، آپ نے فرمایا "عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے، اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے، لیکن میں نے خالصۃً للہ اور مسلمانوں کے خون سے بچنے کے لئے خلافت چھوڑ دی"[2]

جو لوگ اس دست برداری کے زیادہ خلاف تھے، وہ طرح طرح کے خطابات سے آپ کو یاد کرتے "مذل المومنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے آپ کا لقب ہو گیا تھا آپ جواب میں فرماتے "میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ ملک کی ہوس میں مسلمانوں کی خونریزی پسند نہیں کی"[3]

امام نووی لکھتے ہیں،

"چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور وہ سات مہینہ حجاز، یمن، عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے، اس کے بعد معاویہ ان کے مقابلہ

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۲۱ و ۲۲۲ [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۰ [3] استیعاب و مستدرک تذکرہ حسن،

کے لئے اٹھے، حضرت حسنؓ بھی نکلے، جب دونوں کا سامنا ہوا تو حضرت حسنؓ کو اس کا اندازہ ہوا کہ جب تک مسلمانوں کی بڑی تعداد کام نہ آجائے گی، اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے، اس لئے چند شرائط پر وہ امیر معاویہ کے حق میں دست بردار ہوگئے اور رسول اللہ صلعم کی اس پیشینگوئی کی تصدیق ہوگئی کہ میرا یہ لڑکا سردار ہے، خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا[۱]،

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا شروع ہی سے جنگ کا ارادہ نہ تھا، طبری کا بیان ہے کہ آپ کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہیں، بلکہ شروع سے آپنے قصد کرلیا تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو امیر معاویہ سے اپنا گذارہ مقرر کراکے ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوجائینگے[۲]

فضل و کمال | حضرت حسنؓ حضرت علیؓ جیسے مجمع العلم کے فرزند تھے اور اسی گہوارہ علم میں آپ نے پرورش پائی تھی، اس لئے آپ کو بھی اپنے اسلاف کی علمی وراثت سے حصہ ملا تھا،

حدیث میں آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے، جن میں سے اکثر حضرت علیؓ سے ہیں، آپکے زمرۂ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا نام بھی ہے، فقہ میں آپ کو اتنا درک تھا، کہ مدینہ کی صاحب علم و افتا جماعت کے ایک رکن تھے[۳]، خطابت میں آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا، آپ کی طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطبات متانت سنجیدگی اور پند و موعظت کی کتاب ہوتے تھے جن کے بعض نمونے اوپر گذر چکے ہیں، شاعری سے ذوق تھا، ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کا ایک شعر نقل کیا ہے،

فضائل اخلاق | مکارم اخلاق میں آپ خلق رسول کا نمونہ تھے،

---

[۱] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۹ [۲] طبری ج ۷ ص ۱ [۳] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۲،

استغنا و بے نیازی | آپ کے فضائل اخلاق میں استغنا و بے نیازی سرفہرست ہے خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دست بردار ہو کر استغنا اور بے نیازی کا جو بلند نمونہ آپ نے پیش کیا وہ تاریخ میں بے مثال ہے،

حلم | آپ کا دوسرا امتیازی وصف ضبط و تحمل ہے، آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی، انتہائی غصہ کی حالت میں بھی کسی کے متعلق "رغم انفہ" اس کی ناک خاک آلود ہو" سے زیادہ کچھ نہ کہتے تھے[1]،

دست برداری کے بعد مخالفین آپ کے روبرو مسلمانوں کے رسوا کرنے والے اور ننگ مسلمین کہتے تھے، آپ صرف اس قدر جواب دیتے کہ میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ حکومت کے لئے ان کی خونریزی پسند نہ کی،

مروان بر سر عام منبر پر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہتا تھا، حضرت حسنؓ سنکر پی جاتے تھے، اور کوئی جواب نہ دیتے تھے[2]، ایک مرتبہ دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی، مروان نے آپ کی شان میں نہایت درشت کلمات استعمال کئے، آپ سنکر خاموش ہو گئے[3]، آپ کے اس ضبط و تحمل کا مروان جیسے شخص پر بھی اتنا اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد روتا تھا، حضرت حسینؓ نے اس سے فرمایا، اب روتے ہو، ان کی زندگی میں تم نے انکے ساتھ کیا کیا نہ کیا، مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا میں نے جو کچھ کیا اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا[4]،

عبادت | خدا کی عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کئے، اس نے آپ کے یہ معمولات بتائے، "فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتا

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۹ [2] تاریخ الخلفاء ص ۱۸۹ [3] ایضاً [4] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۶

تک مصلّی پر رہتے ہین، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہین اور آنے جانے والون سے ملتے ہین، دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنینؓ کے سلام کو جاتے ہین، اور گھر ہوتے ہوئے پھر مسجد آجاتے ہین[1]؛

سواریون کے ہوتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے تھے، متعدد حج پاپیادہ کئے فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے ملون اور اس کے گھر پیادہ نہ گیا ہون[2]

اصلاحِ عقائد

دین کی بنیاد عقائد کی درستی پر ہے، اسی زمانہ سے اہلبیت کی محبت کے دعویدارون نے اہلبیت کے نام سے مذہب مین خرافات داخل کرنا شروع کر دیئے تھے، جب آپ کو اس قسم کے فاسد عقائد کی اطلاع ہوتی تو آپ اس کی تردید فرماتے تھے، شیعیان علی کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانون کی طرح وفات نہین پائی ہے، اور قیامت سے پہلے ہی زندہ ہوجائین گے حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا، یہ لوگ جھوٹے ہین، ایسے لوگ ہرگز شیعہ نہین ہو سکتے، اگر ہم کو اسکا یقین ہوتا کہ علیؓ عنقریب ظاہر ہون گے تو ہم نہ ان کی میراث تقسیم کرتے اور نہ اُن کی بیویون کا عقد ثانی ہونے دیتے[3]؛

فیاضی وسیر چشمی

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا خاندانی وصف تھا آپ بھی اپنی دولت خدا کی راہ مین بڑی دریا دلی سے صرف کرتے تھے، عمر مین تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا آدھا خدا کی راہ مین تقسیم کر دیا اور اس تنصیف مین اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ دو جوتون میں سے ایک جوتا بھی دیدیا[4]،

آپ کے دوست و دشمن دونون آپ کی فیاضی سے یکسان متمتع ہوتے تھے

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۰۹ [2] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۸ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ علی بن حسینؑ [4] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳،

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ایک دشمن کے پاس زادِ راہ اور سواری نہ تھی، اس نے اہلِ مدینہ سے سوال کیا، لوگوں نے حضرت حسنؓ کا پتہ دیا، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے دونوں چیزوں کا انتظام کر دیا، بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے والد کے دشمن کے ساتھ سلوک کرتے ہیں؟ فرمایا کیا ان سے اپنی آبرو نہ بچاؤں[1]، اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں ہیں،

اہل حاجت کی حاجت برآری حاجتمندوں کی ضرورت پوری کرنے کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے، ایک حاجتمند آپ کے پاس آیا، آپ نے اعتکاف کے دائرہ سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کر دی، اور فرمایا، میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا، ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے[2]،

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۲ [2] ایضاً،

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ اخلاق اسلامی، اس میں اسلامی اخلاق کی تاریخ قرآن اور احادیث کی اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، ضخامت ۲۷۰ صفحے قیمت

صقلیہ جلد اول، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی وجزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بہ عہد کے دوروں کا عروج اور مسلمانوں کے مصائب و جلاوطنی کا مرقع دکھایا ہے، قیمت للعہ ضخامت ۴۶۵ صفحے

صقلیہ جلد دوم - یہ مسلمانان صقلیہ کے تمدنی معاشرتی اقتصادی، معاشی، تعلیمی حالات کا مرقع ہے، اس میں صقلیہ کے مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا شعراء کا مفصل تذکرہ اور ان کی تصنیفات اور کلام کا ذکر ہے، قیمت للعہ ضخامت ۵ صفحے،

ہماری بادشاہی، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتوں کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کیں، قیمت ۱عہ ضخامت ۲ صفحے،

مقدمہ عالمگیر، اس میں عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود اس کے خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، قیمت للعہ ضخامت ۴۹۷ صفحے

رقعات عالمگیر، اس میں عالمگیر کے زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک کے تمام خطوط و رقعات جمع کئے گئے ہیں، جس سے اس وقت کی سیاست و تاریخ کے سیکڑوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے،
قیمت ہے ضخامت ۸۰۴ صفحے،

مختصر تاریخ ہند، اس میں ہندوستان کے ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں اور بادشاہوں نے ہندوستان کے سلسلے میں جو کام کئے ہیں ان کا تذکرہ ہے، قیمت ۸ ضخامت ۲ صفحے،

ہندوستان کی کہانی، یہ ہندوستان کی مختصر تاریخ ہے، جو سادہ اور سہل زبان میں لکھی گئی ہے، قیمت ۱۲ ضخامت ۷۶ صفحے

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق سے ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا، وہی مقالہ اب کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے، قیمت ۱۲ ر صفحے

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

(طابع و ناشر محمد اویس وارثی)